عالمِ پیری
۱۹۶۳ء

شباب
۱۹۴۲ء

پیامِ عمل

لاہور

علّامہ حافظ کفایت حسین نمبر

جون ۱۹۶۸ء

www.khwajalateefansari.com

اجازہ سہم امام

از سرکار آیت اللہ العظمیٰ آقائے محسن حکیم طباطبائی مدظلہ العالی مجتہد اعظم نجف اشرف (عرا

امامیہ مشن پاکستان لاہور کی اعانت خمس سہم امام سے بھی کی جا سکتی ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم ولہ الحمد

جناب مستطاب مروج الاسلام آقائے سید ابرار حسین شیرازی

مدیر محترم پیام عمل امامیہ مشن پاکستان لاہور

بعد از ابلاغ سلام جانباز مجاز میاشیہ تامین مکتسبہ خود روپیہ پاکستانی بابت سہم مبارک امام علیہ السلام تبدیج اخذ نمودہ و سیہ از ابنیاب گرفتہ لصاحبان وجوہ رسانیدن این مبلغ را در ترویج شرع مقدس و ترغیب خلق شیم و مبلغین دلسوز تبلیغی بصرف برسانید و از خداوند متعال توفیقات و تائیدات و پیشرفت مقاصد مترتبہ امامیہ مشن را خواستار میباشم زیادہ دین مبین حضور حاضر لسیار سلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

محسن الطباطبائی الحکیم

۱۳۸۱
۲۴/۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ ولہ الحمد

جناب مستطاب مروج الاسلام آقائے سید ابرار حسین شیرازی

پیام عمل امامیہ مشن پاکستان لاہور۔

سلام مسنون کے بعد ۔ آپ مبلغ ایک لاکھ روپے پاکستا

سہم امام علیہ السلام تبدیج حاصل کرنے کے مجاز ہیں اور آ

ہم سے حاصل کر کے صاحبان رقوم تک پہنچا دیں۔ اور اس

آپ شرع مقدس اور مذہب حقہ شیعہ کی ترویج مبلغین اور تبلیغ

پر صرف کریں۔ ہم خداوند متعال سے امامیہ مشن پاکستان کے شا

کے انجام دینے کے لئے توفیقات و تائیدات الٰہیہ کے

ہیں۔ کیونکہ دور حاضر میں دین حق کی ترویج بہت ضروری ہے

واجبات میں بہت زیادہ اہم و ضروری ہے۔ اور انشاء اللہ

حضرت ولی عصر ارواحنا لہ الفدا اپنی نظر عاطفت سے اس

کی امداد فرمائیں گے والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

دستخط و مہر مبارک محسن الحکیم الطباطبائی

۱۰ جمادی الثانی سنہ ۱۳۸۱ھ

ترسیل زر کا پتہ

امامیہ مشن پاکستان (رجسٹرڈ) لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ پیام عمل لاہور

جلد ۱۲ ربیع الاوّل، ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ شمارہ ۴، ۵
جون، جولائی ۱۹۶۸ء

نگران:
خواجہ محمد لطیف انصاری
پروفیسر محمد صادق قریشی

مدیر اعزازی:-
وحید الحسن ہاشمی

بدل اشتراک

ممبران خصوصی	پانچ روپے سالانہ
معاونین خصوصی	دس روپے سالانہ
مربی	یکصد روپیہ یکمشت یا کم از کم دس روپے ماہوار
سرپرست ..	پانچسو روپے یکمشت یا کم از کم پچاس روپے ماہوار

فی پرچہ دو روپیہ

یکے از مطبوعات

امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ

پاک نگر اکرم روڈ لاہور

علامہ حافظ کفایت حسین مرحوم نمبر

ترتیب

ادارہ تحریر

تاثرات:-

خطیب آل محمد سید اظہر حسن زیدی ، قائد ملت سید محمد دہلوی
الحاج مولانا مرزا احمد علی ، علامہ سید ابن حسن نونہروی
علامہ مجتبیٰ حسن کامون پوری ، سید مولانا کلب عابد صاحب مجتہد لکھنوی
مولانا سید علی ناصر سعید طبقاتی ، ڈاکٹر سید ناظر حسن زیدی
جناب سید علی احمد شاہ سابق صدر آزاد کشمیر ، پروفیسر محمد صادق قریشی

مضامین:-

علامہ حافظ کفایت حسین مرحوم ... ایک خاکہ ، وحید الحسن ہاشمی ایم اے ۱۵
مولانا حافظ کفایت حسین ، سرکار سید العلماء سید علی نقی صاحب مجتہد ۲۷
حافظ صاحب کی انفرادیت ، مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل ۲۹
رئیس الحفاظ اور ان کا طرز تبلیغ ، جناب شیخ غیاث الدین صاحب ۳۲
محب اہلبیت ، جناب جسٹس سید جمیل حسین رضوی ۳۷
سیالکوٹ میں حفظ قرآن کا مرکز کتۃ الآراء امتحان ، الحاج سید حسن کاظمی ۳۸
آہ! حافظ کفایت حسین ، جناب کسریٰ منہاس ۴۲
آہ رئیس الحفاظ ، جناب شائق انبالوی مدیر اسد لاہور ۴۶
دانائے راز ، مولانا سید علی احمد ممتاز الافاضل ۴۸
عالم باعمل ، جناب علی محمد خواجہ صاحب ۵۱
الحاج حافظ کفایت حسین مرحوم ، جناب کاظم علی گجراتی ، ۵۴
ہمارا باپ ، محمد مہدی، حسن مہدی ۶۳

نظمیں:-

فیض محمد گوہر ۷۱
نادر فتح پوری ۷۲

www.khwajalateefansari.com

فدا بخاری ۷۳
ممتاز مانیوی ۷۴
ظہور حیدر جارچوی ۷۵
قربان نظامی ۷۶
صفدر گنوری ۷۶
شائق زیدی ۷۷
افسر عباس زیدی ۷۸
مظہر جعفری ۷۹
رفیق رضوی ۸۰

زبان رسائل :-

آہ حافظ صاحب — ارشاد کراچی ۸۱
بلبلِ بستان اہلبیت — چٹان لاہور ۸۳
غریب چمنستان رسالت — اسد لاہور ۸۴
آہ علامہ حافظ کفایت — رضا کار لاہور ۸۶
آہ حضرت رئیس الحفاظ — معارف اسلام ۸۸
موت العالم موت العالم — المنتظر لاہور ۹۰
آفتاب علم غروب ہو گیا — شہید لاہور ۹۱
آہ حافظ کفایت حسین — انجمن وظیفہ لاہور ۹۲
علامہ حافظ کفایت حسین — شہاب لاہور ۹۲
آہ حافظ کفایت حسین — چٹان لاہور ۹۴
موت العالم موت العالم ، آئینہ قسمت لاہور ۹۷
سانحہ عظیم ، خبرنامہ مطالبات کمیٹی کراچی ۹۸

مطبوعات و تقاریر علامہ مرحوم

دوسری مجلس۔ ۹۹
پانچویں مجلس۔ ۱۰۸
حافظ صاحب کی ایک تقریر ۱۲۱
امتحان ۱۲۸
درد ۱۳۱
منزلت سید الشہدا ۱۳۳
واللہ کہ اے حسین کارے کردی ۱۳۶
خواتین کربلا کا مظاہرہ کمال یقین ۱۳۹
شان نبوّت ۱۴۲
ضرورت اطاعت رسول۔ ۱۴۴
تقریظ مشکل کشائے عالم۔ ۱۴۷
تقریظ مفاتح الغیب۔ ۱۴۸
تقریظ زنجانی خبتری۔ ۱۴۹
تقریظ مصباح الجفر ۱۵۰
پیغام برائے انجمن، ۱۵۱
اشتہارات و اطلاعات ۱۵۳

www.khwajatefeansari.com

"چھوٹے چھوٹے فن کاروں کو جو طبلے کی تھاپ سے لوگوں کا دل خوش کرتے رہتے ہیں۔ حکومت زندگی میں اور بعد وفات ان کے پس ماندگان کو وظیفہ دیتی ہے۔ لیکن جس ہستی نے کروڑوں انسانی روحوں کو خوش کیا، کیا اس کی نادار بیواؤں اور یتیم بچوں کے لئے بھی کسی قسم کی امداد دینے پر غور کریگی"

www.khwajalateefansari.com

اداریہ

لیجئے علامہ حافظ کفایت حسین مرحوم نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ رسالے کے اجرا میں چند دنوں کی تاخیر ہو گئی ہے جس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔ اس شمارے میں شرکت کرنے کے لئے ہم نے تقریباً سوا سو افراد کو خطوط ارسال کئے۔ ان افراد میں علامہ مرحوم کے اعزہ۔ دوست، احباب اور مداح بھی شامل تھے۔ جن حضرات نے ہماری آواز پر لبیک کہا اور مضامین جلد ارسال کئے۔ انہیں شامل کر لیا گیا۔ لیکن بعض عمدہ اور اہم مضامین دیر سے آنے کی وجہ سے رہ گئے۔ ہم ان حضرات سے بھی شرمندہ ہیں۔ علامہ مرحوم کی زندگی کے بعض ایسے گوشے تھے۔ جن کے جاننے والے پاکستان اور ہندوستان میں بقید حیات ہیں۔ لیکن انہوں نے باوجود متعدد بار لکھنے کے ایک سطر بھی ارسال نہ کی ہمیں اس کا بے حد افسوس ہے۔

ہم نے علامہ مرحوم کی وفات کو ایک قومی المیہ سمجھتے ہوئے نمبر نکالنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس لئے فقط ان حالات کا ذکر اس رسالے میں شائع کر رہے ہیں جن سے قومی مفاد وابستہ ہے۔ حافظ صاحب مرحوم کی سب سے بڑی خصوصیت انکی سادگی اور غریب نوازی تھی۔ انہوں نے دولت و حشمت جاہ و جلال اور دنیاوی عزت و احترام کے مقابلے میں ہمیشہ عوام الناس کے مفادات کا تحفظ کیا۔ اور اپنے ہم عصروں کے لئے ایک ناقابل فراموش نمونہ چھوڑ گئے۔ انہوں نے ساری عمر ذکر حسین کیا۔ لیکن کبھی مجلس سے اجرت طلب نہ کی۔ یہی ان کا ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی بدولت پوری قوم ان کی وفات پر آنسو بہائے بغیر نہ رہ سکی۔

فہرست مضامین پر ایک ہلکی سی نظر ڈالنے سے آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ وہ خود کیا تھے۔ اور دنیا انہیں کیا سمجھتی تھی۔

امامیہ مشن پاکستان ایک قومی ادارہ ہے۔ "پیام عمل" اس ادارہ کا آرگن ہے۔ آج پندرہ سال سے متواتر ۳۲ صفحات پر مشتمل رسالہ نکل رہا ہے۔ اس رسالے کا اپنے سے پانچ گنا ضخیم نمبر نکالنا سردست معجزے سے کم نہیں۔ ہمیں امید ہی نہیں بلکہ یقین ہے۔ کہ اس ضخیم نمبر کی اشاعت سے مشن کو جو خسارہ ہوا ہے۔ علامہ مرحوم کی غیور قوم اسے ضرور پورا کر دے گی۔

اس نمبر کی تدوین میں جن جن حضرات نے ہماری امداد کی ہے۔ ہم ان کے احسان مند ہیں۔

مدیر اعزازی
پیام عمل، ۲۵ مئی ۱۹۶۸ء

زیر نظر شمارہ ماہ جون و جولائی ۱۹۶۸ء کا تصور کیا جائے۔ اس لئے اگلا شمارہ ماہ اگست میں شائع ہوگا

تاثرات

رئیس الحفاظ کی خدمت میں

خطیب آل محمد کا ہدیہ عقیدت

حافظ صاحب مرحوم دنیائے علم و عمل میں ایک معجزہ خداوندی کی حیثیت رکھتے تھے۔ ہر معجزہ اپنے ماحول میں اظہار عقیدت کے لئے قدرت کا ایک نشان، برہان اور حجت کے طور پر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ چنانچہ حافظ صاحب مرحوم مذہب اہل بیت رسول کی صداقت و حقانیت کی ایک برہان قاطع و ساطع ثابت ہوئے۔

خداوند علیم و خبیر نے ان کو عظمت و جلالت بخشنے کے لئے اتفاقات عجیبہ کا سلسلہ قائم کیا۔ چنانچہ حافظ صاحب کی ولادت باسعادت ایک ایسے شہر میں وقوع پذیر ہوئی جس کا نام ہی بلند شہر تھا۔ اور ان کا وصال دنیا کے ایک عظیم الشان شہر عروس البلاد لاہور میں ہوا۔ چونکہ حافظ صاحب کو نظام ملت میں اصلاح کرنا تھی اس لئے ان کی درسگاہ کا نام مدرسۃ "ناظمیہ" مقرر ہوا انہیں ملت جعفریہ کے لئے نجم ہدایت بننا تھا۔ اس لئے حضرت نجم الملت سے شرف تلمیذ حاصل ہوا۔ ان سے مذہب حقہ کی نصرت کا کام لینا تھا اس لئے حضرت ناصر الملت سے مستفیض ہونے کا موقع بخشا۔ انہیں آفتاب ہدایت بنانا مقصود تھا۔ اس لئے حضرت آفتاب ملت کی تدریس سے منور ہونے کا فخر حاصل ہوا۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت خاص سے انہیں حافظ قرآن بنایا۔ اور قرآن کو ان کا محافظ ٹھہرایا

حافظ صاحب سرکار محمد و آل محمد کے والہ و شیدا تھے انہوں نے تقریباً پچاس سال تک اس مذہب حقہ کی تبلیغ فرمائی ۱۴ سو سال گزر گئے حسین کی جرأت جگائی۔ اگرچہ حافظ صاحب کی دعائے کے بعد دنیا میں ہم ان کے تبرکات سے محروم ہو گئے ہیں لیکن میں ان ہی کے قول و فعل کے مطابق یہ کہوں گا کہ وہ جنت الفردوس میں جوار معصومین علیہم السلام میں اب ہمیشہ ذکر حسین کرتے رہیں گے۔ (رپورٹ کاظم علی گجراتی)

تقریر جناب سید اطہر حسن زیدی مدظلہ

عزیز جانم میاں محمد مہدی سلمہ

دعائیں۔

آپ کا خط پہنچا۔ کیا آپ کو یہ خیال تھا کہ میں انتقال کی خبر سن کر بیٹھا رہتا اور میت میں شریک نہ ہوتا۔ اگر فقط میری زبان بندی ہی ہوتی تب بھی میں ضرور شرکت کرتا لیکن لاہور میں میرا داخلہ بند ہے۔ اور یہ میری غیرت گوارہ نہیں کرتی کہ میں سیاسی یا اخلاقی قیدیوں کی طرح ایک حد

دن کی اجازت لوں۔ اس لیے حاضری سے معذور ہوں ورنہ ضرور شریک ہوتا۔ حافظ صاحب کی موت نے میرا بازو توڑ دیا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ جلسے میں بالکل تنہا رہ گیا۔ ان کے لئے جس مضمون کی فرمائش کی گئی ہے۔ وہ میں بیٹھ کر روانہ کروں گا۔ آپ کو معلوم نہیں اس موت نے میرے دل کو کتنا صدمہ پہنچایا ہے۔ میری طرف سے آپ بچوں کو دعائیں۔ اپنی والدہ کو میرا سلام پہنچا دینا۔

دعاگو
السید محمد دہلوی

○

از قلم الحاج مولانا مرزا احمد علی صاحب قبلہ

آہ ممتاز ذاکر حسینؑ حافظ کفایت حسینؑ مرحوم

حسب خواہش عزیزان پس ماندگان یہ چند سطور لکھی جاتی ہیں:۔

میں مرحوم کو مدت سے جانتا ہوں۔ میں آپ کی ولادت اور آپ کے والد ماجد کو بھی دیکھ چکا ہوں۔ مولد آپ کا شکارپور ضلع بلند شہر تھا وہاں ایک سید بزرگوار عالم پیش نماز تھے۔ انہوں نے علماء لکھنؤ سے خواہش کی کہ وہاں کے طلباء کو علوم شریعت سے ممتاز کیا جائے۔ اس خواہش کی پہلی تعمیل جناب حافظ صاحب مرحومؒ سے ہوئی۔ آپ لکھنؤ بھیجے گئے اور ممتاز الافاضل کے درجہ تک فیض یاب ہوئے۔ پھر مدرسۃ الواعظین لکھنؤ نے آپ سے شرف پایا۔

غالباً انہی ایام میں آپ نے حفظ قرآن کریم کی منزل بھی طے کی۔ مدرسۃ الواعظین اس وقت عرج کی منزل میں تھا۔ حجۃ الاسلام سرکار علامہ سید نجم الحسن اعلی اللہ مقامہٗ کا ستارہ اقبال چمک رہا تھا۔ جناب علامہ مولانا سید سبط حسین صاحب مرحوم کی قیادت تھی ان بزرگان ملت نے اپنی خاص ہدایت سے سرکار حافظ صاحب مرحوم کو صوبہ سرحد کے پشاور کو آپ کی تبلیغ کے لیے ممتاز فرمایا۔ اسی دوران میں خاکسار کو معرکہ کندیاں پیش آیا۔ جس میں سرکار حافظ صاحب نے اپنی جماعت کی شرکت سے شرف بخشا۔ لیکن معجزہ کے ظہور سے پہلے ہی آپ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ چونکہ اہل سرحد آپ کی طبیعت سے آشنا ہو گئے۔ اس لیے جب کرم ایجنسی کے حکام نے فیصلہ کیا۔ کہ وہاں مقدمات کے فیصلے شریعت کے مطابق ہوا کریں۔ تو وہاں کے ایک عالم اہل سنت غالباً مولانا عبدالجبار صاحب اور ایک شیعہ عالم یعنی جناب حافظ صاحبؒ شیعہ مقدمات کے فیصلوں کے لیے جج، قاضی شریعت جعفریہ مقرر ہوئے۔ اس دوران میں لکھنؤ میں ایجی ٹیشن ہو گئی۔ تو آپ نے سرحد کے جاں نثاروں سے ان کی مدد کرائی۔ ہز ہائینس جناب نواب رام پور نے خواہش کی کہ ان کی ریاست میں علماء جعفریہ جمع ہو کر تفسیر قرآن لکھیں۔ ان میں جناب حافظ صاحبؒ کا وجود ذی جود بھی تھا۔

ایک دفعہ تقسیم کے بعد حکومت نے خواہش کی کہ دینیات کا نصاب تیار ہو۔ اس میں جناب حافظ صاحب مرحوم اور ان کے ساتھی نے لکھ دیا کہ مشترک نصاب ہو۔ ایک جگہ غالباً شیعہ جج ہائی کورٹ کی کوٹھی پر جمع ہوئے۔ مجھے بھی بلایا گیا۔ سب نے باتفاق خواہش کی کہ میں ایسا نصاب لکھوں، چنانچہ میں نے لکھ دیا۔ اور وہ دیر تک چلتا رہا۔ فریقین خوش رہے۔ جناب حافظ صاحب نے تحریک ختم نبوت میں بڑی جانفشانی کی۔ آپ مجلس مشاورت میں دیر تک رکن رکین رہے۔ کسی کو

کوئی شکایت نہ ہوئی۔ آپ مجالسِ محرم عموماً امام باڑہ سیّدہ مبارک بیگم، بھاٹی دروازہ میں اور مجالسِ وقف قزلباش کربلائے گامے شاہ میں پڑھا کرتے تھے۔

لیکن کبھی کسی کو یا حکومت کو شکایت نہ ہوئی۔ آپ کے کردار پر آج تک کوئی دشمن بھی حرف نہ لا سکا۔ ماشاءاللہ اولاد کافی ہے۔ خدا انہیں آباد اور خوش رکھے، باہم متحد رہیں۔

مرزا احمد علی

کھجور گلی۔ اکبری دروازہ۔ لاہور

۱۸۰۵۰۶۸

از لکھنؤ محلہ کٹرہ ابوتراب خاں

ادعیہ کثیرہ۔ سانحہ ارتحال پُر ملال کی خبر اخبار و خطوط سے معلوم ہوئی۔ جس سے نہایت صدمہ قلق ہے۔ الحق یہ حادثہ جانکاہ غایت درجہ غم انگیز و اشک ریز ہے۔ اس عہد قحط الرجال میں ایسے جامع الکمالات افراد کبریت احمر ہوتے ہیں۔ فقط ایک جلیل القدر شخصیت سے محرومی نہیں ہے۔ بلکہ اُن جملہ خصائص کا افتقاد ہے جس پر قوم و ملت کو بجا طور پر ناز تھا۔ مرحوم طلاب شاہ کی بلند پایہ ہستی اپنے علمی کمالات و غیر فانی مقامات میں امتیاز خاص رکھتی تھی۔ معقولات، منقولات میں جو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ وہ ہر دستِ متداول سے خراج تحسین و آفرین کا مستحق تھا۔ خطابت و بیان میں جو برہانی کیف تھا۔ اُس نے منطق و فلسفہ کی موشگافیوں کے لب پر مہرِ سکوت لگا دی تھی۔ علم کلام و معانی و بیان و فقہ و اصول و تفسیر و تاریخ وغیرہ میں جو مہارت تامہ تھی۔ وہ اُن کی وسعت نظر و اصابتِ فکر و رویہ کی آئینہ دار تھی۔ ان سب کے علاوہ کتاب اللہ کے حفظ علوم رسمیہ اکتسابیہ میں ایک خاص قسم کی صیقل کر دی تھی جس سے قدم قدم پہ نزاکت شریعت و ناموس دیانت کی نگہداشت و فراست جلوہ گر تھی۔

ہائے افسوس وہ مجمع کمالات و حمیدہ صفات ہم سے ہمیشہ کے لئے جُدا ہو گیا۔ اور ایک خزانہ عامر مدفون ہو گیا۔ اون کے نہ مٹنے والے نقوشِ صداقت لوحِ حافظہ میں محفوظ رہیں گے۔ جو ہمیشہ تڑپاتے رہیں گے۔ یہ حادثہ مفجعہ و سانحہ موجعہ پوری قوم و ملت کے لئے مصیبت کبریٰ ہے۔ جس قدر ماتم کیجئے کم ہے۔ ایسے میں آپ لوگوں کی آہ و فغاں بیقراری و سوگواری حق بجانب ہے لیکن اسوہ حسنہ حضرات آئمہ معصومین علیہم السلام ہی کمال بشریت پر مواقع بلا و ابتلا میں رضا بقضا و تسلیما لامرہ صدق عبدیت کا گوہر اور آئینہ بشریت کا جوہر ہے۔ پروردگار عالم مرحوم و مغفور کو اُنکے محذومین و ممدوحین کے دربار پُر انوار میں درجات عالیہ کرامت فرمائے۔ اور گلزار رحمت و مغفرت میں محل رفیع مخصوص کرے۔ آپ جملہ پسماندگان کو توفیق صبر جمیل عطا فرما کر اپنا دستِ فضل و کرم سروں پر رکھے۔ ادارہ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ سے مرحوم و مغفور کو خصوصیات تعلم و تبلیغ تھے۔ ارکانِ ادارہ کلمات تعزیت پیش کرتے ہیں۔

عنقریب ایصال ثواب کے لئے مجلس عزا منعقد ہونے والی ہے۔ میرے پاس کسی طرح کا پاسپورٹ نہیں ہے۔ کہ سفر کر سکوں۔ جب پاسپورٹ بن جائے گا تو حاضری کی کوشش کروں گا۔

احقر سید ابن حسن عفی عنہ نونہروی

عزیزی سلکم اللہ تعالیٰ

دعائے سعادت و ترقی و تعزیت سانحۂ دلریش قدوۃ المجاہدین۔ محافظ دین سید المرسلین حامیٔ حوزۂ اہلبیت طاہرین خطیب جلیل جناب مولانا حافظ کفایت حسین صاحب کی وفات حسرت آیات کی مختصر اطلاع ریڈیو سے ملی تھی۔ اخبار و رسائل سے ابھی اطلاع نہیں ملی۔ آج آپ کا خط ملا۔

ہم دونوں نے ایک زمانے میں بحیثیت مدرس ناظمیہ عربی کالج لکھنؤ میں کام کیا تھا۔ اور ایک دوسرے سے بہت قریب تھے۔ اس عہد کے باہمی مہر و محبت کے نقش دل پر ابھی تازہ ہیں۔ موصوف کی طویل بیماری سے ہمارا دل غمگین ہوتا تھا۔ کل تک ان کی صحت کے لئے دعا گو تھے۔ اب اخروی فوز و فلاح کے لئے بارگاہ الٰہی میں آرزو مند ہیں۔ مرحوم اپنے طرز خطابت میں منفرد تھے۔

ثبات قلب جرأت۔ جذبۂ مدافعت قوت استدلال اور برجستگی میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ حفظ قرآن مجید کی وجہ سے استدلال میں ان کی تقریر آیات سے مرصع ہوتی تھی۔ مشکل مسائل ان کی تقریروں میں آتے تھے۔ لیکن ان کی تقریر میں نہ کھردرا پن پیدا ہوتا نہ روانی میں کمی آتی گویا کسی شاعر نے یہ شعر انہیں کے بارے میں کہا تھا۔

وَلَا حَصِرٌ بِخُطْبَةٍ
اِذَا مَا هَزَّتِ الْخُطَبُ

مشق و تربیت سے خطابت کا فن کسی قدر شخص سیکھ سکتا ہے۔ لیکن خلوص غرضی نہیں۔ کہ ہر شخص کو میسر ہو۔ خلوص خطابت کی جان ہے۔ یہ روح مرحوم کی تقریروں میں عام طور پر سے محسوس کی جاتی تھی۔

خداوند کریم مرحوم کو ان کے ممدوحین طاہرین کے جوار پاک میں جگہ دے۔ آج 19۔ اپریل کو میرے دفتر نظامت بیت الصلوٰۃ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں انجمن معین العزا شکارپور ضلع بلند شہر کی طرف سے شب کو مرحوم کی مجلس فاتحہ خوانی ہے۔ مرحوم کے قیام پاکستان کے زمانے کے مختصر حالات مل جاتے۔ اور ان کی کوئی تصنیف ہوتی تو یہاں ان کی زندگی پر ایک مضمون اشاعت کے لئے تیار کرایا جاتا۔ مرحوم کے پسماندگان میں کون کون ہے۔ سب کو میری طرف سے پیغام تعزیت پہنچے۔

شریک غم
مجتبیٰ حسن کامون پوری
۱۹ ۴/۶۸

○

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

حضرت علامہ حافظ کفایت حسین صاحب کی خبر وفات ۹ محرم کو ریڈیو سے معلوم ہوئی۔ ۱۰ محرم کی مجلس امام باڑہ خضرا نماب میں اس حادثۂ عظمیٰ کا اعلان کیا اور ہزاروں سوگواروں نے اشک بار آنکھوں سے سورہ فاتحہ کی تلاوت فرمائی۔ افسوس کہ بزرگان قوم اٹھتے جاتے ہیں۔ اور ہندوستان و پاکستان خالی ہوتا جاتا ہے۔ سرکار مرحوم کے تبحر علمی خدمات دینی عزائے حسین کی ترویج میں کوششیں ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ تقسیم ہند و پاک نے

جسموں کو علیحدہ کر دیا ہے۔ لیکن دلوں میں جدائی ممکن نہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ ۲۴ مئی کو مجلس چہلم ہے پاسپورٹ اور ویزے کی دقتیں ناقابل عبور ہیں، ورنہ حاضر ہو کر ضرور شرکت کرتا۔

میری بدقسمتی ہے کہ جناب علامہ مرحوم کا جس زمانے میں لکھنؤ میں قیام تھا۔ اس وقت میرا سن اتنا نہ تھا۔ کہ ان کی خدمت میں حاضری دے کر فیض حاصل کر سکتا اس زمانہ میں اعلی اللہ مقامہٗ کی بعض مجالس میں ضرور شرکت کا موقع ملا۔ اور میرا ناپختہ ذہن جناب مرحوم کے فیض سے جتنا استفادہ کر سکتا تھا اتنا کیا۔

ایک واقعہ یاد ہے۔ میں نے شدالافاضل کے دوسرے سال کا امتحان دیا تھا۔ حمد اللہ کے پرچے کے ممتحن سرکار علامہ تھے۔ ایک دن والد مرحوم نے مجھے یاد فرمایا۔ جب میں حاضر ہوا۔ تو دیکھا کہ علامہ حافظ صاحب بھی تشریف فرما ہیں مجھے آتے دیکھ کر اٹھے۔ اپنے گلے سے لگایا۔ اور فرمایا کہ میں نے تمہارا پرچہ دیکھا۔ میں تمہاری تعریف کرنے اور مبارکباد دینے آیا ہوں۔ اس کے بعد بہت دیر تک دل بڑھاتے رہے آج غور کرتا ہوں تو مرحوم کے اس عمل سے یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ آنجناب کے دل میں مذہب اور تعلیم دینی کے متعلق کتنا شغف تھا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا وسیلہ ہو سکتا تھا۔ کہ طلبہ کی تشویق کی جائے۔ اور انکو اور زیادہ ہمت سے تحصیل علم کی طرف مائل کیا جائے۔ دیگر پسماندگان کی خدمت میں میری جانب سے تعزیت ادا فرما کر متشکر فرمائیں۔ شریک غم

۳۰۔ اپریل ۱۹۶۸ء سید کلب عابد (مجتہد)

○

حسن بھائی کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ خط کہاں سے شروع کروں۔ اور کیا لکھوں۔ لکھوں تو کیسے لکھوں یہ کیا غضب ہو گیا۔ دنیا تاریک ہو گئی۔ اس لئے کہ آفتاب خطابت فصاحت غروب ہو گیا۔ کسے معلوم تھا۔ کہ سال گذشتہ لاہور میں آخری زیارت کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ کسے خبر تھی کہ اب کبھی عظیم شخصیت نگاہوں کے سامنے نہ رہے گی۔ ہائے کیا عظیم شخصیت اٹھ گئی۔ بھائی یقین کیجئے۔ یہ غم فقط آپ کا غم نہیں۔ یہ پورے شیعہ سماج کا غم ہے۔ ساری قوم کا غم ہے۔ کیا قوم انہیں روتے روتے تھکے گی۔ نہیں ہرگز نہیں۔ ان پر جتنے بھی آنسو بہائے جائیں کم نہیں۔ جتنا بھی نالہ و شیون کیا جائے کم ہے۔ آہ! وہ آواز کہ جو بلند ہوتی تھی تو ایک عالم گوش بہ آواز ہو جایا کرتا تھا اب کبھی نہ سنائی دے گی۔ گویا مرحوم کہہ رہے ہیں۔ کہ

بڑے شوق سے سن رہا تھا زمانہ
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

اہل لکھنؤ کو یہ منحوس خبر پہلی ہی زبان سے ملی۔ سارے شہر میں رنج و الم کا ایک شدید اور ناقابل بیان تاثر چھایا ہوا ہے۔ اور کیوں نہ ہو کیا لکھنؤ والے ان بیانات اور تقاریر کو بھول سکتے ہیں۔ جو علامہ مرحوم نے یہاں فرمائی تھیں۔ آپ کو تعزیت ادا کروں۔ تو کن الفاظ میں اظہار غم کروں۔ تو کس طرح تعزیت

تو ایک رسمی سی بات ہے۔ یہ غم جس طرح آپ کا ہے اُسی طرح میرا بھی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ آپ لوگوں کو تعزیت ادا کروں کہ خود اپنے کو یا کہ پوری قوم کو۔ کاش آپ لوگوں کے پاس آسکتا۔ اور آپ کے پہلو بہ پہلو صفِ عزا پہ بیٹھ کر ذاکر غریب حسین علیہ السلام پہ کچھ آنسو بہا سکتا۔ مگر کیا کروں فاصلوں کی بیڑیوں نے راستہ بند کر رکھا ہے۔ میری والدہ صاحبہ، پھوپھی صاحبہ اللہ چچی صاحبہ کی طرف سے اپنی والدہ معظمہ کو بعد از سلام ادائے تعزیت فرما دیجئے گا۔ اگر علامہ مرحوم کی کوئی تصویر بآسانی فراہم ہو سکے تو جلد از جلد بھیجیے گا۔

آپ کا بھائی

علی ناصر سعید طبقاتی

(خلفِ سرکار مولانا سعید الملت صاحب مرحوم و مغفور)

..

○

میں جناب علامہ حافظ کفایت حسین کو

سال ۱۹۴۹ء سے شخصی طور پر جانتا تھا۔ مرحوم پاکستان میں چوٹی کے شیعہ علماء میں سے تھے۔ اسی سال حافظ صاحب نے :-

(۱) شیعیانِ پاکستان کا اجلاس راولپنڈی منعقد کرایا تھا جس کی ایک نشست میں مجھے صدارت کے لیے مدعو کیا تھا۔ اس میں پُرزور مطالبہ کیا گیا تھا کہ شیعہ دینیات کا سرکاری مدارس میں جداگانہ انتظام کیا جاوے۔ اور یہ کہ نصابِ دینیات شیعہ طلبہ کا نصاب مجلس علما پاکستان کا تیار کردہ منظور کیا جاوے اس کے متعلق ترمیم و تنسیخ ۹،۸،۷ پاس کیے گئے تھے۔ حافظ صاحب ان قراردادوں سے متفق تھے۔ ..

(۲) اس کے بعد ۲۱ تا ۲۴ جنوری ۱۹۵۱ء ۱۳۷۰ھ اسلامی فرقوں کے مشاہیر علماء تمام پاکستان کے علماء کی جماعتوں کے نمائندے۔ حنفی (بریلوی۔ دیوبندی) جماعت اسلامی۔ اہلِ حدیث۔ مجلسِ احرار۔ شیعہ پاکستان۔ رکن بورڈ آف تعلیمات۔ اسلام مجلس دستور ساز اسمبلی مغربی و مشرقی پاکستان و تمام صوبوں کے شامل ہوئے اور کراچی اجلاس میں ۲۲ نکات پاس کیے جن میں یہ نکات مذہبی طور پر متفقہ پاس کیے۔ ان میں دفعات ۸، ۹ مندرجہ ذیل ہیں :-

دفعہ ۸ :- اسلامی مملکت کا فرض ہوگا کہ قرآن و سنت رسول کے بتائے ہوئے معروفات کو قائم کرے منکرات کو مٹائے اور شعائرِ اسلام کے احیاء اعلاء اور مسلمہ اسلامی فرقوں کے لیے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے۔"

دفعہ ۹ :- مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدودِ قانون و شرع محمدی کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی انہیں اپنے پیرووں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق ہوگا وہ اپنے خیالات دینی مذہبی کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے۔ اُن کے شخصی و مذہبی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہونگے۔ اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہوگا کہ انہیں کے قاضی یہ فیصلے کریں۔"

ان دفعات دہ نکات پر تمام فرقوں کے علماء کے اتفاق کیا اور دستخط ثبت کر کے گورنمنٹ کو ارسال کیے اس میں علماء

شیعوں میں سے علامہ حافظ کفایت حسین صاحب - اور مفتی جعفر حسین مجتہد بھی دستخط کرنے میں باتفاق شامل تھے۔ یہ ہی قرارداد ۹، ۱۰ جنوری ۱۹۵۲ء کو دوبارہ تصدیق کرکے پاس کی گئی۔ اور اس میں بھی تمام اسلامی فرقوں کے علماء شامل تھے۔

(۳) ۱۲، ۱۳ جنوری ۱۹۵۳ء کراچی آلِ پاکستان کنونشن میں جس میں مندرجہ ذیل قراردادیں متفقہ طور پر پاس کی گئیں، جس میں حافظ کفایت حسین صاحب، مفتی جعفر حسین صاحب، مولوی محمد بشیر صاحب، انصاری صاحب شامل و متفق تھے۔

(ا) قرآن و سنت رسولؐ کی تفسیر و تعبیر ترجمہ علماء شیعہ کا مجتہدان کی طرف سے ہوگا اور جو شیعہ عوام پاکستان تسلیم کریں گے۔

(ب) اوقافِ شیعہ کا انتظام و تنظیم علیحدہ ہوگا اور کنٹرول شیعہ قانون شرع کے مطابق ہوگا۔

(ج) دینیات کے نصاب و تعلیم کی تدریس طلبہ ہم جماعت تک ہوگی جو ان کے عقاید ایمان مذہبی فقہی ضروریات اصول و فروع کے مطابق ہوگی۔

(د) شیعہ پرسنل لا پاکستان پر حاوی ہوگا۔ دوسرے فرقوں کا قانون حاوی نہیں ہوگا۔ یہ مطالبات پُرزور طور پر متفقہ پاس کیے گئے تھے تاکہ ان کو گورنمنٹ عملی جامہ پہنائے۔

(۴) اکتوبر ۱۹۵۵ء میں کچھ حضرات نے حافظ کفایت حسین صاحب پر چند اعتراض نصابِ دینیات کے متعلق کیے جن کا جواب ایک شائع کردہ ..... اشتہار میں حافظ کفایت حسین صاحب نے دیا جو حقائق کے نام پہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۵۵ء حافظ صاحب کی دستخطی شائع ہوا۔ اس میں حافظ صاحب نے لکھا:-

(۱) دینیات کا مطلب اصولِ دین اور فروعِ دین یعنی عقاید و عبادات وغیرہ ہے۔ ان کے مسائل جزئیہ میں شیعہ و سنی کے مابین اس قدر شدید اختلاف ہے جس کا متحد اور جمع کرنا ناممکن ہے۔ اس بنا پر کوئی احمق سے احمق تصور نہیں کر سکتا کہ نصاب مشترکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی عاقل بھی منظوری کا خیال کرے۔

(۲) جو ریزولیوشن محکمہ تعلیم میں میری موجودگی میں پاس ہوا جو جماعت ہشتم تک ہوا۔ قرآن کا ترجمہ دونوں کے لیے مولانا نذیر احمد دہلوی اور شیعوں کے لیے مولانا فرمان علی صاحب کے ترجموں کے مطابق ہوگا۔

(از جناب سید علی احمد شاہ سابق صدر آزاد جموں و کشمیر۔ آزاد کشمیر)

○

برادرِ محترم - اس دور میں جب کہ تبلیغ دین محض دکانداری بن گئی ہے۔ حضرت علامہ کا دنیا سے رحلت فرما جانا ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ آپ نے زندگی بھر اپنی مجلس کی فیس مقرر کرکے طلب نہیں کی۔ غریب سے غریب انسان ان کو دعوت تبلیغ دیتا تھا۔ اور وہ اسے رد نہیں کرتے تھے۔ بعض مقامات پر تو اپنی جیب سے مقامی عزاداروں کی امداد فرماتے تھے۔ ان کی یہ شان بے نیازی ہمیشہ قائم رہی۔ کاش ہمارے دیگر علماء بھی ان کی تقلید کرکے ایک اچھی مثال قائم کرتے۔

پروفیسر محمد صادق قریشی

حافظ کفایت حسین صاحب مرحوم برد اللہ مضجعہ

حافظ صاحب مرحوم کی طلاقتِ لسانی اور فصاحت کا بیان تو تحصیلِ حاصل ہوگا۔ لیکن ان سطور میں راقم اُس وصفِ خاص کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہے۔ جو اُن کی مجالس کا طرۂ امتیاز تھا۔ موصوف نے اپنی تعلیم کی تکمیل لکھنؤ میں کی تھی۔ اور اُس علاقے میں تہذیب و متانت کا جوہر ہے۔ اُس سے وہ حدِ کمال تک بہرہ مند ہوئے تھے۔ میں اِن سطور میں یہی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ جس وصف کو فارسی میں "عفت گفتار" کہتے ہیں وہ مغفور کو بہ درجۂ اتم حاصل تھا۔ وہ معقولات کے ماہر تھے۔ ان کی تقریر میں فلسفہ و منطق کی آمیزش بہت ہی حسین ہوتی تھی کبھی کبھی سلسلۂ وعظ جب تاریخ اسلام کی منزل میں جا پہنچتا تھا۔ تو واقعات کا بیان تاگزیر ہو جاتا تھا۔ لیکن موصوف ان واقعات کو اس لطافت سے بیان کرتے تھے کہ سوادِ اعظم کے سامعین یعنی حنفی حضرات جو اُن کی مجالس میں پابندی سے تشریف لاتے تھے۔ اُن کے بیان سے آزردہ تو کیا مکدر بھی نہ ہوتے تھے۔ اختلافی واقعات کو کمال متانت سے بیان کر جانا اُن کا جوہرِ خاص تھا جس کی وجہ سے اہلسنت حضرات اُن کی طرف کھنچتے تھے۔ اور اُن کی اصلاح خیال ہو جاتی تھی۔

ہماری قوم میں مقرر صاحبان کی کمی نہیں۔ خطیبوں کی تعداد میں ہر سال اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ لیکن اس مصالحت آمیز لہجے سے بات کرنے والے خطیب ہمارے یہاں بہت کم ہیں بیشتر ایسے ہیں کہ اُن کی تیغِ زبان سے فساد و اختلاف کی چنگاریاں اُڑتی ہیں۔ مفاہمت و مصالحت کے پھول نہیں کھلتے۔ کاش یہ حضرات جو حافظ کفایت حسین صاحب کا نام لے لے کر سر دھنتے ہیں۔ اُن کی تقلید کر کے مجالسِ عزا کو تبلیغ کا صحیح ذریعہ بنا دیں ؎

واعظِ شہر کی باتوں میں مزہ مل جائے
شہدِ اخلاق کی لذت جو ذرا مل جائے

ڈاکٹر ناظر حسن زیدی پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور
۱۷۔ مئی ۱۹۶۸ء

خلیفہ ہاشمی ایم اے

باسمہٖ
علامہ حافظ کفایت حسین (مرحوم) ..... ایک خاکہ

دنیا میں موت بھی خلق ہوئی ہے۔ اور زندگی بھی۔ جو اس دنیا میں آیا ہے اُسے ایک نہ ایک دن مرنا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ زندہ رہنے والا اپنی زندگی میں انسانیت کی کیا خدمت کرتا ہے۔ اور مرنے کے بعد اُس کے اثرات پورے عالم انسانیت پر کیا ہوتے ہیں۔ علامہ مرحوم کی زندگی تحفظ انسانیت میں گزری اور مرنے کے بعد بھی انہوں نے اتنے گہرے اثرات چھوڑے کہ آج ہر شخص اُن کی موت کو ایک قومی المیہ قرار دیتا ہے۔ مرحوم ۱۸۹۸ء میں قصبہ شکارپور ضلع بلند شہر میں پیدا ہوئے۔

شکارپور کی وجہ تسمیہ

شکارپور کسی زمانے میں ہندوؤں کے مقدس دیوتا رام کی سرزمین تھی۔ سکندر لودھی کے زمانے میں حضرت جہانیاں جہاں گشت کی اولاد اسی مقام پر تبلیغ اسلام کے لئے آکر سکونت پذیر ہوئی۔ حضرت مخدوم سید جلال الدین حسین بخاری ان مقدس اولیائے کاملین میں ہیں جو یہاں آکر رہے اور معرفت کے آسمان پر آفتاب ہدایت بن کر چمکے۔ اور ہند کے گوشے گوشے کو اپنے نور سے پرنور کر گئے۔ آپ کے زہد و تقویٰ اخلاص فی الدین معرفت کوشی اور حق جوئی سے متاثر ہو کر سکندر لودھی نے شرف بیعت حاصل کیا۔ اور از راہ عقیدت متو[1] گاؤں بطور جاگیر نذر کئے۔ مرشد کو عبادت و ریاضت کے لئے سکون کامل کی ضرورت تھی۔ اس لئے شاہی شکارگاہ کو جنگلات سے پاک و صاف کرا کے آپ کی رہائش کا انتظام کیا۔ اس شکارگاہ کی نسبت سے اس قطعہ اراضی کا نام شکارپور مشہور ہوا۔ علامہ مرحوم کے اجداد تجارت کی غرض سے اس علاقے میں سکونت پذیر ہوئے اور ایک عرصے تک اس علاقے کو مسکن بنائے رکھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بلند شہر کے لوگوں نے نمایاں حصہ لیا تھا۔ اس لئے انگریزوں نے اس علاقے کے مسلمانوں کو کڑی سزائیں دیں، انکی جاگیریں ضبط کیں، ان کے حقوق پامال کئے اور مسلمانوں سے تجارتی رعائتیں چھین لیں۔ مرحوم کے

---

[1] یہ مرحوم کا اپنا قول ہے۔ مولانا جواد الاصغر نے رسالہ ارشاد کراچی اپنی سنہ میں آپ کا سن ولادت ۱۸۹۳ء تحریر کیا ہے

دادا بھی اسی لپیٹ میں آگئے اور ان کا خاندان انگریز کی دشمنی کی وجہ سے بے روزگار ہو گیا۔ انگریز دشمنی کا یہ جذبہ علامہ کے دل میں خاندان کی طرف سے ملا جس کے اثرات ۱۹۱۴ء تک رونما ہوتے رہے۔

خاندان

آپ کے والد عاشق اہلبیتؑ تھے۔ تجارت کی غرض سے اودھ کے دارالسلطنت لکھنؤ میں آتے جاتے تھے۔ لکھنؤ کے علماء و فضلاء کی تقاریر سن سن کر دل میں ٹھان لی تھی کہ اگر میرے لڑکا ہوگا تو حسینؑ کی خدمت کے لئے وقف کر دوں گا۔ دل کا ارمان آنکھوں کے سامنے آیا۔ بیٹے کا نام کفایت حسین رکھا لیکن یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اس دور دراز علاقے میں اس کی تربیت کا انتظام کیسے کیا جائے۔

تعلیم

حافظ صاحب مرحوم کا بچپن بڑے ناز و نعمت میں گزرا۔ حسینؑ کے نام کی وجہ سے والدین درشتی سے گفتگو بھی نہ کرتے تھے۔ اتفاق کی بات ہے کہ مولانا سید نجم الحسن صاحب لکھنوی کے ایک شاگرد میر محمد عوض صاحب نے اس علاقے میں ایک مدرسہ کھولا جس میں حفظ قرآن کا درجہ بھی تھا۔ آپ کے والد نے علامہ مرحوم کو اسی مدرسے میں داخل کرا دیا۔ استاد کی محبت بھری نظروں نے شاگرد کے ذہن کی جلا کی اور اسی مدرسے سے آپ نے قرآن کے دس پارے حفظ کئے۔ پورا قرآن سید غلام حسین صاحب نے حفظ کرایا۔ یہاں سے پھر آپ مدرسہ منصبیہ ضلع میرٹھ میں داخل ہوئے۔ اور یہاں سے حفظ کی سند حاصل کی۔ ۱۹۱۰ء میں مدرسہ ناظمیہ میں داخلہ لیا اور دینیات کی تکمیل حاصل کی۔ ۱۹۱۶ء میں مولوی فاضل پنجاب یونیورسٹی اور ملا فاضل الہ آباد یونیورسٹی کے امتحانات میں اوّل آئے۔ ۱۹۱۷ء میں منشی فاضل پنجاب یونیورسٹی سے کیا۔ ۱۹۱۸ء میں ممتاز الافاضل کے امتحان میں اوّل آئے۔ مدرسے سے سند کے علاوہ خلعت بھی عطا ہوئی۔ اسی سال شیعہ ہائی سکول میں فارسی کے معلم مقرر ہوئے۔ ۱۹۱۹ء میں مدرسۃ الواعظین میں داخلہ لیا۔ اس مدرسے سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۲۰ء میں تبلیغ کی غرض سے پشاور روانہ کئے گئے۔ اپریل ۱۹۲۲ء میں علامہ سرکار نجم العلماء نے انہیں پشاور میں تبلیغ کرنے کا سرٹیفکیٹ عطا کیا۔ ۱۹۲۵ء میں سرحدی علاقے میں بغاوت ہوئی اور مسلمانوں نے پولیٹیکل ایجنٹ سے یہ مطالبہ کیا کہ ہمارے فیصلے ہماری مذہبی فقہ کے مطابق کئے جائیں۔ چنانچہ حکومت نے ایک سنی اور ایک شیعہ عالم فتویٰ دینے کی غرض سے مقرر کیا۔ شیعوں کے لئے علامہ مرحوم منتخب ہوئے۔ اور آپ کو محکمہ قضا سپرد کیا گیا۔

کرم ایجنسی

کرم ایجنسی میں پہنچکر آپ نے جوہر دکھلے۔ لوگوں نے جس طرح آپ کا استقبال کیا اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

جلدی ہی آپ نے لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیا۔ چونکہ مقامی بولی سے ناآشنا تھے اس لئے مترجم کے طور پر سید محمد ابراہیم زیدان کام کرتے تھے۔ سید ابراہیم ایک خوش الحان ذاکر تھے۔ تھوڑے ہی دنوں میں لوگوں کو یہ شکایت پیدا ہوئی کہ مترجم علامہ مرحوم سے صحیح حالات نہیں بتاتے۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لئے آپ نے پشتو زبان سیکھنی شروع کی اور چھ ماہ کے اندر اندر اس زبان پر پورا عبور حاصل کر لیا۔ اب کیا تھا مجالس بھی پشتو زبان میں پڑھنے لگے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر طرف ان کی پوجا ہونے لگی۔ آپ نے اس علاقے میں سید الشہداء علیہ السلام کا ایک جلسہ کیا جو ہر سال اسی روایت اور آن بان سے اب بھی ہوتا ہے۔ انجمن شباب الشیعہ اس لئے قائم کی تاکہ نوجوانوں کو علم دین کی طرف مائل کیا جائے۔ انجمن حسینیہ قائم کی تاکہ مجالس و محافل کا سلسلہ جاری پروگرام وضع کیا جا سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک قلیل عرصہ میں پورے علاقہ میں ایک مذہبی فضا قائم ہو گئی۔ حفظ قرآن کے لئے ایک مدرسہ کھولا جہاں خود بھی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ ماہِ رمضان میں لوگوں کے سامنے قرآن کی تلاوت کرتے۔ اب کیا تھا بچہ بچہ قرآن اور اہلبیتؑ کا عاشق ہو گیا۔ اور ان پہ جان چھڑکنے لگا۔

ایک سازش

حکومت کو علامہ مرحوم کی ہر دلعزیزی ایک آنکھ نہ بھائی۔ چنانچہ انہیں اس منصب سے ہٹانے کے لئے چالیں سوچی جانے لگیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ کسی نامعلوم شخص نے پولیٹیکل ایجنٹ کی کوٹھی میں بم رکھ دیا۔ ایجنٹ تو بچ گیا لیکن حافظ صاحب اس شبہ کا شکار ہو گئے۔ انہوں نے یہ کوشش کی کہ تمام تر ذمہ داری حافظ صاحب مرحوم کے سر تھوپ دی جائے۔

حافظ صاحب کے قتل کی سازش

علامہ مرحوم کو رہائش کے لئے ایک بنگلہ ملا ہوا تھا۔ جس میں ایک بڑا باغیچہ تھا۔ ایک مرتبہ آپ اسی باغیچہ میں نماز ادا کر رہے تھے۔ ایک شخص نور خان آپ کو قتل کرنے کے لئے جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گیا جب علامہ مرحوم سجدے میں گئے تو اس نے پورے حوصلے کے ساتھ پستول نکال کر آپ پہ نشانہ باندھا لیکن جھٹکا لگنے سے گر گیا۔ علامہ مرحوم نماز میں مشغول تھے۔ اس نے دوسری مرتبہ نشانہ باندھا۔ لیکن کسی غیبی طاقت نے اس کے ہاتھوں میں رعشہ پیدا کر دیا۔ گھبرا کر جھاڑی سے نکلا۔ اور علامہ مرحوم کے قدموں پہ گر کر معافی کا خواستگار ہوا۔ علامہ مرحوم نے اسے اپنے پاس بٹھایا۔ کھانا کھلایا اور کچھ رقم دے کر رخصت کیا۔

اگست ۱۹۳۲ء میں سر سکندر العلماء کے کہنے پر آپ نے استعفا دے دیا۔ اور اس منصب پہ حضرت مولانا مرزا یوسف حسین صاحب کا تقرر ہوا۔ آپ نے تبلیغ دین کے لئے اپنے کو وقف کر دیا۔ تبلیغ دین کے سلسلے میں جو رقوم ملتیں اسے مدرسۃ الواعظین لکھنؤ ارسال کر دیتے۔

۱۹۳۳ء میں پنجاب اور سرحد کے اوقاف کے

نائب متولی مقرر ہوئے۔

۱۹۳۴ء میں سر کار نجم الملت نے آپ کو مغربی علاقے کے مبلغین کی نگہداشت کے لیے مبلغ اعلےٰ بنا دیا۔ انہوں نے اس کام کو پوری تندہی سے انجام دیا اور اہلِ علاقہ سے ہزاروں روپے ملاستالوا طین کی امداد کے لئے روانہ کئے۔ سر کار نجم الملت آپ کی اس کارکردگی سے اتنا خوش ہوئے کہ انہیں ثالث النیرین کا خطاب عطا کیا۔

دوسری شادی

۱۹۳۷ء میں کرم ایجنسی کے ایک ایرانی نسل مولوی کی صاحبزادی سے آپ نے شادی کی اور تبلیغ کے لیے راولپنڈی میں تشریف لائے۔

اودھ کی سیاسی فضا

۱۹۳۷ء میں تمام ملک میں انتخاب ہوئے اور بنگال کے علاوہ تقریباً ہر صوبے میں کانگرس کی وزارت قائم ہوئی۔ کانگرس نے انگریزوں کی (Divide and rule) پالیسی پر عمل کرتے ہوئے شیعہ اور سنی مناقشے کی بنیاد ڈالی۔ کانگرس یہ سمجھتی تھی کہ اس طرح آپس کے ٹکراؤ سے مسلم لیگ جو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تھی کمزور ہو جائے گی اور ملک میں حزبِ اختلاف کا نام و نشان باقی نہ رہے گا۔ اسی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے یو پی کی کانگریسی وزارت نے ایک طرف تو اہلِ سنت کو مدح صحابہ کا حق عطا کیا اور دوسری طرف شیعوں کو قدح صحابہ سے روکنا چاہا۔ قائدِ اعظم کانگرس کی اس چال سے خوب واقف تھے چنانچہ انہوں نے کچھ عرصہ خاموشی اختیار کی۔ شیعوں نے اپنے حقوق کے لئے ضروری سمجھا کہ حکومت کے احکام کے خلاف ایجیٹیشن کیا جائے۔ چنانچہ ۱۹۳۹ء میں لکھنؤ ایجیٹیشن شروع ہوا۔

اس ایجیٹیشن کے روحِ رواں سر کار ناصر الملت لکھنؤ میں اور مولانا ظفر مہدی مرحوم پنجاب میں تھے۔ نواب احسان علی خان آف مالیر کوٹلہ ناقل تھے کہ مسلم لیگ کے چند سنجیدہ اور اصحاب فہم شیعہ مفکر اس ایجیٹیشن کے خلاف تھے۔ لیکن کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ سر کار ناصر الملت سے اس مسئلے پر گفتگو کرتا۔ چنانچہ طے پایا کہ ایک وفد سر کار نجم الملت کے پاس جائے اور ان کے ذریعے سے ناصر الملت سے گفتگو کرے۔ وفد کے ارکان کی سیاسی اہمیت کے پیشِ نظر سر کار نجم الملت نے سر کار ناصر الملت سے وفد کا مقصد بیان کیا۔ صدر المحققین سر کار ناصر حسین مرحوم نے علامہ نجم الحسن مرحوم سے فرمایا کہ آپ کے نام میں لفظ حسن ہے۔ آپ کو صلح کا اختیار ہے۔ میرے نام میں حسین ہے۔ میں عزت کے لئے جنگ کو ترجیح دونگا۔ ایجیٹیشن کی خبر سارے ملک میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی۔ علامہ حافظ کفایت حسین مرحوم نے بھی ساٹھ آدمیوں کا ایک جتھا لے کر لکھنؤ کے اس ایجیٹیشن میں شرکت کی اور خود کو گرفتاری کے لئے پیش کیا۔ اسی

سال کانگریس حکومت بدنام ہو کر مستعفی ہو گئی۔ اور جنگ عظیم کی وجہ سے ملک کے تمام کانگریسی لیڈر گرفتار کر لیے گئے۔ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل راوی ہیں کہ مولانا عدیل اختر صاحب مرحوم نے سر کار ناصر الملت سے فرمایا کہ اگر حافظ کفایت حسین پنجاب اور سرحد سے کمک نہ پہنچاتے تو لکھنؤ ایجیٹیشن کامیاب نہ ہوتا۔

تفسیر بورڈ رام پور

نواب صاحب رام پور نے ہمیشہ شیعہ کاز کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ ۱۹۴۶ء میں انہوں نے تفسیر قرآن لکھنے کے لیے ایک بورڈ کی تشکیل کی۔ اس بورڈ میں خطیب اعظم سید محمد دہلوی، علامہ سید رضی، علامہ حکیم مرتضیٰ حسین الہ آبادی اور علامہ حافظ کفایت حسین مرحوم شامل تھے۔ یہ بورڈ تفسیر قرآن کے اہم کام میں مشغول تھا کہ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کا بٹوارہ ہو گیا۔ قیام پاکستان کے بعد نواب صاحب رام پور نے علامہ مرحوم کو ہندوستان ہی میں روکے رکھا۔ لیکن بعض وجوہ کی بنا پر آپ رام پور چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ اور لاہور چلے آئے۔

لاہور میں قیام

سب سے پہلے آپ موچی گیٹ میں قیام پذیر ہوئے۔ اس کے بعد چونہ منڈی میں ایک مکان کرایہ پر لے لیا۔ لیکن جلد ہی اس مکان کو خیرباد کر کے ہائی سٹریٹ نسبت روڈ پر ایک مکان میں آ گئے اور آخر دم تک اسی مکان میں رہے۔

پاکستان میں تبلیغ دین

پنجاب اور صوبہ سرحد کے علاقے تو علامہ کے علم و فن کے پہلے ہی شیدا تھے۔ اب قیام پاکستان کے بعد آپ کی تبلیغ کا دائرہ گلگت سے کراچی تک پھیل گیا۔ آپ نے اپنی دلنشین تقریروں سے عوام کا دل موہ لیا۔ عالم ہوں یا تاجر، عام لوگ ہوں یا حکمران سلطنت سب کے سب علامہ مرحوم کے استدلالی رنگ بیان سے متاثر تھے۔ سردار نشتر گورنر پنجاب آپ سے بے حد پیار کرتے تھے۔ پشاور کے دوران قیام ہی میں علامہ کی شخصیت سے مرعوب تھے۔ فن شعرا اور عروض پر گرما گرم بحثیں ہوتی تھیں۔ سردار مرحوم کے اکثر سلام اسی دور کی پیداوار ہیں۔ اور ان تمام سلاموں میں علامہ مرحوم کا مشورہ شریک تھا۔

قضیہ نارووال

اتفاق کی بات ہے کہ بعض عاقبت نااندیش افسروں کے متعصبانہ طرز عمل کی وجہ سے نارووال میں شیعہ سنی فساد ہو گیا۔ سردار نشتر گورنر پنجاب تھے اور سید احمد علی صاحب مرحوم ہوم سیکرٹری۔ علامہ مرحوم ہرگز ہرگز یہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ قضیہ بڑھے۔ چنانچہ آپ نے گورنر اور ہوم سیکرٹری سے الگ الگ ملاقاتیں کیں۔ لیکن حالات بد سے بدتر ہو گئے۔ مجبور ہو کر آپ نے نارووال جانا مناسب سمجھا۔ حکومت نے آپ کو ایئر

پر گرفتار کرنے کا پروگرام بنایا۔ جونہی آپ اسٹیشن پر پہنچے پولیس کی ایک پارٹی نے آپ کو گرفتار کرنا چاہا۔ لوگوں کا ہجوم پہلے ہی سے اسٹیشن پر تھا۔ لہٰذا پولیس اور پبلک کے درمیان جنگ شروع ہو گئی۔ پولیس نے آپ کو گرفتار کر لیا۔ آپ نے سید سجاد کا نام لے کر ہتھکڑی کو چوما اور پولیس اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے۔ تھانے میں کاغذات کی پڑتال ہوئی۔ اور جمعرات کو سیالکوٹ شہر کی ایک بیرک میں مقید کر دیا گیا۔ اس بیرک میں پچاس آدمی رہ سکتے تھے۔ لیکن اس میں صبح تک سوا سو آدمی قید کر دیئے گئے۔ دوسرے دن حافظ صاحب کو اے کلاس کی پیشکش ہوئی لیکن انہوں نے یہ کہکر ٹھکرا دی کہ جہاں میرے دوسرے بھائی رہیں گے وہیں میں بھی رہونگا۔ سڑے بھنے ہوئے چنے جلی روٹی، سڑی سبزی اور سور کے چھلکے کی دال کھانے کے لئے دی جاتی تھی۔ قیدیوں نے بطور احتجاج بھوک ہڑتال شروع کی لیکن حافظ صاحب نے اسی بیرک کی ایک مجلس میں سیرت جناب سید سجاد پر تقریر کی اور بھوک ہڑتال ختم کرا دی۔ جیلر نے کھانے کی تقسیم کا انتظام حافظ صاحب کے سپرد کر دیا۔ مرحوم ہر قیدی کے پاس جاتے اور اسے دو روٹیاں دیتے۔ اور آخر میں سب سے دو جلی روٹیاں اپنے لئے رکھ لیتے۔ اس تمام عرصے میں آپ نے پگڑی کمر سے لپیٹ رکھی تھی۔ صبح نلکے پر تشریف لے جاتے، اپنا کپڑا خود دھوتے، مجلس پڑھتے جلتے تھے اور روتے جاتے تھے۔

خان بہادر سید احمد علی مرحوم علامہ حافظ صاحب کی بڑی قدر کرتے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ جیل میں جائیں لیکن حالات کی رو نے اور ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے بیجا اقدام نے انہیں مجبور کر دیا تھا۔ الیکشن روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔ اور دوسرے صوبے سے تاتی دستے برابر آ رہے تھے۔ سردار نشتر مرحوم نے اعلا افسروں کی ایک میٹنگ بلائی جس میں سید احمد علی صاحب مرحوم نے گورنر کو بتایا کہ شیعہ قوم تحفظ عزادار کے لئے اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کر دے گی۔ لیکن شکست کسی حال میں بھی تسلیم نہ کرے گی۔ انہوں نے کہا کہ صوبہ یو۔ پی میں ۵۴ اضلاع تھے لیکن لکھنؤ الیکشن میں قیدیوں کی تعداد اتنی ہو گئی کہ تمام جیلیں پُر ہو گئیں۔ اور قیدیوں کو دوسرے صوبوں میں رکھنا پڑا۔ پنجاب میں فقط ۷ جیلیں ہیں۔ اگر گرفتاری بدستور جاری رہیں تو تمام انتظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ بلا حافظ صاحب کو رہا کر دیا جائے۔ سردار نشتر مرحوم اس مثال سے خائف ہو گئے اور حافظ صاحب کی رہائی کے احکام صادر کر دیئے گئے۔

سفر حیدرآباد دکن

۱۹۵۶ء میں علامہ مرحوم حیدرآباد دکن میں عشرہ پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے۔ نواب معظم جاہ نے مجالس کا انتظام کیا۔ دن کو مجلسیں ہوتی تھیں اور رات کو مسالمہ۔ نظام دکن مسالموں میں شرکت کرتے اور داد پاتے۔ حافظ صاحب کو شعر و شاعری

کا بیحد شوق تھا۔ چنانچہ شروع جوانی کے ان کے فارسی قصیدے اب بھی ناظمیہ لکھنؤ میں محفوظ ہونگے۔ ابھی مرحوم نے فقط پانچ مجلسیں پڑھی تھیں کہ حیدرآباد کے اخباروں نے ان کے خلاف مضامین شائع کرنے شروع کر دیئے۔ حالانکہ علامہ مرحوم نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ اسلام کا مزاج جدید جمہوریت کو قبول نہیں کرتا لیکن چونکہ ہندوستان میں جمہوریت کا دعویٰ کیا جاتا ہے اس لئے وہاں کے صحافیوں نے ان کی مجالس کو سیاسی رنگ دے دیا۔ اور پانچ دن کے قیام کے بعد مرحوم کو پاکستان آنا پڑا۔ ان مجالس میں سے دو مجلسیں پیام عمل کے اس شمارے میں شائع کی جا رہی ہیں۔

لاکمیشن

۱۹۵۶ء میں حکومت نے لاکمیشن قائم کیا۔ علامہ مرحوم اس کمیشن کے ممبر مقرر کئے گئے۔ مقصد یہ تھا ملک میں اسلامی قوانین کا نفاذ کیا جائے جسٹس شریف اس کمیشن کے چیئرمین تھے۔ اس کمیشن نے ملک میں دورے کئے اور لوگوں سے اسلام اور دین کے متعلق استفسارات کئے۔ جسٹس شریف ناقل تھے کہ دین کی جیسی جامع تعریف حافظ صاحب نے فرمائی میں نے کہیں نہیں سنی۔ حافظ صاحب نے فرمایا کہ "درحقیقت دین اہل حقوق کے حقوق پورا کرنے کا نام ہے۔"

*

انجمن وظیفہ سادات و مومنین ٹرسٹ

قیام پاکستان کے بعد بھی انجمن دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ چونکہ رقوم کا تبادلہ ناممکن تھا اس لئے پاکستان کی انجمن کو از سر نو کام کرنا پڑا۔ علامہ مرحوم نے جگہ جگہ پھر کر انجمن کی ساکھ بحال کی اور ہزاروں روپے انجمن کے لئے فراہم کئے۔ وہ خود بھی کئی سال تک انجمن کے صدر رہے۔ کام کی مصروفیت اور عدم فرصت کی وجہ سے آپ نے انجمن کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا لیکن جب بھی وقت ملتا انجمن کی خدمت سے غافل نہ رہتے۔ سیٹھ حبیب نے حافظ صاحب کے کہنے پر دس ہزار روپیہ سالانہ انجمن کے لئے دینا منظور کر لیا تھا۔ لیکن آپ کے صدارت سے مستعفی ہونے کے بعد جب انجمن کی کونسل کے ارکان سالانہ چندہ لینے کے لئے کراچی گئے تو سیٹھ صاحب نے وہ رقم دینے سے اس لئے انکار کر دیا کہ اس وفد میں حافظ صاحب قبلہ نہ تھے۔ جب حافظ صاحب کو اس کا علم ہوا تو بہ نفس نفیس کراچی تشریف لے گئے۔ سیٹھ صاحب نے بیس ہزار روپے کا چیک حافظ صاحب کو پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ دراصل میں آپ کی زیارت کرنا چاہتا تھا۔ اسی بہانے آپ کی زیارت ہو گئی۔

امامیہ قرأت کالج لاہور

علامہ مرحوم کو اس بات کا بیحد غم رہتا تھا کہ نئی

بے راہ رو ہوتی چلی جارہی ہے۔ چنانچہ آپ نے اس سلسلے میں مختلف سکیمیں بنائیں لیکن مالی مشکلات کی وجہ سے ان پر عمل درآمد نہ ہو سکا۔ ایک بار آپ نے حفظ کلاس کے اجراء کے لئے سیٹھ محمد علی سے گفتگو کی، سیٹھ صاحب نے آپ کی رائے سے اتفاق کیا۔ اور امامیہ قرأت کالج کی بنیاد ڈالی گئی۔ سیٹھ صاحب نے وعدہ کیا۔ کہ وہ کالج کے اساتذہ کی تنخواہوں کے علاوہ اس بچے کو تین ہزار روپیہ انعام بھی دیں گے جو پورا قرآن حفظ کرے۔ چنانچہ آج تک یہی سلسلہ قائم ہے۔ اور علامہ مرحوم اپنی حیات تک اس ادارے کے اعزازی صدر رہے۔

اپریل ۱۹۶۳ء میں حکومت نے انہیں اوقاف بورڈ کا ممبر مقرر کیا اور اسی سال اکتوبر میں صدر محترم نے اسلامی مشاورتی کونسل کا ممبر منتخب کیا۔ علامہ علاؤ الدین صدیقی چیئرمین مشاورتی کونسل اپنی تقریروں میں فرماتے تھے کہ میں نے حافظ صاحب سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ کونسل میں ان کی رائے کا بڑا احترام کیا جاتا تھا۔ جب بھی کبھی کوئی رائے دیتے تھے تو قرآن اور احادیث کے حوالے ضرور دیتے تھے۔ جس سے حاضرین خاموش ہو جاتے تھے۔

کراچی کا سفر

اپریل ۱۹۶۴ء میں آپ نے حج کی نیت سے کراچی کا سفر اختیار کیا۔ لیکن حج کے لئے روانگی سے قبل ہی کراچی میں آپ پر دورہ پڑا۔ اور ہسپتال میں داخل کر دیئے گئے۔ کافی علاج معالجے کے بعد جب کوئی افاقہ نہ ہوا تو لاہور تشریف لائے۔ یہاں ایک عرصہ تک بیمار رہے۔ ۱۹۶۶ء میں بغرض حج و زیارت ممالک مشرق وسطیٰ میں گئے۔ حجۃ الاسلام علامہ آقائے محسن حکیم مدظلہ نے اپنے طبیب خاص سے آپ کا علاج کرایا۔ اسی سفر میں بحرین میں ہفتی فلسطین سے ملاقات کی، کعبۃ اللہ جا کر مناسک حج خود بجا لائے اور کافی صحتمند ہو کر لاہور تشریف لائے۔ لیکن تقریر کے قابل تادم مرگ نہ ہو سکے۔ یکایک چوتھی اپریل ۱۹۶۸ء کو بروز جمعرات گنگا رام ہسپتال میں انتقال فرما گئے۔

عادات و خصائل

اب تک ہم نے علامہ مرحوم کے ان واقعات کا تذکرہ کیا جو ان کی ظاہری زندگی سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن اب ہم ان کی سیرت طیبہ کے ان پہلوؤں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جن کی بدولت ہر خاص و عام ان پر جان دیتا تھا۔

حافظ صاحب کی بزرگی اور برتری کا راز ان کی خاکساری اور انکساری میں پوشیدہ تھا۔ بزرگوں کا احترام اور خوردوں سے شفقت ان کی عادت ثانیہ بن گئی تھی۔ ہر شخص سے جھک کر ملتے تھے۔ چونکہ ان کی اپنی بزرگی مساوات کرام کی مرہون منت تھی۔ اس لئے سیدوں اور سیدزادوں کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ہمیشہ سادہ لباس زیب تن کرتے تھے۔ اور سادہ سفید پگڑی باندھا کرتے تھے۔ امیر ہو یا غریب سب سے یکساں طور پر ملتے تھے۔

ایک بار بھاٹی گیٹ سے گزر رہے تھے کہ ایک

نانبائی نے دیکھ لیا۔ سامنے آکر راستہ چھینک کر کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ دس سال سے برابر آپ سے کہہ رہا ہوں کہ مجھ غریب کی دعوت قبول فرمایئے۔ لیکن آپ کوئی نہ کوئی عذر فرما دیتے ہیں۔ آج آپ اس غریب کی دعوت قبول فرمائیں۔ حافظ صاحب نے اپنے چھوٹے صاحبزادے کی انگلی پکڑی اور اس شخص کے تنور کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ اس نے تنور سے گرم روٹی نکالی اور مٹی کے ایک پیالے میں تھوڑی سی دال ڈال کر کہنے لگا کہ نوش فرمائیں۔ حافظ صاحب نے کھانا شروع کیا اور اپنے بیٹے کو بھی اس کھانے میں شریک کیا۔ جو کوئی ادھر سے گزرتا حیرت اور حسرت سے حافظ صاحب کو دیکھتا۔ عام تاثر یہ تھا کہ ان کے پاس اتنے پیسے نہ تھے کہ کسی ہوٹل میں جاتے۔ بعض اس بات پر بگڑ رہے تھے کہ اگر حافظ صاحب کو کھانا ہی تھا تو کھانا لے کر سامنے مسجد میں آجاتے۔ مجمع بڑھتا گیا لیکن حافظ صاحب نے اس وقت تک نگاہ اوپر نہ کی جب تک شکم سیر ہو کر کھانا چکے۔ کھانا کھا کر اس سے رخصت ہوئے۔ سینکڑوں افراد ساتھ تھے۔ کسی نے بڑھ کر اس واقعے کا سبب دریافت کیا۔ تو کہنے لگے کہ بھائی یہ مومن ہے۔ دس سال سے کہہ رہا تھا۔ میں نے سوچا چلو آج اس کی خواہش بھی پوری ہو جائے۔

ایک بار کہیں مجلس پڑھنے کے لیے تشریف لے گئے۔ بعد اختتام مجلس جب واپسی کا ارادہ کیا تو جوتے صاف تھے۔ جلسے سے گھر تک بڑی خوشی اور خندہ پیشانی کے ساتھ یہ ہنر پا چلے آئے اور بانی مجلس کو اطلاع نہ ہونے دی کہ کہیں وہ شرمندہ نہ ہوں۔

علم و فضل

میرا یہ منصب نہیں کہ میں ان کے علم و فضل کے بارے میں کچھ تحریر کروں۔ ان کی علمیت کے بارے میں اس شمارے میں افاضل روزگار کے خطوط مرقوم ہیں۔ ان سے مرحوم کے تبحر علمی اور استعداد کا صحیح اندازہ ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ علامہ مرحوم تمام علوم متداولہ پر دسترس رکھتے تھے۔ سرکار نجم الملت کے جو خطوط ان کے فرزندوں کی تحویل میں ہیں انہیں دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ مرحوم علم و فضل کے سمندر تھے۔ باریک سے باریک نکتے کو اس عمدگی سے پیش کرتے تھے کہ عالم اور جاہل سب محظوظ ہوتے تھے۔ اور یہ ایسا کمال ہے کہ کم مقرروں کے حصے میں آیا ہے۔

جوش ملیح آبادی نسبت روڈ سے گزر رہے تھے کہ سید مرتضیٰ حسین فاضل صاحب بھی ان کے ساتھ تھے۔ کسی نے کہا کہ حافظ صاحب قبلہ کا مکان سامنے ہے۔ چلیئے مل لیں۔ صبح کا وقت تھا حافظ صاحب نے ان کا استقبال کیا اور گھر کے اندر بٹھایا۔ جوش صاحب نے کہا قبلہ خدا کے وجود کا کیا ثبوت ہے۔ علامہ مرحوم بیس منٹ تک مختلف استدلالوں سے ثبوت دیتے رہے۔ آخر میں جوش صاحب یہ کہکر اٹھ آئے کہ علامہ صاحب میں قائل تو نہ ہو سکا لیکن آپ خدا کے بہترین وکیل ہیں۔

دلی دروازے کے باہر ختم نبوت کا جلسہ ہو رہا تھا۔ عطاء اللہ شاہ بخاری صدر جلسہ تھے۔ علامہ مرحوم نے دوران تقریر

فرمایا کہ جو کچھ میں نے کہا ہے یہ میری طالب علمانہ کوشش ہے۔ بخاری صاحب مرحوم اُٹھے اور کہنے لگے اگر اس قوم کا طالب علم ایسی تقریر کرنے والا ہے تو عالم کیسا ہوگا۔

بھائی گیٹ کی مجلسوں میں اختر حسین صاحب، خان بہادر سید احمد علی مرحوم، خان قربان علی خان مرحوم، جسٹس کیانی مرحوم اور کبھی کبھار جسٹس رحمان ایک ہی ساتھ جایا کرتے تھے۔ جسٹس کیانی فرماتے تھے کہ میں اکثر اپنے عدالتی مسائل کا حل حافظ صاحب کی تقریروں میں پا جاتا تھا۔ فرماتے تھے کہ اگر حافظ صاحب ایڈووکیٹ ہوتے تو پاکستان کے چیف جسٹس ہوتے۔

ہر دلعزیزی

شیعہ ہوں یا سنی علامہ مرحوم ہر ایک کو پیارے معلوم ہوتے تھے۔ یہ تو سب کو علم ہے کہ حافظ صاحب ظاہری علوم میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ لیکن یہ کسی کسی کو معلوم ہے کہ وہ صاحب کرامات بھی تھے۔ ان کے حرقِ عادت کمالات کی ایک فہرست ہے جن کی وجہ سے ایک دیندار اور دنیا دار دونوں اُن کی عزت کرتے تھے۔

ایک بار دسن پورہ میں مجلس پڑھ رہے تھے، مصائب کے دوران ایک شخص بے ہوش ہوگیا۔ کچھ عرصے کے بعد جب ہوش آیا تو اُس نے حافظ صاحب کی قمیض کے پچھلے حصے کا ایک ٹکڑا اچھاڑ لیا۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو روتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ ہٹ جاؤ سیدالشہداء اپنا ہاتھ ان کی پشت پہ رکھے ہوئے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ لوگوں نے آپ کی قمیض چیر ڈالی۔ اور آپ بانیٔ مجلس کی قمیض پہن کر گھر تشریف لائے۔

علاقہ نواب صاحب میں حضرات شیعہ ایک مجلس کرنا چاہتے تھے۔ اور ایک مشہور مناظر کو اس میں پڑھوانا چاہتے تھے۔ حضرات اہل سنت کو مجلس کے انعقاد پہ کوئی اعتراض نہ تھا۔ البتہ اُن کا مطالبہ یہ تھا کہ اُن مناظرہ کرنے والے مولوی صاحب کو نہ بلایا جائے۔ حضرات اہل سنت نے سبز پٹے بازوؤں پہ باندھ رکھے تھے اور حضرات شیعہ کالے پٹے باندھے ہوئے تھے۔ حالات نازک سے نازک تر ہوتے جا رہے تھے۔

دونوں طرف کے اہل "ایمان" لڑنے مرنے پہ کمربستہ تھے۔ علامہ مرحوم کو خبر ہوئی فوراً مجلس میں حاضر ہوئے۔ اہل سنت حضرات یہ دیکھ کر کہ حافظ صاحب آ رہے ہیں نہ صرف یہ کہ اپنے ارادوں سے باز آئے بلکہ دو گھنٹے تک مجلس میں حافظ صاحب کی تقریر سنتے رہے۔ اس طرح فقط علامہ کی موجودگی سے ایک زبردست تصادم کا خطرہ ٹل گیا۔

دینی اور قومی جوش

علامہ مرحوم کو دین کی لگن تھی۔ سینکڑوں مناظرے دین حقہ کی سربلندی کے لئے کئے۔ جن کے اثرات آج بھی پشاور، راولپنڈی، سیالکوٹ میں پائے جاتے ہیں۔ عیسائیوں، ہندوؤں اور سکھوں کے جلسوں میں بڑی بیباکی سے تقریر کرتے تھے۔ مسلک اہل بیتؑ پہ عامل تھے اور اسی کا پرچار کرتے رہے تھے۔ پاکستان کے سینکڑوں امام باڑے ایسے تھے جن میں آپ بڑے

خلوص سے تذکرہ اہلبیتؑ کرتے تھے۔ اور کبھی ایک پیسے کا تقاضا نہ کرتے تھے۔ بعض حضرات اختتام مجالس پر آپ کی جیب میں کچھ روپے بطور کرایہ ڈال دیتے تھے۔ اس عادت کو روکنے کے لئے آپ نے ایسی قمیصیں سلوائیں جن میں جیب ہی نہ ہوتے تھے۔ ادھر محرم کا چاند دیکھتے بے قرار ہو جاتے۔ ایک کالی قمیص گلے میں ڈال لیتے تھے اور پیدل مجالس پڑھنے نکل جاتے تھے۔

نواب مظفر علی خان قزلباش نے شاہ جمال میں اپنی کوٹھی کی رسم افتتاح کی۔ علامہ مرحوم کو بنیاد رکھنے کے لئے دعوت دی۔ علامہ نے بنیاد تو رکھدی لیکن نواب صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ کوٹھی فقط آپ کے فائدے کے لئے ہے۔ کوئی ایسا کام کریں کہ قوم کو فائدہ پہنچے۔ نواب صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے ملیں کھولنے کا خیال علامہ کے اس قول سے ہوا۔ آج ان ملوں میں سینکڑوں افراد قوم فقط علامہ کی وجہ سے کام کر رہے ہیں۔ کبھی سیٹھ محمد علی حبیب سے کہہ کر مدرسے اور کالج کھلوائے۔ پیش نمازوں کا تقرر کرایا۔ ریسرچ سنٹر کھلوایا، مسجدیں بنوائیں اور کبھی مقامی زمینداروں سے کہکر امام باڑوں کی تعمیر کرائی۔ یہی وہ اوصاف ہیں جن کی وجہ سے ہر طبقہ خیال کے لوگ ان کی عزت کرتے تھے۔

دیگر علوم

علامہ مرحوم علوم نقلیات، علم جفر اور قدیم و جدید سائنسی نظام سے باخبر تھے۔ لوگ ان کے پاس مسائل لے کر آتے تھے۔ اور چشم زدن میں مطمئن ہو کر چلے جاتے تھے۔

شب جمعہ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ کوئی دوسرا شخص اس کی ہڈیاں توڑ رہا ہے۔ صبح ہوئی گھبرایا علامہ کے پاس آیا۔ اور اس وحشت ناک خواب کی تعبیر پوچھنے لگا۔ علامہ نے فرمایا کہ گھر جاکر صدقہ دو۔ اور زوال آفتاب سے قبل باہر نہ نکلنا۔ اس نے علامہ کے قول کی پرواہ نہ کی اور گھر سے باہر نکل کر کسی بازار میں کچھ خریدنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ایک بس اسے کچلتی ہوئی نکل گئی۔ علامہ کو خبر ہوئی دیر تک افسوس کرتے رہے۔

ایک صاحب رات کے کسی حصے میں علامہ سے ملنے آئے۔ آپ نے انہیں پاس بٹھایا، انکی پریشانی کے حالات سنے۔ وہ ایک معمولی شخص تھے لیکن مقدر ان کی یاوری نہ کرتا تھا۔ جس کام میں ہاتھ لگاتے بنا بنایا بگڑ جاتا تھا۔ علامہ مرحوم زیر آسمان آکر دیر تک ستاروں کو دیکھتے رہے۔ پھر ان صاحب سے فرمایا آپ تشریف لے جائیں۔ انشاء اللہ آپ کا کام بن جائے گا۔ دو سال میں وہ لکھ پتی بن گئے۔ لیکن تا دم مرگ حافظ صاحب سے پھر نہ ملے۔ علم جفر کی کتابوں پر تقریظیں لکھتے تھے جن سے علمی استعداد کا اندازہ ہوتا ہے۔

بدنی کمالات میں بھی انہیں جواب نہ رکھتے تھے عبداللہ جان پارا چنار تحریر فرماتے ہیں کہ علامہ مرحوم

مانا پتنگ کے ماہر تھے۔ مکڑیاں چلانا خوب جانتے تھے۔ اکثر ہم لوگ کئی طرف سے ان پر حملہ کرتے تھے۔ لیکن وہ اپنی مکڑی سے ہر وار کو روک کر کہا کرتے تھے سو دو سو کے مجمع کو تو میں یوں ہی بھگا سکتا ہوں۔

علامہ کے صاحبزادوں نے بتایا کہ وہ دریائے راوی میں جاتے تھے، نہاتے تھے اور پیراکی کی مشق بہم پہنچاتے تھے۔ وہ ایک اچھے پیراک تھے۔ پانی کی سطح پر ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بے حس و حرکت لیٹ جاتے تھے۔ اور دور تک مانند چوب چلے جاتے تھے۔ خود ہی اس فن کے عالم نہ تھے بلکہ بچوں کو پیراکی سکھاتے تھے۔

علامہ مرحوم فن شعر کے دلدادہ تھے لیکن شاعری سے اجتناب کرتے تھے۔ جوانی میں عربی اور فارسی میں قصیدے کہتے تھے لیکن ان کے بستے میں اس وقت کوئی قصیدہ نہیں۔ شیخ محمد صدیق مدیر رضا کار راوی ہیں کہ جب میں نے مسلک اہلبیتؑ اختیار کیا تو حافظ صاحب سے موچی گیٹ میں ملنے کیلئے گیا۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ میرا نام محمد صدیق سے بدل کر کوئی دوسرا نام رکھ دیجئے۔ علامہ مرحوم نے فرمایا کہ نام بدلنے کی ضرورت نہیں۔ فقط یہ سبق اپنے پیش نظر رکھو۔

جز علی نیست کسی بعد محمد صدیق

یہ سبق آج بھی دفتر رضا کار میں آویزاں ہے۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ نشتر مرحوم آپ سے فن عروض سیکھتے تھے۔ حیدر آباد دکن کی شعری صحبتیں بھی اس امر کی گواہ ہیں کہ علامہ مرحوم کو شعر و شاعری سے بڑا لگاؤ تھا۔ لیکن شعر گوئی میں دلچسپی نہ لیتے تھے۔

مقام عبرت

افسوس ہے کہ اتنا جامع حیثیات اور جامع کمالات انسان جس نے دس پندرہ ہزار انسانوں کو مسلک اہلبیتؑ سے وابستہ کیا، جو ہر شخص کی سفارش کے لئے اپنے شب و روز ایک کر دیتا تھا جس کے ایک ہلکے سے اشارے سے لوگوں کے مقدر جاگے۔ لیکن جب بیماری کے عالم میں صاحب فراش ہوا تو دنیا نے اس کی طرف سے منہ موڑ لیا۔ عوام نے تو سرد دلی کا مظاہرہ کیا ہی حکومت نے بھی اس کی خبر گیری نہ کی۔ چھوٹے چھوٹے فنکاروں کو جو طبلے کی تھاپ سے لوگوں کا دل خوش کرتے رہتے ہیں حکومت زندگی میں اور بعد وفات ان کے پسماندگان کو وظیفہ دیتی ہے لیکن جس ہستی نے کروڑوں انسانی روحوں کو خوش کیا کیا اس کی نادار بیواؤں اور یتیم بچوں کے لئے بھی کسی قسم کی امداد دینے پر غور کرے گی؟

اطلاع

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں۔

سرکار علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ مدظلہ "از تذکرہ حفاظ شیعہ"

مولانا حافظ کفایت حسین صاحب واعظ مدرسۃ الواعظین

ہمارے کرم فرما، محترم دوست، اور تلمذ کے رشتہ سے بزرگ بھائی، مدرسۂ ناظمیہ کے ہمارے پہلے کے ممتاز الافاضل اور سب سے مقدم جماعت میں کے واعظ مدرسۃ الواعظین موجودہ زمانے کے مستند حافظ ہیں۔

آپ نے ہماری مخصوص خواہش پر اپنے حالات قلم بند کر کے ہمارے پاس بھیجے ہیں۔ جنہیں انہی کے الفاظ میں ہم درج ذیل کرتے ہیں۔

تمام آباؤ اجداد شیعہ تھے۔ شکارپور ضلع بلند شہر میں پیدا ہوا۔ مولانا سید محمد عوض صاحب قبلہ شاگرد جناب شمس العلماء مولانا نجم الحسن صاحب قبلہ نے شکارپور ہجرت کر کے ایک مدرسہ قائم کیا۔ جس میں ایک درجہ حفظ قرآن کا بھی کھولا۔ حافظ مہدی حسن صاحب ساکن کرانہ ضلع مظفر نگر مدرس مقرر ہوئے۔ ان سے تقریباً دس پارے یاد کئے۔ ان کے بعد حافظ سید غلام حسین صاحب مدرس ہوئے۔ ان سے آخر تک یاد کیا۔

۱۹۰۹ء میں قرآن مجید مکمل حفظ کر کے مولانا حافظ فیاض حسین صاحب مدرس مدرسہ ناظمیہ کی خدمت میں سنانے کی غرض سے مدرسہ احسن المدارس شکارپور کی طرف سے بھیجا گیا۔ تین ماہ رہ کر واپس شکارپور آیا۔ اور اوائل ۱۵ء میں لکھنؤ کے مدرسہ ناظمیہ میں آ کر تعلیم دینیات شروع کی۔

۱۶ء میں مولوی فاضل پنجاب یونیورسٹی اور ۱۷ء میں منشی فاضل پنجاب یونیورسٹی ملا فاضل الہ آباد یونیورسٹی میں کامیابی حاصل کی آخر ۱۸ء میں ممتاز الافاضل کا امتحان دیا۔ اور اول نمبر کی کامیابی حاصل کر کے مدرسہ کا خاص انعام عبا و عمامہ حاصل کیا۔ اسی سال شیعہ ہائی اسکول میں پرشین ٹیچر رہا۔ ۱۹۱۹ء میں مدرسۃ الواعظین میں داخل ہوا۔ ۲۰ء میں مدرسہ کا آخری امتحان دیا اور اول نمبر میں کامیابی حاصل کی ۲۱ء میں مدرسۃ الواعظین کی جانب سے بغرض تبلیغ پشاور روانہ کیا گیا۔ اوائل ۲۶ء میں کورم ایجنسی صوبہ سرحد شمال و مغربی کا محکمۂ قضا سپرد ہوا۔ اگست ۲۷ء میں استعفا دے دیا اور پھر مدرسۃ الواعظین کی جانب سے کار تبلیغ پنجاب میں شروع کیا۔

امتحان حفظ قرآن کے بعض خاص اور اہم واقعات

۱۹۱۷ء میں اہل سنت کی خواہش پر دس دس پارہ یومیہ پڑھکر قرآن مجید اول سے آخر تک سنایا جس کے بعد حفاظ اہل سنت نے سند تصدیق عنایت کی۔ جس میں تحریر کیا کہ نہایت کامل حافظ اور قاری ہیں

۲۰ء میں سیالکوٹ میں مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی

ہانی کے اشہاد دینے پر منعقد کیا گیا اس میں قرآن مجید سنایا گیا۔ جس کے بعد مولوی صاحب موصوف اور صدر جلسہ مولوی محمد شاہ صاحب حنفی مولوی فاضل نے سند عنایت کی۔ ڈیرہ غازی خاں میں عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں کم از کم پچھتر حفاظ اہل سنت شریک تھے۔ مختلف مقامات سے قرآن سنایا گیا اور اہل سنت کے حفاظ باوجود اس کے کہ شرائط میں اُن کا سنانا بھی تحریر ہو چکا تھا کسی نے ایک رکوع بھی نہ پڑھا۔

مدرسہ ناظمیہ لکھنؤ میں تقریباً پچیس حافظ اہل سنت کے غرض امتحان آئے اور مختلف مقامات سے پڑھوایا اور تصدیق کر کے چلے گئے۔ جناب مولانا سبط حسن صاحب قبلہ نے ایک دوشالہ اور سعادت خاں صاحب نے ایک فیروزہ کی انگشتری بطور انعام عطا کی۔

یہ تھے وہ حالات جو حافظ صاحب نے خود قلمبند کیے ہیں۔

گزشتہ قریبی زمانہ میں جس کو ابھی ایک سال کا عرصہ نہیں ہوا۔ جب حافظ صاحب لکھنؤ آئے تھے تو پانچ روز تک مدرسۃ الواعظین میں تلاوت قرآن کے جلسے ہوئے۔ جس میں خاص و عام ہر طبقہ کے افراد کا کافی اجتماع ہوتا تھا۔ حافظ صاحب نے چھ چھ پارے ہر روز قرآن مجید کی تلاوت کی اور پانچ جلسوں میں قرآن ختم کیا۔ چند جلسوں میں مجھے بھی شرکت کا موقع ملا جس سے میں اس نتیجہ تک پہنچا۔ کہ حافظ صاحب چند خصوصیتوں سے عام حفاظ قرآن کے اندر مخصوص امتیاز رکھتے ہیں۔

آپ تلاوت قرآن کے اثنا میں سلام کا جواب دیتے متوجہ ہو کر بات کرتے۔ اور بات کا جواب دیتے۔ تکرار کی فرمائش کرنے پر جس لفظ میں شبہ ہو۔ اس کی تکرار کرتے۔ اور پھر سلسلہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے ہیں۔ تلاوت میں روانی و تیزی کے ساتھ قرأت و مخارج حروف کا لحاظ رکھتے۔ اور الفاظ کی ساخت کو بگڑنے نہیں دیتے ہیں۔ یہ چیزیں وہ ہیں۔ جو اکثر حفاظ میں زیادہ تر مفقود ہوتی ہیں۔ بحالت موجودہ آپ راولپنڈی (پنجاب) میں تشریف رکھتے ہیں۔ اور کار تبلیغ میں مصروف ہیں۔

لاہور میونسپل کارپوریشن

نقل قرارداد نمبر ۳۰۶ مورخہ ۳۰-۱ اپریل ۱۹۶۸ء

کو لاہور میونسپل کارپوریشن کے عام اجلاس میں پاس ہوئی۔

قرارداد تعزیت، حافظ کفایت حسین صاحب مرحوم حسب ذیل ہے۔

"اراکین لاہور میونسپل کارپوریشن ممتاز عالم دین حافظ کفایت حسین کی وفات حسرت آیات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں۔ حافظ کفایت حسین صاحب دلنشیں منش پرخلوص اور ارفع شخصیت کے مالک تھے۔ وہ نہ صرف اسلامی حلقوں میں احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ بلکہ وہ ایک مفکر اور متقی ہونے کی بنا پر عوام میں مقبول تھے۔ علامہ حافظ کفایت حسین نے اپنی عمر تبلیغ اسلام میں صرف کی۔ نیز اتحاد المسلمین کے لئے کوشاں رہے۔ چنانچہ ان کی وفات سے دینی حلقوں میں خلا پیدا ہو گیا ہے۔

اراکین کارپوریشن دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ اور پس ماندگان کو صبر

مولانا سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل

حافظ صاحب کی انفرادیت

حافظ کفایت حسین صاحب قبلہ مرحوم اعلی اللہ مقامہ
پر مفصل کام کرنے کا تہیہ کر چکا ہوں خداوند عالم توفیق عطا
فرمائے وھوالی التوفیق سردست واقعہ کی اہمیت اور
آپ کے رسالہ کے خصوصی شمارے کے لئے مختصر اعرض ہے

حافظ صاحب اس عظیم شہر میں گوناگوں خصوصیات
کے لحاظ سے منفرد و یگانہ تھے پورے ملک میں محبوبیت
کے اعتبار سے جو محبت و اعتبار حافظ صاحب کو حاصل
تھا کسی شخص کو نہیں سنی شیعہ دونوں کے نزدیک
یکساں احترام تھا۔ دونوں فرقے ان کی خطابت
اور اخلاق کو قابل تعجب حد تک پسند کرتے تھے جس نے
ان کی تقریر سنی وہ گرویدہ ہو گیا۔ جو ان سے ملا وہ ان کا
فریفتہ ہو گیا، عطاء اللہ شاہ بخاری، ظفر علی خاں۔
ثناء اللہ صاحب امرتسری میر ابراہیم سیالکوٹی جیسے مشاہیر
ان کی عزت اور ان کے علم کا اعتراف کرتے تھے۔ اور
آج بھی شورش کاشمیری جیسا نڈر اور بے باک رہنے
اور لکھنے والا، سچے دل اور پر خلوص جذبے سے حافظ
صاحب کو شایان شان خراج عقیدت پیش کرتا ہے۔ بلا
شبہ، چنان، نے حافظ صاحب مرحوم کے بارے میں
دو شمارے نکالے اور ایسے کہ کوئی دوسرا اخبار یا رسالہ
ایسے شمارے نہ پیش کر سکا۔ میں نے جناب شورش
کے جذبات محبت و احترام کو مشایعت جنازہ کے
وقت دیکھا اور پیشاور کے ائمہ میں ان کا عکس پایا۔
ملک کے قومی پریس اور زعماء نے بلا تفریق مذہب و
مسلک ان کے اخلاق و فن خطابت کو خراج تحسین
پیش کیا، جس کی صدائے بازگشت اسمبلی میں سنی
گئی اور وہاں حزب اقتدار و حزب مخالف دونوں نے
حافظ صاحب کی وفات کو عظیم سانحہ قرار دیا گیا۔
کوثر صاحب نے صرف اپنے (شہاب) میں نوٹ لکھا
بلکہ وہ خود جنازے میں بڑی محبت اور انتہائی تاثر
کے ساتھ شریک ہوئے۔ بہت سے علماء و فضلاء اور
دانشور و زعماء تھے جس کی زبان سے سنا گیا۔
حافظ صاحب بڑے عالم تھے، اور وہ سب کے
تھے۔ ان کے محلہ کی مسجد کے خطیب جو مرد فاضل و
بزرگ ہیں اس طرح غم گیں و سوگوار بیٹھے جیسے حافظ
صاحب ان کے کوئی قرابت دار ہیں، وہ کہتے تھے کہ
مدتوں سے پڑوس میں ہیں اس طویل مدت میں کبھی
ان کی زبان سے کلام حکمت کے سوا کچھ نہ سنا وہ اپنے
عقیدہ و مسلک میں سخت اور متشدد تھے مگر ہم سے بات
چیت میں وہ ہمارے عقائد کا احترام بڑی شدت سے ملحوظ
رکھتے تھے۔ ان کی خطابت عوام و خواص دونوں میں مقبول
تھی، خطابت میں شعلہ بیانی یا تقریر میں گل افشانی نہ
تھی علمی بیان، سادہ زبان، ہر دلیل میں قرآن۔ اس کا اثر یہ

تھا کہ سننے والے تڑپ جاتے تھے۔ اور ہر سننے والا داد دینے لگتا تھا۔ ان کی خطابت کھوکھلے فقروں سے عبارت نہیں تھی، وہ بڑے عالم تھے اور ان کی تقریر اسی بنیاد پر آگے بڑھتی تھی، ان کا فنی پس منظر علم و فکر سے عبارت تھا عقلی استدلال اور سادہ مثالیں، قرآن مجید اور علوم محمدؐ و آل محمدؐ کے تعلیمات کا اثبات ان کا موضوع تھا، خوبی یہ تھی کہ سائنس، فلسفہ، کلام اور منطق کے آب و گل سے تیار شدہ ڈھانچہ عوام و خواص دونوں کے لئے باعث کشش تھا ہر شخص اپنے اپنے ذوق کے مطابق لطف اندوز ہوتا تھا، ہر ایک تعریف کرتا ہوا رخصت ہوتا تھا، کبھی کبھی وہ بہت دور نکل جاتے تھے، سامعین ان کا ساتھ دینے سے عاجز ہوتے تھے، مگر قرآن مجید کی مسلسل آیتوں، ہر مرحلہ میں آیات کے مطالب سے مجمع مستفید ہوتا تھا، عام طور پر اجنبی آدمی اور غیر شیعہ حضرات کے لئے ان کی تقریر بے حد دلکش ہوتی تھی، شیعہ چونکہ ہر مسئلہ کو روزانہ سنتے رہتے ہیں پھر عقلی نقلی اور خطابی انداز میں بڑے اور چھوٹے خطیب مدتوں سے ان باتوں پر تقریریں کرتے رہتے ہیں اس لئے ان کا تاثر نو وارد کے تاثر سے جداگانہ حیثیت رکھتا ہے، غیر شیعہ حضرات کے لئے ایک تو مسئلہ کا سیاق و سباق، پھر حافظ صاحب کا انداز علمی معیار، استدلال و معقول خلاف ان کی زبان سے وہی باتیں سنتے تھے جو خود ان کے مذہب و عقیدہ کا جزء معلوم ہوتے تھے، بلکہ ان عقائد و معجزات کی اچھی تعبیر بھی اچھی تعبیر ہے ادب و تنقید کی اصطلاح میں "حسن ابلاغ" کہہ لیجئے۔

سننے والوں کو متاثر بلکہ مرعوب کرنے کا سبب تھا۔ تمہید و فضائل کے بعد حافظ صاحب کا اندازِ ذکر مصائب اس سے بھی زیادہ اثر انگیز ہوتا تھا، مصائب میں درد آفرینی کے لئے عام آدمی اور معمولی قابلیت رکھنے والے یا غیر ذمہ دار لوگ، غلط واقعات کمزور روایات، بے جوڑ باتیں بیان کر کے مجلس کو رلاتے ہیں، کچھ لوگ چیخ پیٹ کر مصائب کامیاب کرتے ہیں۔ حافظ صاحب، ان دونوں راہوں سے ہٹ کر چلتے تھے ان کی بھولی صورت اور درد بھری سادہ آواز۔ گریہ خیز گلو گیر صدا، رقت آور لہجہ اور خطابت کا اثر کہئے یا خدا کی دین، اور حافظ صاحب کی مقبول ذاکری کی سند کہ مجلس میں دو ہنر چلتے تھے، وہ بسا اوقات مصائب میں کوئی واقعہ بھی نہ پڑھتے تھے، صرف یاد دہانی کراتے جاتے تھے اور مجلس میں پٹس ہو جاتی تھی

مبارک بیگم کا امام بارگاہ محمد الیاس سنگریٹ والے کے یہاں کی مجلس، مراتب علی شاہ کے گھر والی مجلس، عام مجلسوں سے ذرا ہٹ کر ہوتی تھی، وہاں سرمایہ دار، دانش ور اور اپنے تئیں اونچا سمجھنے والے حضرات زیادہ ہوتے تھے، مگر حافظ صاحب کا وزنی انداز خطابت، کامیاب خوانندگی کا اقرار اسی طرح کرنا پڑتا تھا جیسے موچی دروازے یا کسی اور خالص شیعی مرکزی مجلس میں، لکھنو، امروہہ، بمبئی، کلکتہ، راولپنڈی، پشاور کے حضرات کہتے ہیں، کہ حافظ صاحب کا انداز بیان ہر جگہ ایک سا تھا اس کا تاثر ہر شہر میں یکساں تھا۔ کراچی ہو یا لاہور، ڈھاکہ ہو یا پٹنہ وہ جب کبھی کھلے مقام پر مجلس پڑھتے ان کی مجلس سننے شیعہ

اور سنی ہندو اور مسلمان سب ہی جاتے تھے، اسی لئے وہ بہت بڑے مبلغ مانے گئے ہیں

خطیب عموماً بلندی پر رہتا ہے، وہ عوام کے جذبات کا مختار ہوتا ہے، وہ داد لیتا اور آفریں سنتا ہے اس لئے انکساری و فروتنی کے بدلے خودداری، خود پسندی تا تکبر کی حس محسوس کرتا ہے وہ لوگوں سے میل جول میں اپنی بڑائی کا اظہار کرتا ہے وہ گھر سے کم نکلتا ہے، لوگوں سے ملنے جلنے میں احسان کا پہلو اجاگر کرتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ سب اسے سلام کریں، اس کی خواہش ہوتی ہے کہ ملنے والے اس کی تعریف کریں جب وہ یہ باتیں نہیں دیکھتا تو خود اپنی تعریف کرنے لگتا ہے، اس کی رفتار میں ٹھہراؤ، اس کے لہجے میں تمکنت اس کی نشست میں شان صدارت ہوتی ہے، ان میں سے کچھ باتیں اس کے نفسیاتی تقاضوں سے ہوتی ہیں کچھ وہ بناوٹی طریقہ پر اختیار کرتا ہے۔ حافظ صاحب مرحوم کے ملنے والے جانتے ہیں کہ وہ ان میں سے کسی چیز کے پابند نہ تھے، وہ چھوٹے بڑے، موافق مخالف، دوست دشمن ہر ایک سے جھک کر ملتے تھے، اپنے بیگانے کے کام کرتے تھے سودا خرید کر لانا، بچوں کو گود میں لے کر سڑک پر جانا بلا امتیاز مذہب و ملت ہر ایک کی ضرورت پوری کرنا ایک عام آدمی جاکر ان سے درخواست کرتا تھا کہ فلاں افسر سے سفارش کردیں گھر کے افراد میں زمین پر جھگڑا ہو گیا ہے، فیصلہ کر دیجئے، فلاں امیر سے یہ ضرورت پوری کرا دیں۔ اور حافظ صاحب اپنی عزت و بلندی کا خیال دل سے نکال کر اس کے لئے ساتھ چلنے کو تیار ہو جاتے تھے، اگر کسی امیر یا افسر نے ان کی سفارش نہ مانی تو وہ اس کے خلاف دل میں میل نہ لاتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ سائل کا یہ حق ہے کہ اس کے لئے کوشش کی جائے افسر یا امیر کے مصالح اور اس کی طبیعت ہے کہ وہ میری سفارش مانے یا نہ مانے، نہ اس نے میری کوئی توہین کی نہ اس کی ہاں یہ ضرور معلوم ہو گیا کہ کون مخلص ہے اور کون غیر مخلص ہے، مگر ان کے خلوص سے مجھے کیا، مجھ سے میرا خدا خوش ہو جائے، میں یہ کام حقوق عباد اور تقرب خدا کے لئے کرتا ہوں۔ ان کی سادگی سے فائدہ اٹھانے کی خاطر لوگوں نے ناجائز سفارشوں کی سعی کرنا شروع کر دی تو انہوں نے ایک تختی لکھ کر لٹکا دی کہ سفارش کے بارے میں مجھ سے کچھ نہ کہئے

اس کے باوجود - - - - - - - - - - - - بعض لوگوں نے ان کے ذریعے بہت بڑے بڑے کام لئے اور کامیاب ہونے کے بعد ان سے ایک مرتبہ بھی ملاقات نہ کی مگر حافظ صاحب نے کبھی بھی ان باتوں کی پرواہ نہ کی۔

لباس کی سادگی نشست و برخاست کی سادگی درحقیقت ان کی اخلاقی بلندی کی ترجمان اور ان کے فقیرانہ مزاج کی آئینہ دار تھی۔ اسی پس منظر میں ان کی شخصیت کے خدوخال بنتے اور انفرادیت ابھرتی ہے یہی آب و رنگ انفرادیت کو نمایاں کرتا اور تابدار بناتا ہے حافظ صاحب کی انفرادیت کو خطابت و اخلاق کے زاویے سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ جس طرح تقریر علمی اعتبار سے بیداغ تھی اسی طرح سیرت اخلاقی پہلو سے دلکش تھی۔

از غیاث الدین مدیر معارفِ اسلام

رئیس الحفاظ اور ان کا طرزِ تبلیغ

تبلیغ اسلام کے لیے قرآنِ حکیم میں واضح اصول موجود ہے۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ط (النحل) ع ۱۲۵ - تو اپنے پروردگار کے راستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ کے ساتھ بُلا اور ان سے ایسے طریقے سے بحث کر جو سب سے اچھا ہو وہ تبلیغ ہی کیا کہ جس کے سننے کے بعد سامعین کے دِل کھنچے نہ آئیں اور وہ بیان ہی کس کام کا کہ سننے والے اسے دِل سے قبول نہ کریں وہ مبلغین کہ سننے والے جن کی تقریر سے متنفر ہو جائیں بلا مبالغہ وہ دِین کے مفاد کو نقصان پہنچانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ مندرجہ بالا اصول پر علامہ حافظ کفایت حسین (اعلی اللہ مقامہٗ) سختی سے کاربند تھے۔ ان کی پوری پوری کوشش یہ ہوتی تھی کہ ان کی تقریر سے کسی کی بھی دل آزاری نہ ہو۔ تبلیغ اسلام کی یہ بلند پایہ صفت ان کے بیان و طبیعت کا جزو بن چکی تھی۔ اسی لیے آپ کی تبلیغ ہر جگہ کامیاب رہی۔

اپنے موضوعِ کلام کی ابتدا میں علمی اصطلاحات بیان کرنے کے بعد ان کی تشریح سادہ اور روزمرہ کی مثالیں پیش کر کے اس قدر عام فہم بنا دیتے تھے کہ ہر سننے والے کے دماغ میں اپنی اپنی استعدادِ فکر کے مطابق پیوست ہو جاتی تھی۔ دقیق سے دقیق مسائل کو اپنی خداداد قابلیت سے عام فہم بنا دینا حافظ صاحب کے طرزِ بیان کی بہت بڑی خوبی تھی وہ مخصوص معتقدات و اسلامی مسلّمات یعنی شیعہ اسلامی فکر کی برتری کو روزِ روشن کی طرح عیاں کر دیتے تھے کہ سامعین ان کا موقف تسلیم کئے بغیر نہ رہتے اسی لئے وہ عوام و خواص ہر دو طبقات میں ہر دلعزیز ہو گئے اور باوجود واضح شیعہ اسلامی مسلکِ فکر کی تبلیغ کرنے کے وہ اہلسنت والجماعت طبقہ میں بھی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے۔ وجہ یہ تھی کہ ان کا قرآنی و عقلی استدلال پختہ ہوتا تھا اور ان کے تمام بیان میں کسی کی بھی دل آزاری شمہ برابر بھی نہ ہوتی تھی اور وہ ہر مسلک کے بزرگانِ دین کا تذکرہ عزت و آبرومندانہ الفاظ سے کرتے تھے ان کا کسی پر تنقید کرنا بھی آداب و خلوص کا پہلو لئے ہوئے تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اپنے تو اپنے، غیر بھی سرِ تسلیم خم کرتے دکھائی دیتے۔

ان کی تقریر سے کوئی بد دل نہ ہوتا تھا۔ اور علماء و عوام ہر دو ان کے بیان کے دلدادہ نظر آتے تھے۔

ظاہر ہے کہ فلسفہ و سائنس ایک دوسرے کے متضاد مضامین ہیں اور بالعموم ان ہر دو مضامین میں مسائل پر بحث اتنی دقیق ہو جاتی ہے کہ ان کے متعلق سوچنے، توجہ دینے اور سمجھنے سے دماغ کی رگیں خشک ہونے لگتی ہیں مگر حضرت رئیس الحفاظ کے طرزِ بیان میں یہ خوبی سب سے نمایاں تھی کہ وہ فلسفہ و سائنس کے عظیم مسائل کو اس خوش اسلوبی اور دلچسپی سے پیش کرتے تھے کہ ذی علم سامعین ان میں انتہائی دلچسپی محسوس کر کے مسائل کی اصلیت سے آگاہ ہو جاتے تھے اور ان پڑھ سامعین بھی اپنے فکر کے مطابق ان مسائل کا مطلب کسی حد تک سمجھ جاتے تھے۔ سائنس اور فلسفہ یعنی آگ اور پانی کو یکجا کرنا اور ان ہر دو علوم سے اپنے موقف کو ثابت کر دکھانا یہ حافظ صاحب ہی کے طرزِ بیان کی ایک خوبی تھی۔

نہ صرف سائنس و فلسفہ بلکہ ان معقولات کے علاوہ منقولات قال اللہ و قال الرسول اللہ پر اتنی دسترس اور اتنا عبور حاصل تھا کہ آپ کی زبان سے کوئی ایسی بحث نہیں سنی گئی کہ جس کے جواز میں حافظ صاحب نے متعدد آیاتِ قرآنی اور مسلمہ اقوالِ رسولؐ نہ پیش فرمائے ہوں اور ان کی تائید میں واقعات و اعمال اہلبیت اطہار نہ بیان کئے ہوں قرآنی استدلال اسقدر پختہ کہ جواب نہیں مثلاً

قارئین کی روحانی تشنگی کو سیراب کرنے کے لئے حافظ صاحب کے قرآنی استدلال کی ایک عمدہ مثال پیش خدمت ہے۔ جبکہ اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ میں نے حافظ صاحب کی زبانی سُنی۔ ایک تقریر کے دوران میں آپ نے "مقامِ امیر المومنین" کی وضاحت فرماتے ہوئے قرآنِ حکیم کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

(وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (سورۃ منافقون آیت ۸) اور عزت تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ اور مومنین کے لئے ہی ہے۔ لیکن منافق لوگ نہیں جانتے۔ حافظ صاحب نے آیت میں صیغہ حصر کی وضاحت فرماتے ہوئے فرمایا کہ اس آیت نے حصار کر دیا کہ بس عزت ان ہی کے لئے ہے کہ جنکا ذکر اس آیت مجیدہ میں ہے اور کسی کے لئے نہیں پس اللہ تبارک و تعالےٰ اور جناب رسالتمآب کا ذکر تو ظاہر ہے اور مومنین میں باقی تمام اللہ کے نزدیک ذی عزت افراد شامل ہیں۔ جن میں لاریب دیگر جملہ انبیاءؑ بھی شامل ہیں کیونکہ وہ ذی عزت ہیں ان کے بغیر عزت کے ہونے کا سوال ہی نہیں۔ (حضرت نوح کے متعلق قرآن میں ہے۔ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ پ ۲۳ الصّٰفّٰت۔ یقیناً وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے) لہٰذا جب انبیاءؑ بھی مومنین کی صف میں شامل ہوں تو امیر المومنین وہی ہو سکتا ہے کہ جو ماسوائے جناب رسالتمآبؐ کے دیگر تمام انبیاءؑ سے افضل ہو کیونکہ وہ حلقۂ مومنین

میں شامل ہیں اور امیر المومنین ان سب کا امیر ہے
کہ جو اس دائرے میں شامل ہیں (واضح رہے کہ
یہ الفاظ راقم الحروف کے ہیں جو کہ حضرت رئیس
الاحفاظ کی تقریر سے میں نے سمجھے۔ حافظ صاحب
کا مفہوم یہی تھا) پس "امیر المومنین" کا مقام بہت
بلند ہے اور بعد از جنابِ رسولِ اکرم دیگر جملہ
انبیاءؑ بھی "امیر المومنین" نہیں بن سکتے۔ کیونکہ
جملہ انبیاءؑ بھی اُمتِ جناب ختمی مرتبتؐ میں شامل
ہیں لہٰذا "امیر المومنین" مقام ہے۔ دیگر انبیاءؑ
و آئمہ اطہارؑ اور جنابِ رسالتمآبؐ کے درمیان
سبحان اللہ۔ حافظ صاحب کے تمام استدلال
لاجواب ہوا کرتے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے
کہ حافظ صاحب (اعلیٰ اللہ مقامہٗ) نے اپنے
مسلسل گرانقدر و لاجواب علمی مواعظ سے علم
دوست طبقہ کما بالعموم اور پیروکارانِ کتاب اللہ
و محبتِ اہلبیتؑ یعنی شیعہ مسلمانوں کا بالخصوص معیارِ علم
اسقدر بلند کر دیا ہے کہ وہ کسی چھوٹے موٹے
عالمِ دین کے بیان سے متاثر نہیں ہو سکتے۔
جس کسی نے بھی اپنی تمام زندگی میں حافظ صاحب
مرحوم و مغفور کی چار تقاریر بھی بگوش ہوش
سن پائیں۔ اس کا معیارِ علومِ اسلامیہ اسقدر
بلند ہو گیا۔ کہ وہ کسی مسجد کے مُلّا یا پیشہ ور
عالم کی تقاریر کو اپنے معیارِ علم سے کم تر
سمجھنے لگا۔

حافظ صاحب کے مواعظ سے بالخصوص
معیارِ نبوت اور معیارِ امامت اسقدر اجاگر ہو
چکے ہیں کہ لوگوں اور بالخصوص علم دوست افراد
کے ذہنوں میں حقیقت نبوت و امامت کافی حد
تک منکشف ہوئی مجھے حافظ صاحب کے وہ
مواعظ ہرگز نہیں بھولے اور نہ ہی کسی لاہوری
کے محبِ اسلام و پیغمبرِ اسلام کو بھول سکتے ہیں۔
کہ جو آپ نے مجلسِ احرارِ اسلام کے پلیٹ فارم
سے باغ بیرون دہلی دروازہ لاہور میں "ختم نبوت"
کے موضوع پر فرمائے۔ ظاہر ہے کہ حافظ صاحب
سیاسی آدمی نہ تھے نہ ہی ان کا کوئی تعلق سیاست
واسطہ مجلسِ احرار سے تھا نہ ہی اس کے ممبر تھے
نہ ہی ان کا تعلق کسی سیاسی جماعت سے تھا۔
مگر دینِ اسلام کی خاطر وہ ہر طبقہ کے بلانے پر لبیک
کہتے تھے چنانچہ مجلسِ احرارِ اسلام کے اسٹیج پر بھی
آپ نے دینِ اسلام اور ناموسِ رسالت کا تحفظ
فرمایا اور مقام محمدؐ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
کی حقیقت لوگوں کو سمجھا کر چھوڑی۔ ان کی وہ
گرانقدر تقریر آج بھی اخبارات کی فائل پر موجود
ہے (قارئین اس وقت کے روزنامہ آزاد لاہور
کے فائل ملاحظہ فرمائیں) میں (راقم الحروف) خود
اس جلسہ میں حافظ صاحب کی تقریر سننے کیلئے
گیا ہوا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ کرسیٔ
صدارت پر احرار لیڈر سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم
تھے۔ حافظ صاحب کی قریباً دو گھنٹے کی انتہائی
علمی اور مدلل و مسکت تقریر سے اسقدر متاثر و مبہوت

ہوئے کہ اُٹھ اُٹھ کر حافظ صاحب کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالتے تھے اور بعد از اختتام تقریر اپنے اس تاثر کا بایں الفاظ اظہار فرمایا کہ حافظ صاحب کے دلائل و براہین اور مطالب و معارف کو سن سن کر میں حیران ہو کر دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا۔ اور مجھے تعجب ہے کہ اہل اسلام میں اسقدر بلند صاحب علوم و معارف علوم بھی موجود ہے کہ جس کا وجود بذاتِ خود معجزہ ہے کیونکہ ختم نبوت محمدیہ کے لئے جو دلائل و براہین آج حافظ صاحب نے بیان فرمائے ہیں۔ حرفِ آخر کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور اس مسئلہ کی صحت پر اب کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی۔

حافظ صاحب کا علمی استدلال اسقدر ٹھوس، جاذب توجہ اور مقبول ہوتا تھا۔ کہ لاکھوں کا مجمع ہمہ تن گوش ہو کر اس سے محظوظ ہوتا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۱۹۵۰ء میں جبکہ پنجاب میں دفعہ ۹۲ الف کے تحت حکومت قائم تھی۔ اور حکومت کا کاروبار مشیروں کے ماتحت چل رہا تھا۔ عوام پہلے کی نسبت خوشحال تھے اور اپنے مذہبی امور شوق سے سرانجام دے رہے تھے ہمارے علاقہ (مرکز شہر لاہور۔ ڈبی بازار) کی مسجد جامع سنہری کے خطیب جناب مولوی محمد علی صاحب اور دیگر اہلسنت والجماعت اہالیانِ ڈبی بازار نے مجھے اس خواہش کا اظہار کیا کہ یومِ معراج النبی کے موقع پر سنہری مسجد میں قبلہ حافظ کفایت حسین صاحب کی معراج النبی کے موضوع پر تقریر کرائی جائے۔ چنانچہ ہم لوگ حافظ صاحب کے درِ دولت پر گئے۔ اور میں نے تعارف کرانے کے بعد اہالیانِ علاقہ کی خواہش کا اظہار کیا۔ اور مولوی محمد علی صاحب خطیب سنہری مسجد نے بھی خاص طور پر حافظ صاحب کی خدمت میں اپنی خواہش کا اظہار فرمایا۔ حافظ صاحب نے مقام رسالت اور مسئلہ معراج النبی کی اہمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے فوراً تقریر کرنا منظور فرمالیا۔

تقریر ہوئی اور خوب ہوئی۔ یہ تقریر بھی حافظ صاحب (اعلیٰ اللہ مقامہ) کی ایک تاریخی اور یادگار تقریر تھی۔ تمام ڈبی بازار۔ کشمیری بازار چوک سنہری مسجد اور سنہری مسجد اہلِ اسلام سے اٹی پڑی تھی۔ مجمع کسی صورت میں بھی پچاس ہزار سے کم نہ ہوگا۔ کرسیٔ صدارت پر گورنمنٹ عالیہ کے ایک مشیر موجود تھے۔ حافظ صاحب کی تقریر کا یہ خاصہ تھا کہ آپ کے دلائل پر سٹیج کی کاملاً توجہ سے سکوت چھا جایا کرتا تھا۔ اور جب خاص خاص نکات بیان فرماتے تھے۔ تو بے اختیار ہو کر لوگوں کی عظیم گونج پیدا ہوتی تھی۔ معراج النبی کی اس یادگار تقریر میں بھی بعینہٖ یہی سماں بندھا تھا۔ حضور کے معراج جسمانی کو ثابت کرنے کے لئے جب حافظ صاحب نے مسئلہ زمان و مکان اور حرکت و سکون کی آسان اور دلچسپ لفظوں میں حقیقت بیان فرمائی تو پچاس ہزار کا مجمع بت بنا ہوا سن

رہا تھا۔ اور واقعی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین و آسمان ساکن ہو گئے ہیں اور پھر جب اس کا تعلق حافظ صاحب نے معراجِ جسمانی سے ثابت کیا تو پبلک کا سکوت یکدم ٹوٹا اور ہر ایک نے بے اختیار ہو کر اتنی داد و اور سبحان اللہ کی کہ میں نے اپنی تمام زندگی میں نہیں سنی۔

لال مسجد (بازار حکیماں لاہور) میں انجمن معین الصلوٰۃ اثنا عشری کے زیرِ اہتمام آج سے چند سال پیشتر جب راقم الحروف نے ماہِ رمضان المبارک میں درسِ قرآن حکیم کا سلسلہ شروع کرایا تو اس کی ابتدا (یعنی پہلے ماہ رمضان کی ابتدا) بھی حضرت رئیس الحفاظ ہی سے کرائی آپ نے بخندہ پیشانی درس دینا منظور فرمالیا اردو سٹینو گرافر کا انتظام تھا۔ اور مع اس راقم الحروف کے اور بھی کئی حضرات حافظ صاحب کے بیانات ضبطِ تحریر میں لا رہے تھے۔ حافظ صاحب نے "اعوذ باللہ" سے سلسلہ درس شروع فرمایا اور تمام ماہ رمضان "استعاذہ" ہی کے متعلق علوم و معارف کے وہ دریا بہائے۔ اور اس مسئلہ کے اُن اُن پہلوؤں پر روشنی ڈال کر بے نقاب کیا۔ کہ جو مفسرین اور دیگر علم دوست احباب کی آنکھوں سے اب تک پوشیدہ تھے۔ ماہِ رمضان کے بعد یہ فدوی قبلہ حافظ صاحب کی خدمت میں مضامین کو درست کرانے کے لئے حاضری دیتا رہا مگر اپنی عظیم تبلیغی مصروفیات کی وجہ سے وہ اسے مکمل نہ کرا سکے حافظ صاحب نے ابتدائی یعنی تمہیدی مضمون کے بمشکل بیس ۲۰ صفحے درست کئے اگر وہ بیس ۲۰ صفحات بھی چھپ جائیں تو مسئلہ استعاذہ کے متعلق بے بہا علمی ذخیرہ ہوگا جس میں کہ ایک بحر کو کوزہ میں بند کیا ہوا ہے۔ اور اگر بقایا درس بھی ہمارے کوئی موجودہ عالم دین توجہ دے کر نظر ثانی فرما کر مرتب فرمادیں تو یہ بھی بہت بڑی خدمت اسلام ہو گی

غرضیکہ دلائل و براہین حافظ صاحب کی تقاریر کی جان تھے اور یہی وجہ ہے کہ اہل اسلام میں اور غیر مذاہب میں بھی آج تک کوئی ایسا طبقہ یا فرد میری نظر سے نہیں گذرا۔ کہ جس نے حضرت رئیس الحفاظ (اعلی اللہ مقامہ) کی کسی علمی و اسلامی بات کی تردید کی ہو یا ان کے کسی بیان پر اعتراض کیا ہو۔ حافظ صاحب کے بیانات فی الحقیقت شیعہ اسلامی طرزِ تکلم میں سنگِ میل کا درجہ رکھتے ہیں۔ اگرچہ اس طرزِ تکلم یا طرزِ تبلیغ کی ابتداء سرکارِ علامہ شیخ عبد العلی الہروی الطہرانی (اعلی اللہ مقامہ) نے فرمائی مگر حافظ صاحب نے اس طرزِ استدلال و تکلم کو بامِ عروج پر پہنچایا ——— ضرورت ہے کہ علمائے اسلام اور وہ حضرات کہ جو ابھی بحیثیت طالب علم کے علمِ دین حاصل کر رہے ہیں وہ اس طرز کو اختیار کر کے اس سے دیگر مذاہب (ANTI-ISLAM RELIGIONS)

(باقی ۴۷ پر ہے)

عالیجناب سیّد جمیل حسین رضوی

محبّ اہلبیتؑ

علامہ حافظ کفایت حسین صاحب مرحوم و مغفور سے مجھے نیازمندی کا فخر تقسیم ملک کے بعد ہوا۔ پہلے پہل آپ کو مجالس میں سُنا۔ اللہ اللہ علم کا سمندر تھے۔ ہر مشکل سے مشکل مسئلہ کو اس سلیس اور عام فہم زبان میں بیان کرتے تھے۔ کہ ذہن پر کسی قسم کا بوجھ ڈالے بغیر بات سمجھ میں آجاتی تھی۔ اور ایک خاص چیز جس میں اُن کا جواب نہیں تھا۔ وہ یہ کہ کبھی کوئی جملہ ایسا نہ فرماتے تھے جس سے کسی دوسرے فرقہ کے افراد کے دل پر ٹھیس لگے۔ حالانکہ خلافت اور دوسرے متنازعہ مسائل پر تقریر کرتے تھے۔ مگر عقلی دلائل اور کلامِ پاک کے حوالوں سے ہر بات کو واضح کر دیتے تھے۔ اور ہر مسئلہ کے جو ضروری اموسات ہوتے، بے کم و کاست بیان فرماتے مگر ایسے پیرایہ میں کہ کسی دوسرے فرقہ سے تعلق رکھنے والے صاحبان کو ذرا بھی ناگوار نہ لگے۔ میرا اور اُن کا قرب انجمن وظیفہ سادات و مومنین (رجسٹرڈ) پاکستان کے سلسلہ میں زیادہ ہو گیا۔ وہ اس انجمن کے صدر چُنے گئے اور میں جنرل سیکرٹری۔ انجمن کی جو بیش بہا خدمات آپ نے سرانجام دی ہیں۔ اُن کا تذکرہ کسی دوسرے مضمون میں کروں گا۔ میں نے اس دوران میں اُن کو قومی درد سے بھرے ہوئے دل و حامل پایا۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ سے عشق کی حد تک محبت کرتے تھے۔ ان کی ذات گرامی ایک واحد شخصیت تھی جسے ہر عقیدہ کے مسلمان عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ لباس میں اس قدر سادگی کہ کبھی پاکیزگی کے علاوہ اس طرف توجہ ہی نہ دیتے تھے۔ حالانکہ ایک بڑے کنبہ کے کفیل تھے۔ مگر حصولِ زر کے لئے کبھی کوئی ہلکی حرکت کے سرزد ہونے کا امکان ہی نہ تھا۔ اس قدر صابر و شاکر انسان وہی ہو سکتا ہے۔ جو محبت محمدؐ و آلِ محمدؐ میں ڈوبا ہوا ہو۔ کبھی کسی مجلس یا تقریب کے موقع پر تقریر کا معاوضہ طلب نہ کیا۔ اپنی خوشی سے بلانے والے نے ایک پیسہ بھی پیش کر دیا تو اُلٹ کر نہ دیکھا۔ اور اس طرح قبول کر لیا جیسے وہ ہزاروں کی تھیلی قبول کر رہے ہیں۔

میں نے اپنی اس ۶۳ سالہ زندگی میں ان جیسا باوضع، خلیق اور نیک عالم نہیں دیکھا۔ اور عالم باعمل تھے۔ قوم کی بدقسمتی ہے بلکہ مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی باک نہیں کہ مسلمانانِ پاکستان کی بدقسمتی ہے کہ ایسے جید اور باعمل عالم دین سے ہم اس قدر جلد محروم ہو گئے۔ مگر مشیّت ایزدی میں کیا چارہ ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اللہ تعالیٰ کا قُرب اُن کو بلاشبہ حاصل ہے۔ اور جنت میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کے سایہ میں ابدی آرام حاصل کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ

سید حسن علی شاہ کاظمی

سیالکوٹ میں حفظ قرآن کے معرکتہ الآرا امتحان کے بعد

تبلیغ شیعیت کیلئے میدان ہموار ہوگیا

حافظ کفایت حسین صاحب کے اس حقیقت افروز اعلان سے "کہ حفظ قرآن عقلائے زمانہ کے لئے کوئی خاص فخر کی بات نہیں۔ بلکہ ہمارا فخر یہ ہے کہ علوم قرآن، رموز قرآن، معارف قرآن اور حقیقت قرآن میں ہمارے مقابلہ میں آؤ۔" عملی حلقوں میں شیعوں کی ہیبت چھا گئی۔ اور ضلع سیالکوٹ میں یدخلون فی دین اللہ افواجا کا منظر چشم فلک نے حیرانی سے دیکھا

علامہ اقبالؒ کا شہر سیالکوٹ مردم خیز خطہ ہے۔ جہاں مختلف مذاہب کی سرگرمیاں دلچسپیاں پیدا کرتی رہی ہیں۔ عیسائیوں کا بہت بڑا مرکز ہے۔ مرزا قادیانی نے کرشن ہونے کا دعویٰ یہیں کیا۔ عیسائیوں۔ مرزائیوں، بہائیوں کے علاوہ اسلامی فرقوں میں بھی بحث، مناظرہ اکثر ہوتا رہتا ہے۔ مسلمانوں میں مولانا محمد ابراہیم صاحب میر اہل حدیث کا مرتبہ علمی اعتبار سے فائق تھا۔ کفار کے مقابلہ کے تمام مناظروں میں میدان ہمیشہ ان ہی کے ہاتھ رہا۔ آخری عمر میں فضائل اہل بیت بڑی عقیدت اور سوز سے بیان فرماتے تھے۔ شیعوں کے چند قدیمی گھرانے آباد تھے۔ مگر علمی سرگرمیاں مستری محمد عبداللہ صاحب مرحوم کے دم سے اگرچہ رفتار بہت دھیمی تھی۔ مگر بڑھ رہی تھی۔ تا آنکہ سید بڈھن شاہ صاحب مرحوم نے اپنے والد گرامی کی وصیت کے مطابق قلب شہر میں ایک وسیع قطعہ زمین وقف فرمایا۔ جہاں آج کل بڑی حسین و نفیس شیعہ جامع اور عظیم الشان قلعہ نما امام باڑہ کی عمارت ہے۔ مولانا سید حشمت علی صاحب قبلہ مجتہد العصر خیر اللہ پور نے تعمیر عمارت کے لئے میرے والد سید بڈھے شاہ صاحب پر وپرائیٹر امپیریل پریس سیالکوٹ اور سید قائم علی شاہ صاحب مشہدی کو تحریری سفارت نامہ دے کر مامور فرمایا۔ کہ تعمیر مسجد و امام باڑہ کی سکیم مکمل کریں۔ مگر اس اہم کام کی تکمیل کی بھرپور کوشش کے لئے اللہ تعالیٰ نے سید عنایت علی شاہ صاحب مدیر درنجف جو سیالکوٹ کے ایک قریبی گاؤں لودھرے کے بسنے والے ہیں ان کو منتخب فرمایا۔

انجمن شیعہ اثنا عشری کی بنیاد رکھی گئی۔ جس کے صدر عنایت علی شاہ صاحب اور جنرل سیکرٹری سید طالب علی شاہ صاحب مقرر ہوئے۔ تعمیر عمارت کے ساتھ ساتھ قومی جوش و ولولہ انگڑائیاں لینے لگا۔ مجلس و ماتم۔ جلسہ و جلوس تبلیغی اجلاس نے عام بیداری پیدا کردی۔

۱۹۲۵ء کا ذکر ہے کہ انجمن شیعہ اثنا عشری نے "یوم غدیر" کے سلسلے میں جلسہ کا اشتہار شائع کیا۔ شیعوں کی سرگرمیاں کھٹک رہی تھیں۔ کیونکہ اب تک سوائے محرم کی عزاداری کے ان کا علمی تعارف بالکل نہیں تھا۔ عید غدیر کی مخالفت میں اہلحدیث اور اہلسنت نے غدیر کے غیر متواتر ہونے کا شاخسانہ شروع کیا۔ اس اشتہار پر ناظم اہل حدیث اور مولوی نور حسن صاحب ناظم خدام الصوفیہ جو احناف کے بزرگ علما بھی تھے۔ دونوں کے دستخط تھے۔ یہ تو ایک خالص علمی مبحث تھا۔ عوام الناس میں جوش پیدا کرنے کے لئے اس بات کو خصوصی طور پر منظم شہرت دی گئی کہ شیعہ چونکہ صحابہ پر تنقید کرتے ہیں اور صحابہ نے قرآن جمع کیا۔ لہٰذا ان کی کرامت و برکت کے باعث شیعوں میں حافظ قرآن نہیں ہو سکتا۔ اس اعتراض کو خوب اچھالا گیا۔ مولانا سید عنایت علی شاہ صاحب نے اپنی مناظرانہ مہارت اور مومنانہ بصیرت سے دیکھ لیا۔ کہ یہ موقع غنیمت ہے اس لئے کہ عوام یا متوسطین اگر اس قسم کا لچر اعتراض کریں جو کسی جہت سے بھی معقولیت کی حدود میں آنے کے قابل نہیں تو اتنا زیادہ قابل توجہ نہیں لیکن جب اس اعتراض کو مولانا مولوی محمد ابراہیم ایسے مسلمہ عالم اہل حدیث کے ایما سے اور اہل سنت کے سب سے بڑے عالم مولوی نور حسن صاحب کی تائید سے ہوا دی جا رہی ہے۔ تو اگر اس اعتراض کا اطمینان بخش جواب دیا جائے تو عوام پر ظاہر ہو جائے گا کہ ان کے مولوی شیعوں کے خلاف غلط اتہام لگا کر ان کو متنفر کرتے ہیں۔ لہٰذا مولوی عنایت علی شاہ صاحب نے اس اعتراض کو زیادہ سے زیادہ پھیلنے دیا۔ اور طرح دیتے رہے۔ جب اسلامی حلقوں میں اس بے وزن اعتراض کو ایک مسلمہ حقیقت کے طور پر ذہنوں میں مرتسم کر دیا گیا۔ تو اب شیعوں نے للکارا کہ آؤ میدان میں جاتے کہاں ہو۔ موقع یہ تھا کہ بھائیوں کے لئے راہ فرار مسدود ہو چکی تھی۔ اب اگر شیعہ حافظ قرآن کے امتحان کے لئے نہیں آتے۔ تو عوام گردن دبا تے ہیں۔ لہٰذا چار و ناچار خصوصیت سے اہل حدیث جماعت کو میدان میں آنا پڑا۔ فریقین نے متفقہ طور پر طے کیا۔ مسجد و امام باڑہ کے میدان میں ۱۳ جولائی ۱۹۲۵ء کے دن بعد نماز عصر ۵ بجے سے ۱½ بجے تک تین دن متواتر تین نشستوں میں شیعہ حافظ قرآن سنائے گا۔ اور غیر شیعہ علماء و حفاظ امتحان لیں گے۔ شیعوں کی طرف سے ایک اشتہار بنام "کھلی چٹھی" شائع کر دیا گیا۔ ہنگامی فضا نے عجوبہ پسندی کے جذبہ کو مہمیز کیا۔ اور صحابہ کرام کی خود ساختہ کرامت کا تماشہ کرنے کے لئے لوگ بے تاب تھے۔ المختصر وہ دن آ گیا جب اس بے بنیاد اعتراض کے موجدین کو ابدی شرمندگی کا منہ دیکھنا تھا۔ میدان امتحان میں بھٹ کے بھٹ لگ گئے۔ وقت مقررہ سے پہلے ہی مجمع چھلکنے لگا۔ ۵ بجے شام جلسہ منعقد ہوا۔ حافظ کفایت حسین صاحب تشریف لے آئے جلسہ کے صدر مولوی محمد شاہ صاحب حنفی مقرر تھے۔ مولانا محمد ابراہیم صاحب میر بڑی شان سے سٹیج پر جلوہ افروز تھے۔ اہل سنت کے حافظ کثیر تعداد میں شریک جلسہ تھے۔ شاید ہی ضلع سیالکوٹ کا کوئی حافظ ہو جو موجود نہ ہو۔ باقی حضرات اپنی

آنکھوں والے ہاتھوں میں قرآن لئے ممتحن کی حیثیت سے حیرت اور استعجاب کے ملے جُلے جذبات سے امتحان لینے کے شوق اور نتیجہ کے اشتیاق سے جلسہ کے شروع ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ اکثر سُنی حضرات پکے یقین کے ساتھ مولویوں کے یقین دلانے پر اس زعم میں تھے کہ شیعہ حافظ قرآن نہیں سُنا سکے گا۔ شیعہ بھی خدا سے دُعا مانگ رہے ہوں گے کہ عزت رہ جائے۔ اس لئے کہ بڑے سے بڑا حافظ بھی مشابہ الفاظ و آیات میں محتاج لقمہ ہو جاتا ہے۔ پھر امتحان تو امتحان ہی ہوتا ہے۔ کثیر تعداد مخالف مجمع کا بھی نفسیاتی اثر ہوتا ہے۔ مگر حافظ صاحب قبلہ اپنے مقدس چہرہ پر نورانی مسکراہٹ سے کوہ وقار و اطمینان مجسم بنے بیٹھے تھے۔ شیعوں کا اس اعتراض کے مقابلہ کے لئے جم کر مقابلہ کرنا اور پھر آج بھرے مجمع میں قبلہ حافظ صاحب کا تبسم خیز اطمینان سے جلال و جمال کی پوری تابانیوں سے امتحان کے لئے تیار ہونا مخالفین کے اہل نظر کے لئے اپنی شکست اعتراف تھا۔ کاش عمر خاص کی کوئی تجویز سوجھ جائے۔ اور امتحان کا معاملہ ٹل جائے۔ ہاتھ پاؤں مارے۔ معاملہ کا رُخ بدل جائے۔ بساط مناظرہ کا ایک مہرہ بڑھایا کہ اس قرآن پر تو تمہارا ایمان نہیں۔ کونسا قرآن سناؤ گے مگر سید عنایت علی شاہ بھی کچی گولیاں نہیں کھیلے تھے فوراً اعلان کیا کہ مولوی صاحب جو قرآن تم کہو گے وہی سنائیں گے۔ غرضیکہ جال میں پھنسے ہوئے معترض کو نکلنے نہیں دیا۔ پبلک نے غلط بحث کو ناپسند کیا۔ سید عنایت علی شاہ صاحب کامیاب ہو گئے۔ اور حافظ صاحب قبلہ نے پارہ پڑھنا شروع کیا۔ اس اعلان کے ساتھ کہ ۱۱ منٹ میں پورا پارہ ختم کروں گا۔ خدا معلوم گھڑیاں ان کے قبضے میں تھیں۔ ۱۱ ہی منٹ میں پارہ ختم کیا۔ پبلک نے اصرار کیا کہ اس تیز رفتاری سے ہم آپ کے ساتھ چل نہیں سکتے۔ دوسرا پارہ ۱۳ منٹ میں ختم کیا۔ اور ایک گھنٹے میں ۵ پارے سُنا دیئے۔ اس انداز سے کہ نہ کوئی ابہام ہوا نہ کوئی لفظ چھوٹا نہ لقمہ کی حاجت ہوئی۔ نہ کسی لفظ میں اشتباہ پیدا ہوا۔ دُنیا عش عش کر اُٹھی۔ قرأت تجوید ہر پہلو سے حیرت انگیز اور لطف بالائے لطف یہ کہ پہلے سے جتنے منٹ میں پارہ ختم کرنے کا اعلان کیا۔ سیکنڈوں کے حساب سے اتنے ہی وقت میں ختم کیا۔ پانچ پاروں کے بعد کچھ توقف کرنے کے لئے حافظ صاحب کی خدمت میں عرض کیا گیا۔ اس وقفہ میں جناب نے ایک مختصر سی تقریر میں فرمایا کہ میں اس بات پر نازاں نہیں ہوں کہ مجھے کلام مجید حفظ ہے۔ کیونکہ محض حفظ الفاظ حروف پر اترانا اور فخر و مباہات کرنا عقلائے زمانہ کے نزدیک تحصیل حاصل اور بے سود ہے۔ البتہ قرآن حکیم کے حفظ کے ساتھ اگر علوم فرقان نکات کلام الٰہی رموز و معارف صحیفہ ربانی کے متعلقہ علوم کی معرفت ہو تو سبحان اللہ۔

غرضیکہ آج کے جلسہ کے اختتام پر اعلان کیا گیا کہ باقی پارے آئندہ دو دنوں میں اس وقت اس مقام پر سنائے جائیں گے۔ دوسرے دن حاضرین کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ حسب سابق صدر جلسہ کی اجازت سے کارروائی شروع ہوئی۔ حافظ صاحب قبلہ تلاوت کے لئے

کھڑے ہوئے۔ تو حاضرین جلسہ نے یک زبان ہو کر بآواز بلند کہہ دیا کہ فی الواقعہ یہ حافظ قرآن ہیں کون اندھا بے عقل ہو گا۔ جو ان کو حافظ تسلیم نہ کرے۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی جو حسب سابق آج بھی سٹیج پر کرسی نشین تھے۔ انہوں نے بھی ببانگ دہل پبلک کی آواز پر صاد کرتے ہوئے اعلان فرمایا کہ ان کے حافظ قرآن ہونے میں شک نہیں۔ شیعہ حضرات کو اصرار تھا اور حافظ صاحب قبلہ کے کہنے کے باوجود پبلک نے کہا کہ حافظ صاحب قبلہ کو مزید تکلیف دینے کی ضرورت بالکل نہیں۔ بے شک و شبہ وہ حافظ قرآن ہیں اور عالم بے بدل ہیں۔ ہم اعلان کرتے ہیں اور لکھ کر دینے کو تیار ہیں۔ چنانچہ مولوی محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی نے حسب ذیل تحریر لکھ دی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم نے جناب حافظ کفایت حسین صاحب کا قرآن شریف حفظ سنا۔ پانچ پارے پہلے انہوں نے سنائے ان سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ حافظ قرآن کریم ہیں۔

عبدہٗ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

۱۴ جولائی ۱۹۲۵ء

تحریر جناب صدر جلسہ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلی الہ الحسین والطاہرین۔

خاکسار کے زیر صدارت جناب مولوی حافظ کفایت حسین صاحب نے تمام مجمع میں پانچ پارے سنانے سے عام پبلک اور علماء کرام کو یقین دلا دیا ہے کہ وہ واقعی قرآن کریم کے حافظ ہیں۔ چنانچہ مولوی محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی نے تسلیم کر لیا ہے کہ مولوی حافظ کفایت حسین صاحب کے حافظ قرآن ہونے میں ظاہراً کوئی مانع نظر نہیں آتا۔ میں بھی تصدیق کرتا ہوں کہ مولوی حافظ کفایت حسین صاحب نہایت اعلیٰ درجے کے حافظ قرآن ہیں۔ اور من حیث الحفظ خواص سے کم نہیں۔ صاحب موصوف نے عام مجمع میں پانچ پارے سنائے اور ایک گھنٹہ سے ایک منٹ بھی زیادہ نہ ہونے دیا۔ آپ کی قرأت نے آپ کے حافظ قرآن ہونے کو پایہ ثبوت تک پہنچا دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احقر سید محمد شاہ حنفی الحسنی مولوی فاضل منشی فاضل سیالکوٹ۔ ۱۴ جولائی۔

یہ کارروائی اخبار رنجت میں تفصیل سے ۱۵/۲۵ اگست ۱۹۲۵ء جلد ۳۰ میں شائع کر دی گئی۔ حافظ صاحب قبلہ کی علمی تقریروں کے ساتھ اس حفظ قرآن کے کامیاب امتحان کے بعد اور انجمن اثنا عشری سیالکوٹ کے متواتر تبلیغی اجلاس کا اثر یہ نکلا کہ ضلع سیالکوٹ میں شیعہ تبلیغ سیل رواں کی طرح پھیل گئی۔ گاؤں کے گاؤں شیعہ ہو گئے۔ خصوصاً سادات جو دبے ہوئے تھے نکل کر آغوش شیعت میں آ گئے۔ اللھم زد فزد

تحریری تفصیلات مہیا کرنے کے لئے ادارہ پیام عمل محترم المقام ملک ممتاز حسین صاحب ایڈووکیٹ اور مجاہد ملت سید طالب علی شاہ صاحب کا منت پذیر ہے۔

جناب کسریٰ منہاس

آہ! حافظ کفایت حسین

حافظ صاحب برصغیر پاک و ہند کے اسلامی اور بالخصوص شیعہ کلچر کے ایسے مکمل نمائندے تھے۔ کہ نام لئے بغیر ان کے لقب ہی سے ذہن ان کی ذات کی طرف فطری طور پر منتقل ہوتا ہے۔ اور ذرا بھی سوچنے کی ضرورت نہیں پڑتی کہ اشارہ کونسے حافظ صاحب کی طرف ہے۔ ان کی یہ ہر دلعزیزی ان کی عظمت کا ایک بیّن ثبوت ہے۔ سادہ طبیعت منکسر المزاج لیکن باوقار شخصیت کے مالک ہونے کی حیثیت سے ہندوستان اور پاکستان میں ہر طبقے کے مسلمان ان کی ذات گرامی سے اچھی طرح سے واقف ہیں۔ وہ اپنے بے شمار جاننے اور ماننے والوں کو یہی تاثر دیتے تھے۔ کہ وہ ایک عام آدمی ہیں۔ اور کسی خصوصیت میں بھی دوسروں سے ممتاز نہیں ہیں۔ بالفاظ دیگر وہ عوامی سطح پر اتر کر دوسروں کو متاثر کرتے تھے۔ ورنہ ان جیسے یکتائے روزگار شخص کے لئے یہ کوئی عجیب بات نہ ہوتی کہ وہ اپنے مخاطب کو خاطر میں بھی لاتا۔ اسلام نے جو انسانی اقدار زمانے کو بخشی ہیں۔ ان میں سے ایک منکسر المزاجی ہے۔ اس کے برعکس مادہ پرستی کی ترقی نے ہمارے دور کے انسان کو یہ سکھایا ہے۔ کہ وہ اپنی تعریف آپ کرے۔ اور یہ تاثر دے کہ اس جیسا بلند و بالا دوسرا شخص نہیں۔ ہمارا دور ایک اشتہاری دور ہے۔ اور ہر شخص اپنی ذات کا اشتہار خود بنا پھرتا ہے۔ اسلامی طریقہ اس سے مختلف رہا ہے۔ جنہیں خدا نے جوہر قابل عطا کیا ہے۔ انہیں ایسی کیا ضرورت پڑی ہے۔ کہ اپنی لیاقت کا سکہ جمانے کی کوشش کریں۔ اگر ان میں حقیقی عظمت ہے تو زمانہ خود اسے پہچان لے گا۔ حافظ صاحب کم از کم قدیم اسلامی اقدار کے ایک سچے نمائندے تھے۔ ایسے لوگ پہلے بھی کچھ زیادہ نہ تھے۔ اور اب تو محدود سے چند ہوں گے۔

حافظ صاحب کے بارے میں کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ وہ کہاں کے رہنے والے تھے جو شخص انسانی محبت سے معمور ہے۔ اس کے لئے یہ چیز بالکل غیر اہم ہے۔ کہ اس کا وطن کہاں ہے۔ اور گھرانہ کونسا ہے۔ پوری انسانیت اس کے لئے اپنی ہی برادری ہوتی ہے۔ چنانچہ انسان دوست اشخاص کو دیکھا گیا ہے۔ کہ وہ جہاں بھی ہوتے ہیں۔ وہیں گھل مل جاتے ہیں۔ گویا ہر شہر۔ ہر قصبہ اور ہر گاؤں یہ دعویٰ کر سکتا ہے۔ کہ وہ یہیں کے رہنے والے ہیں۔ انسانوں کے دکھ یکساں ہوتے ہیں بلکہ انسانی مسائل ہر جگہ مشترک ہیں۔ جس شخص میں انسانی اقدار بدرجۂ اتم موجود ہوں۔ وہ انسانی برادری کا ایک ایسا حصہ ہوتا ہے۔ کہ اس کو کسی خاص مقام یا خاندان سے منسوب کرنا صریحی ظلم ہے۔ جیسے کوئی جسم انسانی کا عضو کاٹ کر کسی جگہ منتقل کر دے۔ یہی مثال ایک انسان دوست شخص

کی ہے۔ گو اس کو کسی مقام سے منسوب کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جب حافظ صاحب ہندوستان سے ترکِ سکونت کر کے پاکستان آئے۔ اور لاہور میں آباد ہو گئے۔ تو کسی کو یہ خیال بھی نہیں گزرا کہ وہ مقامی ہیں یا مہاجر۔ کہاں سے آئے ہیں۔ یا خاص یہیں کے رہنے والے ہیں۔ لاہور کو پھر بھی ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ حافظ صاحب اپنے روحانی پیغام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے شہر بہ شہر اور قریہ بہ قریہ گھومتے پھرتے تھے۔ اور جہاں جاتے تھے۔ وہیں کے سمجھے جاتے تھے تاہم جہاں تک وطنیت کا تعلق ہے۔ وہ شکارپور ضلع بلند شہر کے رہنے والے تھے۔ یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ جو اپنی قدامت کے لئے مشہور ہے۔ زمینداری بیشتر ہندو ٹھاکروں کی ہے۔ آبادی ملی جلی ہے۔ لیکن نمایاں طبقہ شیعوں کا ہے۔ چنانچہ شکارپور نے بڑے نامور طبیب اور عالم دین شیعہ بزرگوں کا گہوارہ ہونے کی حیثیت سے ہندی اسلامی معاشرے میں نام پیدا کیا۔ دور نزدیک سے ہر مذہب و ملت کے مریض اطبائے شکارپور سے علاج و معالجہ کرانے آتے تھے۔ اور اسی طرح دور نزدیک وہاں کے شیعہ علماء مجلسیں پڑھنے اور اسلامی تصورات کی اشاعت کرنے جاتے تھے۔ یہ فیض رسانی عام تھی۔ شکارپور کی ایک اور خصوصیت بھی ہمیشہ مشہور چلی آئی ہے۔ اور وہ ہے "اہل شکارپور کی سادگی" حافظ صاحب بھی اسی سادگی کے جیتے جاگتے مرقع تھے۔

حافظ صاحب ایک بے مثل عالم و مفکر تھے۔ علوم مذہبی کی تحصیل کا شوق ابتدائے عمر سے تھا۔ پرانی بستیوں کی اپنی اپنی روایات ہوتی ہیں۔ چنانچہ شکارپور کی روایت جیسا کہ اشارہ کیا جا چکا ہے۔ یہ رہی ہے۔ کہ وہاں کے شیعہ گھرانوں میں علم طب اور علمِ دین حاصل کرنا ایک امتیازی حیثیت رکھتا تھا۔ حافظ صاحب کو بھی شروع ہی سے حصول علم کی لگن تھی۔ چنانچہ میرٹھ اور لکھنؤ میں مذہبی تعلیم کی تکمیل کی۔ اور زمانہ طالب علمی ہی میں ایک امتیازی شان کے مالک سمجھے جانے لگے۔ اس دور کے علماء کا خیال تھا۔ کہ ایسا ذہین اور محنتی طالب علم غالباً دوسرا نہ ہوگا۔ کتابی علم کی ضرورت آگے چل کر حافظ صاحب کو نہیں پڑی۔ کتابوں سے جو کچھ انہیں حاصل ہو گیا اور جو کچھ باقی رہ گیا وہ اپنا طریق فکر تھا۔ کہ ہر مسئلے کو کس طرح سلجھایا جائے؟ اور کیونکر پیش کیا جائے۔ علم ایک منزل پر پہنچ کر کتاب سے آزاد ہو جاتا ہے۔ حافظ صاحب کے لئے یہ منزل نوجوانی ہی میں آگئی تھی۔ باقی عمر فکر میں صرف ہوئی۔ یا تحریر و تقریر کے ذریعے ثمرۂ فکر کو دوسروں تک پہنچانے میں طبیعت کی راہ سے حافظ صاحب ایک منطقی تھے۔ یعنی جو کچھ کہا جائے وہ منطقی طرزِ استدلال پر پورا اترے۔ منطق ایک ایسا علم ہے جس میں تمام تر زور عقل پر ہے۔ حافظ صاحب اپنی معرکۃ الآرا تقریروں میں ایک منطقی اور فلسفی نظر آتے ہیں۔ یہ طریقہ عام مقررین سے ذرا مختلف ہے۔ عام تقریروں کا مقصد سامعین کے جذبات کو متاثر کرنا ہوتا ہے۔ اسی کو وہ اپنی مقبولیت کا ذریعہ جانتے ہیں۔ بات خواہ کچھ نہ ہو لیکن لہجے کے اتار چڑھاؤ اور الفاظ کے جذباتی استعمال سے مجمع کو متاثر کرتے ہیں۔ جہاں جلسہ ختم ہوا۔ وہیں تاثر کا طلسم بھی ٹوٹ گیا۔ حافظ صاحب کی تقریروں کا اثر محض وقتی نہیں ہوتا تھا۔ وہ ایک سادہ طبیعت انسان تھے۔ جس طرح سوچتے اسی طرح دلائل دے کر دوسروں کو سمجھانے کی کوشش کرتے۔ طرزِ فکر اتنا بلند اور

عالمانہ ہوتا تھا۔ کہ سامعین کو خاموشی کے ساتھ سوچنا پڑتا تھا۔ کہ کیا بات کہی جا رہی ہے۔ آخر جب توجیہہ و دلالت کی منزل ختم ہوتی اور تقریر کا مقصد نتائج کے ذریعے سامنے آتا۔ تب کہیں جا کر معلوم ہوتا۔ کہ کس کے ساتھ بات ذہن نشین ہوئی ہے۔ ایسی تقریر کا اثر وقتی جوش کے اثر سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہ اثر صحیح معنوں میں ایک دیرپا نقش چھوڑتا ہے۔ یہ منصب صرف اہل علم اور اور اہل فکر ہی کا ہے۔ بلاشبہ حافظ صاحب صرف اعلیٰ علمیت ہی کے حامل نہ تھے۔ وہ ایک باکمال صاحب فکر بھی تھے۔ برصغیر پاک و ہند کا تعلیم یافتہ طبقہ خصوصیت کے ساتھ ان سے متاثر ہوا۔ مگر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ عوام میں ان کی مقبولیت، خواص سے کچھ کم نہ تھی۔ اگرچہ حیرانی کی بات ہے۔ مگر عوام ان کے منطقی استدلال کو کس حد تک واقعی طور پر سمجھ سکتے تھے۔ اس کی تہ میں غالباً حافظ صاحب کی پُرخلوص پُرکشش شخصیت تھی، جو خواص اگر ان کے بصیرت افروز خیالات سے مستفیض ہوتے تھے۔ تو عوام ان کے جذبۂ اخلاص و ایمان سے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حافظ صاحب کی مقبولیت صرف علمی حلقوں تک محدود رہتی۔ لیکن دیکھا گیا ہے۔ کہ جب وہ تقریر کرتے تو ہزاروں کا مجمع سانس روکے پوری توجہ کے ساتھ ہمہ تن گوش ہوتا۔ اور تقریر ختم ہونے تک یہ انہماک جاری رہتا۔

اب تک ہم نے حافظ صاحب کی شخصیت کے تین پہلوؤں پر غور کیا ہے۔ ان کی پُرخلوص شخصیت، ان کی ذہانت اور علمیت، ان کا منطقی طرزِ فکر۔ لیکن اس سے بھی زیادہ توجہ طلب ان کا پیغام ہے۔ ان کا مقصد رواداری اور محبت پھیلانا تھا۔ انسانی برادری کو آج جس چیز کی ضرورت ہے۔ وہ رواداری اور محبت ہے۔ نہ صرف عالم اسلام بلکہ پوری انسانیت فرقوں میں بٹی ہوئی ہے۔ اور ہر فرقہ دوسرے فرقوں کے خلاف منافرت کی آگ بھڑکانے میں لگا ہوا ہے۔ اس آگ کو اگر بجھایا جا سکتا ہے تو محبت اور رواداری سے۔ اسلام کا صحیح پیغام بھی یہی ہے۔ اسلام نے قوم اور نسل کے امتیازات کو مٹانے کی تعلیم دی ہے ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے حافظ صاحب نے اپنی تمام عمر رواداری اور محبت کے اسلامی پیغام کی اشاعت میں صرف کر دی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر طبقے اور ہر فرقے میں مقبول تھے۔ صرف ایک شیعہ عالم دین ہی کی حیثیت سے باہر کی دنیا ان سے متعارف نہ تھی۔ وہ مسلمانوں کے ایک دینی رہنما کے طور پر جانے پہچانے جاتے تھے۔ اور ہر فرقے اور ہر طبقے میں ان کی عزت کی جاتی تھی۔ اسلامی فرقوں کے درمیان جس اتحاد کی ضرورت حافظ صاحب محسوس کرتے تھے۔ وہی اتحاد اسلام کی حقیقی روح بھی ہے۔

عظیم انسان وہی ہے جو لوگوں کو متحد کرے۔ نہ کہ وہ جو ان میں نفاق ڈالے اور ان کو الگ الگ کر دے۔ یہ کام اصل میں سخت مشکل ہے۔ اس کے لئے ایمان کی پختگی کی ضرورت ہے۔ عقائد کے اعتبار سے راسخ ہونا اور نظریات کے اعتبار سے ان اجزائے مشترک کو تلاش کر لینا۔ جن میں دوسروں کے ساتھ اشتراک اپنے مذہبی عقیدے کو ضعف پہنچائے بغیر قائم رہ سکے۔ اس کے بغیر یہ ممکن نہیں۔ کہ کوئی شخص راسخ العقیدہ بھی ہو۔ اور اتحاد کا علمبردار بھی۔ حافظ صاحب کی صلح کل طبیعت کے لئے یہ کام اتنا مشکل نہ تھا

حتنا نظر آتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ کر دکھایا اور مقبولیت کا نتیجہ اس روز ظاہر ہوا جس روز حافظ صاحب کا جنازہ اٹھا۔ دیکھنے والوں نے دیکھ لیا۔ کہ ان کے سوگواروں میں صرف شیعہ حضرات ہی نہ تھے۔ ہر عقیدے کے مسلمان دوش بدوش تھے۔ لاہور بڑے بڑے صاحبانِ کمال کا گہوارہ بھی رہا ہے۔ اور اس کا مدفن بھی اتنے بڑے شہر میں کون کسی کو پوچھتا ہے۔ لیکن جس تزک و احتشام کے ساتھ حافظ صاحب کا جنازہ اٹھا۔ اس کی نظیر اس شہر کی تاریخ میں ڈھونڈے نہیں ملتی ہر شخص رو رہا تھا۔ اور بے قرار نظر آتا تھا۔ کہ ایک ایسی پناہ مقبول ہستی ہم میں سے اٹھ گئی۔ ایسے لوگ کسی دور میں خال خال ہوتے ہیں۔

آج حافظ صاحب ہم میں نہیں ہیں۔ اور ہمیں رہ رہ کر یہ احساس ہو رہا ہے۔ کہ کس طرح ان کی کوئی یادگار قائم کی جائے۔ آیئے! ہم سوچیں کہ ایک نقشِ محبت کے سوا حافظ صاحب کونسی چیز ہمارے لئے چھوڑ گئے ہیں۔ کسی تقریر کا اثر کتنا ہی دیرپا کیوں نہ ہو۔ ذہنِ انسانی کچھ اس قسم کا واقع ہوا ہے۔ کہ ہر نقش جلد یا بدیر محو ہو جاتا ہے۔ یا کم از کم مدہم پڑ جاتا ہے۔ تقریروں کے ساتھ یہ کمزوری بھی لگی ہوئی ہے۔ کہ وہ الفاظ پر مشتمل ہوتی ہیں۔ اور الفاظ ہوا میں منتشر ہو جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے کسی صاحبِ علم و صاحبِ فکر کا اصلی سرمایہ وہ ہے جو تقریر سے تحریر میں آچکا ہے۔ لیکن حافظ صاحب کی گنتی کی چند تقریریں ضبطِ تحریر میں آسکی ہیں۔ اور وہ بھی اس طرح کہ اخبارات و رسائل کے اوراق میں بکھری ہوئی ہیں۔ اب کوئی تحقیق کرنے والا ہو۔ اور پرانے رسالوں کی فائلوں پر دسترس رکھتا ہو۔ تو صرف وہی ان تقریروں سے استفادہ کر سکتا ہے۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ پیغام منضبط صورت میں منظرِ عام تک آ سکے۔ یہ بھی ہوگا کہ حافظ صاحب کی جو چند تقریریں موجود ہیں۔ انہیں کتابی صورت میں لایا جائے۔ ان کے علاوہ بعض تقریریں ایسی ہیں۔ جن کو ٹیپ ریکارڈ کر لیا گیا ہے۔ کچھ تقریریں انجمن حمایت اسلام کے سالانہ اجلاسوں میں بھی کی گئی ہیں۔ جو انجمن کی مطبوعہ روئداد میں موجود ہیں ان سب تقریروں کو محفوظ کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح رسائل و اخبارات میں چھپی ہوئی۔ اور ٹیپ ریکارڈ کی ہوئی تقریروں کو یکجا کیا جا سکتا ہے۔ حافظ صاحب کے احباب ان خطوں کی تدوین بھی کر سکتے ہیں۔ جو ان کے پاس موجود ہوں گے۔ خصوصاً وہ خطوط جن میں کوئی علمی یا سماجی مسئلہ زیرِ بحث آیا ہو۔ علاوہ ازیں وہ چند تحریریں بھی یکجا کی جا سکتی ہیں۔ اور جو دیباچوں اور تقریظوں کی صورت میں بعض مصنفین کی کتابوں کے لئے لکھی گئی تھیں۔ اور مطبوعہ موجود ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض مسودات حافظ صاحب کے لکھے ہوئے ان کے خاندان یا ان کے احباب کے پاس موجود ہوں۔ غرضیکہ نہ ہونے سے ہونا بہتر ہے۔ جو کچھ حافظ صاحب کی زبان یا قلم سے نکلا۔ وہ اس قابل ہے کہ اسے کتابی صورت میں پیش کیا جائے۔ کچھ حافظ صاحب ہی سے یہ بات مخصوص نہیں۔ قوم کے تمام اکابر اسی زمرے میں آتے ہیں۔ خاص کر وہ جن کا پیغام تقریروں کے ذریعے عوام تک پہنچتا ہے۔ تقریر کو تحریر میں ڈھالنا ہمارے دور کی ایک بنیادی ضرورت ہے۔ اگر ایسا نہ ہوگا۔ تو ہم اہلِ علم حضرات کے افکار سے کچھ عرصہ کے بعد محروم ہو جائیں گے۔

حضرت شائق انبالوی مدیر اسد لاہور

آہ! رئیس المحافظ علامہ حافظ کفایت حسین

پھول وہ توڑا کہ گلشن بھر میں ویرانی ہوئی

آہ گلچین اجل سے کیسی نادانی ہوئی

رئیس المحافظ علامہ کفایت حسین ۵ محرم الحرام شب جمعہ کو طویل علالت کے بعد گنگا رام ہسپتال میں اس سرائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ فرما گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

حافظ صاحب کو مرحوم لکھتے ہوئے قلم تھرتھراتا ہے کیونکہ ابھی تک ان کی پاٹ دار آواز فضا میں گونج رہی ہے، علامہ حافظ کفایت حسین نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک مدح آل محمد کرتے رہے اور یہ ذکر سید الشہدا کا نتیجہ ہے۔ کہ آپ کی وفات بھی عشرہ محرم میں ہوئی۔ تاکہ ان کا اپنا غم بھی سید الشہدا میں سمو جائے۔ حافظ صاحب شکارپور ضلع بلند شہر انڈیا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم میرٹھ میں حاصل کی۔ بعد میں مدرسہ ناظمیہ لکھنؤ میں تعلیم کی تکمیل کی۔ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کا تبلیغی کورس پاس کیا، آپ کا شمار مدرسۃ الواعظین کے ممتاز مبلغین میں ہوتا تھا۔ مدرسۃ الواعظین سے فارغ ہونے کے بعد آپ پنجاب میں بحیثیت مبلغ مامور ہوئے۔ پارہ چنار میں قاضی شریعت کے فرائض انجام دیئے مدرسہ ناظمیہ لکھنؤ میں فلسفہ ادب اور منطق کے پروفیسر رہے۔ رحیم پور میں آپ تفسیر بورڈ کے نگران کے فرائض بھی انجام دیتے رہے، اسلامی مشاورتی کونسل پاکستان کے رکن اور ادارہ

تحفظ حقوق شیعہ پاکستان کے نائب صدر اور صدر بھی رہے آپ تحریک ختم نبوت کی مجلس عاملہ کے بھی رکن تھے۔ مرحوم مسلمانوں کے تمام فرقوں میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

علامہ حافظ کفایت حسین عصر حاضر کے علماء میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے، ان کی خطابت کی یہ خصوصیت تھی کہ بلا لحاظ عقائد ہر مکتب فکر کے مسلمان اس سے استفادہ کرتے تھے۔ ان کی تقریر میں کوئی ایسی بات نہیں ہوتی تھی جس سے کسی کو شکایت پیدا ہوتی ہو۔ مرحوم زندگی بھر اتحاد بین المسلمین کے لئے کوشاں رہے۔ حافظ صاحب ایک جید عالم ہونے کے باوجود انتہائی منکسر المزاج، ملنسار اور باغ و بہار شخصیت تھے، شرافت کے مجسمے اور سادگی کے پیکر تھے۔ آج سے چار سال قبل جب وہ حج کے لئے جانے لگے تو کراچی میں ان پر فالج کا حملہ ہوا۔ وہ چار سال اس موذی مرض میں مبتلا رہے۔ علالت کے دوران میں وہ فریضہ حج اور زیارات سے بھی مشرف ہوئے۔ ان کے صاحب فراش ہونے سے لاہور کی مجالس عزا بے رونق ہو کر رہ گئی تھیں حافظ صاحب کے بیانات میں نہ صرف فلسفہ و منطق کی گتھیاں سلجھائی جاتی تھیں۔ بلکہ مصائب اہلبیت اس انداز سے

بیان کرتے تھے۔ کہ پتھر دل انسان بھی اشک بار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ مجالس عزا کا سلسلہ تو اب بھی جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ بہتر سے بہتر ذاکرین وواعظین آتے رہیں گے۔ اور تذکرہ اہلبیت کرتے رہیں گے۔ لیکن مبداء فیاض نے جو سوز و گداز اور صلاحیتیں حافظ صاحب کو عطا فرمائی تھیں۔ وہ شاذ ہی کسی دوسرے کو ملی ہوں۔

ہم رئیس الحفاظ علامہ حافظ کفایت حسین کے بڑے پرانے نیاز مند ہیں۔ ادارہ تحفظ حقوق شیعہ کی بنیاد ہم ہی نے رکھی تھی اور ۱۹۴۸ء سے لے کر ۱۹۵۰ء تک حافظ کفایت حسین صاحب کو بہت قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ وہ بحیثیت انسان مثالی کردار کے حامل تھے۔ ایثار، عفو درگزر ان کی زندگی کے جزو لاینفک تھے۔ ہم ۱۹۵۰ میں ادارہ تحفظ حقوق شیعہ سے الگ ہو گئے۔ تو حافظ صاحب سے بھی کنارا کشی کر لی۔ لیکن جب وہ غالباً ۱۹۶۰ء میں ادارہ تحفظ حقوق شیعہ سے پریشان ہو کر نکلے تو پھر وہی مخلصانہ تعلقات قائم ہو گئے۔ جن لوگوں نے ان کے علم و فضل، شرافت اور ان کی بے پناہ شخصیت کے زیر سایہ اپنے قصر قیادت کی بنیادیں استوار کیں۔ ان لوگوں نے حافظ صاحب کے ساتھ وفا نہیں کی۔ برکت علی ہال کا ہنگامہ حافظ صاحب کی تباہی کا باعث بنا اور وہ مرتے دم تک اس کی تلخ یاد کو فراموش نہ کر سکے۔ حافظ صاحب کی موت سے نہ صرف ملت جعفریہ کو ایک عظیم نقصان پہنچا ہے۔ بلکہ دنیائے اسلام ایک جید اور ممتاز عالم سے محروم ہو گئی ہے۔ حافظ صاحب کی وفات پر نہ صرف اپنے اشک بار ہیں۔ بلکہ دیگر مکاتب فکر کے مسلمان بھی اشک افشانی کرتے ہوئے نظر آ رہے ہیں

حافظ صاحب سے عوام کو کس قدر محبت تھی۔ اس کا اندازہ ان کے جنازہ سے لگایا جا سکتا ہے۔ عوام کا ایک سیل رواں تھا۔ جو ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اور ہر شخص اشک بار اور غمگسار تھا۔ کاش حافظ صاحب چند سال اور زندہ رہتے لیکن مشیت ایزدی میں کسی کا چارہ نہیں۔

نندہ ہے جو وہ موت کی تکلیف سہے گا
جب احمد مرسل نہ رہے کون رہے گا
ہر ذی رُوح موت کا ذائقہ چکھے گا
کُلُّ نفس ذائقۃ الموت

اللہ تعالےٰ اس ذاکر شام غریباں کو جوار رحمت میں جگہ دے اور اُن کے پسماندگان کو صبر جمیل کرامت فرمائے ہم اس صدمہ میں مرحوم کے صاحبزادگان کے برابر کے شریک ہیں۔ اور تعزیت پیش کرتے ہیں۔ خوانندگان محترم مجالس عزا اور سورہ فاتحہ سے حافظ صاحب کی رُوح کو ایصال ثواب فرمائیں۔

بقیہ رئیس الحفاظ صفحہ ۳۶ سے آگے

کو مشاورت کرنے کی کوشش کریں۔ شیعہ اسلامی مسلک فکر کے پیروکاران اگر کفایت حسین اکیڈمی قائم کر کے علوم و معارف اسلامیہ کے اس سلسلہ کو جاری رکھیں تو یہ نہ صرف مذہب و ملت کے لئے گرانقدر مفاد کا حامل ہو گا۔ بلکہ آئندہ نسلوں تک بھی یہ سلسلہ تبلیغ و اشاعت دین حق جاری رہ سکتا ہے۔

(غیاث الدین مدیر معارف اسلام)

از قلم مولانا سید علی احمد صاحب ممتاز الافاضل

دانائے راز

محترمی جناب!

سلام مسنون۔ امید کہ جناب بعافیت ہوں گے۔

یاد آوری کا شکریہ۔ جناب محترم علامہ مولانا مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ فاضل لکھنوی دامت مجدہٗ نے میری نشان دہی فرمائی، درست ہے کہ میں ثالث المفسرین علامہ حافظ کفایت حسین صاحب قبلہ مرحوم سے صغر سنی سے وابستہ رہا۔ اس لئے کہ میں چھ سال کی عمر میں لکھنؤ تحصیل علم کے لیے جامعۂ ناظمیہ سرکار نجم العلماء طلاب شراء کی خدمت میں بھیجا گیا تھا۔ اور مرحوم کا میرے ساتھ حسن سلوک اور شفقت یقیناً بے انتہا تھیں اور اسی وجہ سے میں ان کی سادہ طبیعت اور منکسر المزاجی کا قائل ہوں مضمون حاضر ہے۔ عنوان ہے:۔

دگر دانائے راز آید، نیاید؟

آہ ثالث المفسرین (اس عظیم انسان کی کہانی واقعات و مشاہدات کی زبانی جو دنیا کو نہ پا سکا، لیکن آخرت کو پا گیا)

محرم کی جس تاریخ کو ریڈیو پاکستان سے ثالث المفسرین علامہ حافظ کفایت حسین مرحوم کی خبر وفات نشر ہوئی اس وقت میں بہاول پور تھا اور وہیں عشرۂ محرم پڑھ رہا تھا بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے، ان کے ایصال ثواب کے لیے جو کچھ ہو سکا وہ کیا اور تمام مومنین بہاول پور غم زدہ تھے۔ جناب حافظ صاحب قبلہ کی تقاریر اور علمی قابلیت اور مسائل دقیقہ کو اپنی قوت فکریہ سے حل کرنے کی استعداد کو دیکھ کر مرحوم کو جناب آقائے سید نجم الملۃ طلاب شراء نے ثالث المفسرین کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ آپ علم منطق و فلسفہ و علم ہیئت اور علم ہندسہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ آپ کو تبلیغ دین کا بہت شوق تھا اسی وجہ سے آپ نے جامعۂ ناظمیہ اور مدرسۃ الواعظین سے فارغ التحصیل ہو کر کورم ایجنسی میں مسند قضا پر متمکن ہونے کے بعد دین حقہ کی وہ خدمت کی کہ جس سے جناب شہید ثالث رحمۃ اللہ علیہ کی یاد تازہ ہو گئی اور اس وقت آپ کی وجہ سے کثیر تعداد میں محبان آل محمدؐ کا اضافہ ہونے لگا۔

منکسر المزاج، سادہ طبیعت لیکن باوقار شخصیت کے مالک ہونے کی وجہ سے تمام ہند و پاکستان میں ہر طبقے کے مسلمانوں میں ان کی ذات سے واقفیت ہر خورد و کلاں کو ہے۔

آپ اپنے روحانی پیغام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے دور و دراز مقامات پر جاتے رہتے تھے، لاہور، ڈھاکہ، آگرہ، حیدرآباد، حسین آباد مونگیر، قصبہ جلالی، عشرۂ ثنائیہ سہارن پور، اصغر آباد وغیرہ اور لکھنؤ آپ کا قیام بہت کم رہتا تھا۔ جس وقت جامعۂ ناظمیہ میں منطق و فلسفہ اور علم ہیئت پڑھانے والا کوئی نظر نہ آیا اس وقت استاذنا العلامہ مفتی سید احمد علی صاحب قبلہ مفتی اعظم ہند نے آپ کو مجبور کیا کہ آپ زیادہ سے زیادہ وقت دیں اور ان مضامین کو درسی طور پر پڑھائیں۔ بالآخر

بے حد اصرار کے بعد جناب حافظ صاحب قبلہ مرحوم نے منظور فرمالیا اور تبلیغ مذہب حقہ کے ساتھ ساتھ تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ اس وقت آپ کی قابلیت کا شہرہ ہو ہی چکا تھا نواب رام پور مرحوم نے پھر نہایت ہی مؤثر انداز میں آپ سے تفسیر قرآن مجید لکھنے کا وعدہ لے کر اور آپ کو لکھنؤ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ اس وقت تک صدرا اور حمد اللہ اور تصریح وغیرہ کتب جن درجات میں پڑھائی جاتی ہیں میں نہیں پہنچا تھا۔ جب میں ان درجات تک پہنچا تو اس وقت میرے استاد حضرۃ علامہ سید کاظم حسین صاحب قبلہ لکھنوی اعلی اللہ مقامہٗ تھے جن کو جناب حافظ صاحب قبلہ مرحوم کے بعد پٹنہ سے درس و تدریس کے لیے بلایا گیا تھا۔

حافظ صاحب قبلہ مرحوم نے زمانۂ تدریس میں ایک مکان جامعۂ ناظمیہ کے عقب مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ صدر الافاضل لکھنوی کے مکان کے قریب خرید لیا تھا، اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ آپ نے جب وہاں رہائش اختیار کر لی تو اہالیانِ لکھنؤ نے آپ کی بڑی قدر و منزلت کی اور آپ کی سرد دل عزیزی انتہا کو پہنچ گئی۔ اب چونکہ ایک بے مثل عالم و مفکر تھے اس لیے ہر طبقے نے آپ کو اچھا عالم و مفکر تسلیم کیا آپ کی مثبت تقاریر کی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے لگا لیا جاتا ہے کہ جب کبھی بھی کسی مقام پر آپ کی تقریر کا اعلان کیا گیا تو بلا امتیاز مذہب و ملت ہر قابل و ذی استعداد انسانوں نے اس میں شرکت کی۔ بڑے بڑے وکلاء اور بیرسٹر صاحبان اور پروفیسر صاحبان نے آپ کی تقاریر کو سراہا اور آپ کے ادلہ و براہین کو ذہن نشین ہونے والا اور نتیجہ خیز تسلیم کیا۔ اور ایسی تقاریر ہی صحیح معنوں میں دیرپا اثر چھوڑتی ہیں کہ جو سادہ ہوں اور توجیہ و دلالت کی منزل جب ختم ہو تو تقریر کا مقصد صحیح نتائج کے ذریعہ سامنے آئے۔ یہی وجہ تھی کہ برصغیر پاک و ہند کا تعلیم یافتہ طبقہ خصوصیت کے ساتھ اور طبقۂ عوام ان کے جذبۂ اخلاص و ایمان سے متاثر ہوا۔

تقسیم ہند سے پہلے وہ مومنینِ لکھنؤ جو کسی عالم و مقرر کو نظر میں ہی نہیں لاتے لیکن مولا کی نظرِ عنایت سے علامہ حافظ کفایت حسین قبلہ مرحوم کے اتنے گرویدہ ہو گئے کہ احاطۂ تحریر میں نہیں آسکتا۔ مجھے یاد ہے کہ جب جامعۂ سلطان المدارس لکھنؤ یا اور کسی مقام پر مجلسیں منعقد ہوا کرتی تھیں تو ان مجالس میں ثالث العشرین کی امتیازی شان ہوتی تھی۔ آخری عشرہ محرم میں نے سنے ہیں جو مرحوم نے فخر الاطباء حکیم صاحب عالم صاحب مرحوم کے عزاخانے واقع وکٹوریہ اسٹریٹ اور جناب ناصر الملۃ طاب ثراہ کے شریعت کدہ پر پڑھے ہیں۔ جن کی یاد آج تک مومنینِ لکھنؤ کے دلوں سے فراموش نہیں ہوئی یہ یادگارِ مجالس عشرہ تھیں۔ میں نے جناب نصیر الملۃ اعلی اللہ مقامہٗ اور جناب سعید الملۃ اعلی اللہ مقامہٗ کو بے انتہا محظوظ ہوتے اور بے پایاں دادِ تحسین دیتے دیکھا تھا۔

میں تقسیم ہند کے چند سال بعد جب پاکستان آیا تب بھی ان کے متعلق ہر مکتبِ فکر کے انسان کو رطب اللسان پایا، یہاں ان کے پیغام کا اعلیٰ مقصد رواداری اور محبت پھیلانا تھا۔ آج پاکستان کے بسنے والوں کو جس چیز کی زیادہ ضرورت ہے وہ رواداری اور باہمی محبت ہے۔ یہاں ہر ایک فرقہ دوسرے فرقے کے خلاف منافرت پھیلانے میں منہمک ہے۔ اس منافرت کی بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں کو

صرف محبت و رواداری ہی سے بجھایا جا سکتا ہے۔

چونکہ مرحوم کے جذبات و پیغامات کا ماحصل فرق اسلامیہ میں رواداری اور محبت تھا۔ اسی وجہ سے آپ ہر فرقے اور طبقے میں مقبول تھے۔ آپ کی کسی تقریر سے منافرت کے جذبات نہیں پیدا ہوئے۔ اسی وجہ سے آپ کو برادرانِ اہلسنت نے اپنے مایۂ ناز دینی اجتماعات میں اپنے ماضی الضمیر کے اظہار کا موقع دیا۔ اور آپ نے ایمان کی پختگی کے ساتھ راسخ العقیدہ رہتے ہوئے دوسروں تک اپنا صحیح مسلک مشترکہ خطوط پر واضح کیا اور مقبولیت حاصل کی۔

یہی وجہ ہے کہ جب آپ کی خبرِ ارتحال ریڈیو سے نشر ہوئی تو ہر ایک جماعت نے اور فرقے اور طبقے کے لوگوں نے اپنے اپنے طور پر آپ کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ آج حافظ صاحب قبلہ گو ہم میں موجود نہیں ہیں، لیکن ان کی یاد ہمارے دلوں میں ابھی تک باقی ہے۔ اور ان کا مصائب پڑھنے کا طریقہ جو ایک فطری طریقہ تھا جس کے اثر سے در و دیوار بھی مغموم اور گریہ کناں نظر آتے تھے۔ آج تک قوم کے دل و دماغ سے فراموش نہیں ہوا۔ لیکن حافظ صاحب قبلہ مرحوم کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے اس لیے ان کے پیغام کو زندہ رکھنے کی یہی صورت ہے کہ ان کے احباب خطوط کی تدوین کریں اور ان کی ان تحریروں کو یکجا کیا جائے جو انہوں نے حالات و واقعات کے تحت دیباچوں یا تقریظوں کی صورت میں بعض مصنفین کی کتابوں کے لیے لکھی تھیں۔ اور ان کی وہ مجالس، اور تقاریر جو کسی صاحب کے پاس کسی صورت میں بھی ہوں اُن سے حاصل کر کے کتابی صورت میں ان کو شائع کیا جائے اور یادگار کے طور پر جس سے ان کا نام انسانوں کے درمیان باقی رہے، کوئی صورت ضرور ہونی چاہیئے۔ اس کے لیے اربابِ حل و عقد و صاحبانِ بسط و کشاد بہتر جانتے ہیں۔ فقط۔

اطلاع

دفتر امامیہ مشن کے ساتھ خط و کتابت کرتے وقت ازراہِ عنایت وہی نام لکھیے۔ جو ہمارے رجسٹرڈ میں درج ہے۔ اگر احمد حسین اور علی اکبر کی بجائے آپ اسے ایچ یا اے۔ لے لکھیں گے تو غلطی کا امکان رہے گا۔ اس لئے کہ انگریزی تخفف حروف سے بہت سے ناموں کا دھوکا ہو سکتا ہے۔

(سیکرٹری)

ضرورت ہے

لاہور کے دو مذہبی اداروں میں چند ایسے کلرکوں اور ایک چپڑاسی کی ضرورت ہے۔ جو مذہبی خدمت کی لگن اور ولولہ رکھتے ہوں۔ ایسے صحت مند، محنتی ریٹائرڈ امیدواروں کو ترجیح دی جائے گی۔ جو اکاؤنٹس کا تجربہ بھی رکھتے ہوں۔ تنخواہ حسبِ لیاقت مطابق گریڈ دی جائیگی۔

مینجنگ ترقی امامیہ مشن لاہور

پوسٹ بکس نمبر ۴۸۵

علی محمد خواجہ سینیئر نائب صدر
امامیہ قرآت کالج لاہور

عالمِ باعمل

علامہ حافظ کفایت حسین صاحب قبلہ کی ذات گرامی شیعی دُنیا میں محتاج تعارف نہیں۔ قوم کا بچہ بچہ حافظ صاحب قبلہ مرحوم کے نام اور کام سے واقف ہے۔ حافظ صاحب قبلہ نے جو کچھ پڑھا۔ پھر اُس پر عمل بھی کیا۔ اِسی میں اُن کی زندگی کی عظمت کا راز پنہاں ہے۔

علم معرفت الٰہیہ کا ذریعہ بھی ہے۔ اور کلید در جنت بھی۔ جب انسان اس وسیلہ ظفر کو رضا الٰہی کے حصول کا ذریعہ بناتا ہے۔ تو معرفت کے اسرار اُس پر کھُلتے جاتے ہیں۔ اور اُس کی انسانیت کی تکمیل ہوتی جاتی ہے۔ لیکن جب انسان ایمانی رفعتوں کی بجائے مادی پستی کو اپنا مقصد عزیز ٹھہرا لیتا ہے۔ اور علم کو اصحاب جاہ و جلال کی رضا طلبی کے لئے استعمال کرنے لگتا ہے۔ تو قرآن کی زبان میں اس کی مثال اُس کُتے کی سی ہو جاتی ہے۔ جو اگر آقا کے قدموں میں ہو تب بھی ہانپتا زبان کو نکالتا اور آقا کے قدموں کو چاٹتا ہے۔ اور اگر وہ اسے دھتکار دے تب بھی اُس کی حالت ایسی ہی رہتی ہے۔

بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے۔ کہ موجودہ دور علماء میں علامہ حافظ کفایت حسین صاحب قبلہ کی ذات منفرد تھی جس نے علم کی عظمت کو قائم رکھا۔ اور دنیاوی مفاد و مطامع کے لئے اسے کبھی داغدار نہیں ہونے دیا۔ اور یہی نتیجہ تھا آپ کے عالم باعمل ہونے کا حافظ صاحب قبلہ کے کردار کی بلندی۔ ایمان کی پختگی اور دیگر صفات جن کی وجہ دنیا حافظ صاحب قبلہ کی گرویدہ تھی۔ اور بھی نتیجہ تھیں آپ کے عالم باعمل ہونے کا! انہوں نے سیرۃ محمدؐ و آلِ محمدؐ اپنانے کی حتی الامکان کوشش کی۔

حافظ صاحب قبلہ اپنی مجالس میں ہمیشہ عملی پہلوؤں پر زیادہ زور دیتے تھے۔ اور اپنے سامعین کو ہمیشہ عملی پہلوؤں پر زیادہ زور دیتے تھے۔ اور اپنے سامعین کو ہمیشہ یہ سمجھاتے تھے۔ یہ اگر عمل نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ لہٰذا عملی حیثیت سے اپنے حسینی ہونے کا ثبوت فراہم کریں ورنہ خالی محبت کے دعوے کسی کام نہیں آتے۔ کیونکہ وہ خود محمدؐ و آلِ محمدؐ کی تعلیمات پر عمل پیرا تھے۔ لہٰذا اُن کی تقاریر سامعین پر ہمیشہ اثر انداز ہوتی تھیں۔ اور اُن کی زندگیوں میں انقلاب پیدا کر دیتی تھیں۔

نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ حضور حافظ صاحب کا بے حد گرویدہ تھا۔ اس لئے کہ حافظ صاحب اپنے گہرے اور ہمہ گیر علم سے اُن کے شکوک کی پذیرائی فرمایا کرتے تھے۔ اس ذیل میں حافظ صاحب قبلہ کی یہ رائے تھی کہ اسلام نے کبھی یہ تعلیم نہیں دی کہ انسان اپنی رائے کو معطل کر دے۔ اور اپنے تمام شکوک و شبہات کا گلہ گھونٹ دے۔ آزادی

رائے انسان کا سب سے زیادہ قابل قدر حق ہے۔ اور عقل خدا کی سب سے بڑی نعمت۔ جب انسان ان سے دستبردار ہو گیا۔ تو اس کے پاس رہ کیا جائے گا۔ رہا شکوک کا پیدا ہونا تو یہ مقتضائے فطرت ہے۔ اگر ان کی تشفی نہ کی جائے بلکہ عذاب الٰہی سے ڈرا دھمکا کر انہیں دبا دیا جائے۔ تو اس کا نتیجہ ہمیشہ روحانی ہلاکت ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں حافظ صاحب قبلہ کا نظریہ یہ تھا۔ کہ ایک سچے اور فطرت شناس عالم کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے شکوک کی پذیرائی کرے۔ ان کو کرید کرید کر معلوم کرے۔ اور اپنے زیادہ گہرے اور ہمہ گیر علم کی مدد سے ان کی تشفی کرے۔ چنانچہ حافظ صاحب قبلہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے شکوک و شبہات کا ازالہ ایسے عنوان سے کرتے تھے۔ کہ پھر ہمیشہ کے لئے ان نوجوانوں کے دلوں میں ایمان کی شمعیں روشن ہو جاتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ تعلیم یافتہ نوجوان حافظ صاحب قبلہ کی مجالس میں جوق در جوق شرکت فرماتے تھے اور دامن مراد کو بھر کر اٹھتے تھے۔

موجودہ دور میں علماء کی طرف سے یہ شکایت عام طور پر کی جاتی ہے۔ کہ نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ مذہب سے باغی ہوتا جا رہا ہے۔ اور علمائے دین کی قدر نہیں کرتا۔ کیونکہ ان کے دلوں میں مذہب کے متعلق شکوک پیدا ہو گئے ہیں حافظ صاحب قبلہ اس شکایت کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ واقعہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ وہ علماء سے فرماتے تھے کہ آپ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے شکوک کی تشفی نہیں کر سکتے۔ اس لئے وہ آپ کی طرف سے بدظن ہیں۔ اور مذہب سے بغاوت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔

حافظ صاحب کا یہ فرمان حقیقت پر مبنی ہے کہ ہمارے موجودہ علماء تعلیم یافتہ نوجوانوں کے شکوک کی تشفی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کا علم بالکل سطحی قسم کا ہوتا ہے۔ وہ چند تقاریر رٹ کر اور عباد قبا پہن کر علامہ بن جاتے ہیں۔ اگر یہ حضرات مشقت اٹھاتے اور اپنی زندگیوں کا بیشتر حصہ علماء سابق کی طرح حصول تعلیم پر صرف کرتے۔ تو یقیناً یہ حضرات صحیح معنوں میں علامہ ہوتے۔ اور اپنے زیادہ گہرے اور ہمہ گیر علم سے نوجوانوں کے شکوک کا ازالہ کر سکتے۔ ہمارے موجودہ علماء کے لئے حافظ صاحب قبلہ کا یہ فرمان تازیانہ عبرت ہے۔ اور ان کو اس امر کی دعوت دیتا ہے۔ کہ وہ نام نہاد عالم بننے کی بجائے حقیقی معنوں میں عالم بنیں۔ تاکہ ان کی تبلیغ سے اس سائنسی دور میں ہماری آنے والی نسلیں مذہب پر باقی رہ سکیں۔

حافظ صاحب قبلہ کی زندگی کا یہ تو علمی پہلو تھا۔ اب مرحوم کی زندگی کے عملی پہلو کو بحیثیت عالم باعمل ہونے کے حیثیت سے حافظ صاحب قبلہ مرحوم نے جو قومی معاملات میں علماء کی رہنمائی سے ہٹے کر عملی حصہ لیتے

قیام پاکستان کے بعد جب شیعہ حقوق کے تحفظ کا مسئلہ پیش آیا۔ تو مرحوم نے ادارہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان کی صدارت کے فرائض سرانجام دیئے۔

بھی برداشت کیں۔ قوم کی تعلیمی حالت کو بہتر بنانے اور قوم کے مستقبل کو روشن کرنے کے لئے مرحوم نے انجمن وظیفہ سادات و مومنین پاکستان کی جو خدمات انجام دی ہیں۔ وہ ناقابل فراموش ہیں۔ یہ مرحوم کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ اب یہ انجمن لاکھوں روپے کے سالانہ وظائف تقسیم کرتی ہے۔ دینی مدارس کی امداد کرنا مرحوم اپنا ایمان اور فریضہ سمجھتے تھے چنانچہ پاکستان کی اکثر دینی درس گاہوں کی سرپرستی فرماتے تھے۔

میرا تعلق چونکہ ادارہ امامیہ قرآت کالج لاہور سے ہے لہذا اس ادارہ کو فروغ دینے میں مرحوم نے جو کاوشیں فرمائی ہیں۔ انہیں بخوبی جانتا ہوں۔ مرحوم نے اس ادارہ کو ترقی دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں فرمایا۔ یہ مرحوم ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ کہ جیب فیملی نے ہزاروں روپے دے کر اس ادارہ کو مالی استحکام بخشا۔ چنانچہ اس وقت اس ادارہ میں متعدد اساتذہ اور ڈیڑھ صد کے قریب بچے زیر تعلیم ہیں۔ امامیہ قرآت کالج کی یہ ترقی و کامیابی حافظ صاحب قبلہ مرحوم ہی کی مرہون منت ہے۔ یہ دینی ادارہ مرحوم کی خدمات کو کبھی فراموش نہ کر سکے گا۔

حافظ صاحب قبلہ کی وفات کے بعد دینی و قومی دنیا میں ایک اندھیرا چھا گیا ہے شاید کبھی وہ اجالے میں تبدیل ہو جائے۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حافظ صاحب قبلہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور عملی لحاظ سے ہمیں حسینی بننے کی توفیق دے۔ کیونکہ بارگاہِ رب العزت میں فردا عمال پیش ہوتی ہے۔

خداوند لایزال کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ حافظ دلدار حسب قبلہ کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے

بحق محمدؐ و آل محمدؐ

ع مرنے والے تجھے روئے گا زمانہ برسوں

اطلاع

اپریل ۱۹۶۸ء سے قدیم ممبران امامیہ کالج کے چندہ کی وصولی کی اطلاع بذریعہ پیام عمل ہوتی ہے۔ اور رسید جاری نہیں کی جاتی۔ البتہ جدید ممبران کی وصولی چندہ کی رسید جاری کی جاتی ہے۔ تاکہ ان کو ممبری نمبر اور ترسیل شمارہ پیام عمل کی اطلاع ہو سکے۔

طلب فرمائیں

۱۔ نگینہ مطابق ستارہ عقیق ہر قسم سرخ، سوئے نجف، فیروزہ رنگ سیاہ، نیلم وغیرہ مناسب قیمت پر طلب فرمائیں۔

۲۔ ہر جائز امور کے لئے تعویذات، ادعیۂ نادرہ و اسم غلامہ بمطابق اعداد نام کے تعین کا ہدیہ تین روپے۔

۳۔ نومولود کا نام مطابق برج ستارہ مع حالات زندگی وغیرہ کا تعین فیس تین روپے۔ بذریعہ علم الجفر و رمل متعلم کے امتحان کا نتیجہ معلوم کرانے کی فیس تین روپے۔ خواہشمند حضرات کا نام مع والدہ یا تاریخ پیدائش سن عیسوی اور جواب طلب امور کیلئے جوابی لفافہ آنا ضروری ہے۔ اس پتہ پر رجوع فرمائیں

جی۔ ایچ کاظمی بستی زنگپور ڈاک خانہ جمال الدین والی تحصیل صادق آباد ضلع رحیم یار خاں

کاظم علی گجراتی

الحاج حافظ کفایت حسین مرحوم

سفر حج سے سفر آخرت

زیر نظر مضمون ہمشیرہ حافظ کفایت حسین صاحب مرحوم کے فرزند ارجمند جناب حسن مہدی صاحب کے پرخلوص تعاون سے مرتب کیا گیا ہے۔ لہٰذا راقم الحروف ان کا انتہائی سپاس گزار ہے۔

قارئین کرام! عنوان بالا سے ظاہر ہے۔ کہ سطور ذیل میں شیر بیشۂ وحدت، نگہبان ختم نبوت، مرد آہن امامت، فاضل اجل، عالم بے بدل، صاحب کردار عمل، فیلسوف اعظم، وحید العصر، فرید الدہر، فخر ملت، رئیس الحفاظ، علی حضرت الحاج علامہ حافظ کفایت حسین صاحب اعلی اللہ مقامہ کے سفر حج سے لے کر سفر آخرت تک کے چیدہ چیدہ واقعات ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں۔ یاد رہے کہ اپنے دور حیات میں حافظ صاحب متعدد بار زیارات عتبات عالیات سے مشرف ہوئے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ پاکستان کے سابق صدر سکندر مرزا نے اپنی کفالت پر دو بار حافظ صاحب کو زیارات کے لئے بھیجا اس سلسلہ میں ایک دفعہ تو حافظ صاحب اکیلے تشریف لے گئے اور دوسرے موقع پر علامہ رشید ترابی صاحب ان کے شریک سفر تھے۔

پس منظر ایک مخلص مومن کی حیثیت سے حافظ صاحب ہمیشہ سے حج بیت اللہ کے مشتاق تھے۔ چنانچہ بفضل ایزدی جب وہ صاحب نصاب ہوگئے تو انہوں نے فریضۂ حج کی ادائیگی کا عزم فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے ۱۹۶۳ء میں درخواست برائے حج متعلقہ محکمہ کو بھجوائی۔ لیکن قرعہ ان کے نام نہ نکل سکا۔ حافظ صاحب کے اشتیاق اور قرعہ اندازی کے طریق کی غیر یقینی صورت کے پیش نظر حافظ صاحب کے داماد جناب اعجاز جعفری سیکرٹری ہیلتھ ریاست قطر، نے حافظ صاحب کو براستہ قطر حج کروانے کی تجویز سوچی۔ چنانچہ اعجاز صاحب نے حافظ صاحب کے لئے ۱۹۶۴ء میں قطر کا ویزا بھیج دیا۔ روانگی سے قبل حافظ صاحب کی طبیعت کچھ ناساز تھی فرماتے تھے کہ میں خدا کے گھر جا رہا ہوں اس لئے میرا دل خوفزدہ سا ہے۔" علاوہ ازیں برکت علی اسلامیہ ہال کے ناخوشگوار واقعہ سے بھی وہ خاصے متاثر تھے۔ چنانچہ بیرون ملک جاتے ہوئے قومی معاملات کے بارے میں ایک حد تک مضطرب تھے یہی وجہ تھی۔ کہ حافظ صاحب نے اپنے حج کو روانگی کے متعلق کسی کو اطلاع دینے کی ضرورت محسوس نہ کی اور آپ بڑی خاموشی سے سفر حج پر روانہ ہو گئے۔ ان کے بڑے صاحبزادے علی مہدی صاحب انہیں کراچی سے سوار کرانے کے لئے ہمراہ گئے۔ اور امامیہ قرأت کالج لاہور کے قاری محمود الحسن صاحب کو حبیب ایجوکیشن ٹرسٹ کراچی سے حفاظ قرآن کے مقررہ انعامات کی رقم دلانے کے لئے حافظ صاحب نے خود اپنے ساتھ لے لیا۔

پہلا سفر حج

۱۷ مارچ ۱۹۶۴ء کو بوقت ۸ بجے رات، حافظ صاحب بذریعہ ریل گاڑی لاہور سے کراچی روانہ ہوئے۔ اور چند افراد انہیں الوداع کہنے سٹیشن پر آئے۔ حافظ صاحب کے ہمراہ ان کی اہلیہ چھوٹی صاحبزادی کے علاوہ ان کے بڑے صاحبزادے علی مہدی اور قاری محمود الحسن کراچی گئے۔ کراچی پہنچ کر آپ اپنے ایک عزیز مبارک علی خاں کے ہاں فروکش ہوئے۔

دوسرے روز حافظ صاحب رضویہ کالونی ناظم آباد میں اپنی صاحبزادی سے ملنے تشریف لے گئے۔ اس وقت ان کی طبیعت بحال نہیں تھی چنانچہ ان کی موجودگی میں جب وہاں ان کے ایک قریبی عزیز قربان علی خاں آئے تو خلاف توقع حافظ صاحب نے ان کا نام دریافت فرمایا۔ اہل خانہ نے حیرت زدہ ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ تاہم انہیں موصوف کا نام بتایا۔ نام سن کر حافظ نے فرمایا ہاں اب مجھے ان کا نام یاد آگیا ہے۔ درحقیقت حافظ صاحب پر بیماری کا حملہ ہو چکا تھا۔ اور اس کے نتیجہ میں ان کے ذہن سے اشخاص اور اشیاء کے نام محو ہو چکے تھے۔ اس دوران میں حافظ صاحب گھر کے کسی فرد کو اپنے پاس سے اٹھنے نہیں دیتے تھے۔

حبیب ایجوکیشن ٹرسٹ کی دعوت

حبیب ایجوکیشن ٹرسٹ کراچی کی طرف سے حافظ صاحب کے اعزاز میں ایک دعوت کا اہتمام کیا گیا تھا اور انہیں اس کی باقاعدہ اطلاع بھی دی گئی تھی لیکن جب قاری محمود الحسن صاحب حافظ صاحب کو بسلسلہ دعوت بلانے کے لئے ان کے پاس رضویہ کالونی پہنچے۔ تو حافظ صاحب دعوت کے بارے میں ان سے مختلف سوالات پوچھنے لگے دراصل اس وقت حافظ صاحب ہو چکا تھا۔ چنانچہ اہل خانہ نے قاری صاحب مذکور سے کہا کہ حافظ صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اس لئے آپ انہیں دعوت پر نہ لے جائیں۔ مگر وہ کسی نہ کسی طرح حافظ صاحب کو اپنے ہمراہ لے گئے۔ صاحب خانہ مبارک علی خاں اور حافظ صاحب کے صاحبزادے علی مہدی بھی تھوڑی دیر کے بعد ان کے پیچھے چل دیے۔ تاکہ حافظ صاحب کی دیکھ بھال کر سکیں۔ انہوں نے دیکھا کہ نیدرز روڈ پر حافظ صاحب رکشا سے اتر کر کراچی کے بے پناہ ٹریفک کی پناہ کئے بغیر بیچ سڑک میں چلے گئے۔ انہوں نے حافظ صاحب کو سنبھالا اور انہیں حبیب ایجوکیشن ٹرسٹ کی بلڈنگ کی چوتھی منزل پر پہنچایا۔ اس وقت حافظ صاحب پر ایک گھبراہٹ سی طاری تھی۔ سیٹھ صاحبان سے گفتگو کرتے ہوئے حافظ صاحب کی زبان سے غیر مربوط کلمات ادا ہوتے رہے جب کھانا آیا تو حافظ صاحب نے کہا کہ مجھے کھانے کی قطعاً خواہش نہیں ہے۔ لیکن میزبانوں کے اصرار پر وہ کھانے کی طرف متوجہ ہوئے۔ مگر ہاتھ منہ کی طرف آنے کی بجائے ادھر ادھر ہو جاتا اور نوالے نیچے گرنے لگے۔ حافظ صاحب کی یہ حالت دیکھ کر سیٹھ صاحبان نے ڈاکٹر بلانے کی کوشش کی لیکن حافظ صاحب نے منع فرما دیا اور ارشاد فرمایا۔ کہ ڈاکٹر کی ضرورت نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ حبیب ٹرسٹ کی طرف سے -/۱۱۰۰ روپے کا چیک حافظ صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اور حافظ صاحب نے وہ چیک قاری محمود الحسن صاحب کو دے دیا۔ سیٹھ صاحبان اس صورت حال سے حد سے زیادہ پریشان تھے۔ انہوں نے بذریعہ کار حافظ صاحب کو ناظم آباد میں ان کی صاحبزادی

کے ہاں بھجوا دیا۔

بیماری اور علاج

ناظم آباد آ کر حافظ صاحب کو بغرض آرام لٹا دیا گیا۔ بعدہٗ نماز کے وقت پر حافظ صاحب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور نماز کی تیاری کر کے جائے نماز پر تشریف لے گئے۔ لیکن افسوس کہ وہ زاہد شب زندہ دار رکعت نفل میں ہی چکرا کر گر پڑا۔ حافظ صاحب کی اہلیہ اور ان کے صاحبزادے علی مہدی نے صاحب خانہ سے ڈاکٹر کو بلانے کی درخواست کی چنانچہ وہ قریبی ڈاکٹر کو لے آئے لیکن ڈاکٹر موصوف حافظ صاحب کے مرض کی تشخیص نہ کر سکے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ آپ ڈاکٹر یحییٰ خاں کو بلائیں۔ چنانچہ ڈاکٹر مذکور کو بلا کر حافظ صاحب کا معائنہ کرایا گیا۔ انہوں نے بتایا کہ ان پر فالج کا حملہ ہو چکا ہے اور ان کی حالت بڑی مخدوش ہے۔ اس وقت پاکستان کے مشہور معالج ڈاکٹر جمعہ خاں ایم۔ ایس جناح ہسپتال کراچی کے سوا کوئی دوسرا ڈاکٹر عہدہ برا نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ اس حیثیت کے معالج کو بلوانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ چنانچہ حافظ صاحب کے صاحبزادے حسن مہدی جنہیں بذریعہ تار لاہور بلا لیا تھا۔ اپنے بہنوئی حسن خاں کو ہمراہ لے کر مغربی پاکستان کے سابق گورنر اختر حسین صاحب کے پاس گئے۔ اور انہیں صورت حال سے آگاہ کیا۔ اور ڈاکٹر جمعہ خاں صاحب میڈیکل سپرنٹنڈنٹ جناح ہسپتال کراچی کو بھجوانے کی استدعا کی۔ صاحب موصوف کی کوشش سے ڈاکٹر جمعہ خاں صاحب حافظ صاحب کو دیکھنے آئے۔ انہوں نے ہدایت کی کہ انہیں فوری طور پر جناح ہسپتال پہنچا دیا جائے۔ اس پر خلدر آمد کیا گیا۔ اور حافظ صاحب کو سپیشل وارڈ میں داخل کر دیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف دن میں تین مرتبہ بڑی پابندی سے حافظ صاحب کا معائنہ کرتے رہے انہوں نے بتایا کہ حافظ صاحب کا اس مرض سے جانبر ہونا مشکل ہے۔ اور اگر یہ بچ گئے تو جسمانی طور پر تو شاید ٹھیک ہو جائیں گے۔ لیکن ان کی قوت گویائی بحال نہیں ہو سکے گی۔ کیونکہ ان کے دماغ کی وہ رگ پھٹ گئی ہے جس کا تعلق قوت ناطقہ سے ہوتا ہے۔ اس دوران میں حافظ کی کیفیت یہ تھی کہ بولنے میں پورے الفاظ ادا نہ ہوتے تھے۔ اور بعض اوقات حد سے زیادہ ہنسنے لگتے تھے۔

مومنین کراچی و سندھ کی عیادت

مومنین کراچی و سندھ کو حافظ صاحب کی علالت کی خبر پا کر ان کی عیادت کے لئے جوق در جوق جناح ہسپتال آنے لگے۔ اور ڈاکٹر جمعہ خاں صاحب سے برابر حافظ صاحب کی رفتار صحت کے متعلق پوچھتے رہتے تھے۔ ہر شخص ڈاکٹر صاحب سے درخواست کرتا کہ ہمارے محترم عالم دین کا علاج پوری توجہ سے کیا جائے۔ یہ حال دیکھ کر ڈاکٹر صاحب کو حافظ صاحب کے علو مرتبت کا گہرا احساس ہو گیا اور انہوں نے حافظ صاحب کی ذات کو اپنی توجہ کا مرکز بنا لیا۔

مرض میں افاقہ

ڈاکٹر جمعہ خاں صاحب کی خصوصی توجہ کے نتیجہ میں حافظ صاحب کی حالت بڑی تیزی سے بہتر ہونے لگی۔ اور ایک ہفتہ کے بعد وہ سہارا لے کر چلنے کے قابل ہو گئے۔

کراچی سے لاہور واپسی

تقریباً ایک ماہ تک حافظ صاحب جناح ہسپتال کراچی میں ڈاکٹر جمعہ خاں ایم۔ ایس کے زیر علاج رہے۔ اب

ان کی حالت نسبتاً اچھی ہوگئی تھی۔ اس لیے حافظ صاحب کے صاحبزادگان انہیں بذریعہ ہوائی جہاز کراچی سے لاہور لے آئے۔ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ حافظ صاحب فریضہ حج کی ادائیگی کی امنگ لے کر گھر سے نکلے مگر قوت حافظہ اور قوت ناطقہ سے محروم ہو کر حج بیت اللہ کی حسرت دل میں لئے ہوئے واپس آ گئے۔ کون جانتا ہے کہ ان کے قلب و جگر پر کیا گزرتی ہوگی۔ لاہور کے ہوائی اڈہ پر حافظ صاحب کے تمام اہل و عیال بعد حزن و ملال انہیں لینے کے لئے گئے۔ جہاز اترتے ہی حافظ صاحب نے اپنے چھوٹے بچوں کو یاد فرمایا۔ لیکن انہیں کسی کا نام بھی یاد نہیں تھا۔ بچوں کو حافظ صاحب کے سامنے پیش کر کے ان کے نام بتائے گئے۔ تو حافظ صاحب کے چہرہ پر بشاشت نمایاں ہوگئی۔ چنانچہ اپنے تمام اہل و عیال سمیت حافظ صاحب اپنے دولت کدہ واقع نسبت روڈ لاہور تشریف لائے۔

علاج

لاہور آ کر حافظ صاحب کا علاج شروع کر دیا گیا۔ اور ڈاکٹر سید بہادر حسین ڈاکٹر جی۔ ڈی قاضی ملٹری ہسپتال لاہور کے زیر نگرانی حافظ صاحب کا علاج و معالجہ ہوتا رہا۔ کبھی افاقہ ہو جاتا اور کبھی تکلیف بڑھ جاتی تھی اس غیر یقینی تکلیف کو دیکھ کر حافظ صاحب کے صاحبزادوں نے انہیں کراچی لے جانے کا فیصلہ کیا تاکہ حافظ صاحب صحت کی سے ہمکنار ہوں۔

دوبارہ کراچی کو روانگی

حافظ صاحب کو دوبارہ ڈاکٹر جمعہ خاں صاحب ایس۔ ایم کے پاس بغرض علاج کراچی لے جایا گیا۔ وہاں دو ہفتے تک علاج جاری رہا۔ لیکن اکثر اوقات حافظ صاحب اپنے چھوٹے بچوں کو یاد فرمایا کرتے۔ ڈاکٹر صاحب نے ان کی یہ روش دیکھ کر حافظ صاحب کے ورثاء کو مشورہ دیا کہ آپ انہیں واپس لاہور لے جائیں۔ ممکن ہے کہ بچوں کے درمیان رہتے ہوئے ان کی طبیعت سنبھل جائے۔

ڈاکٹر جمعہ خاں صاحب ایس۔ ایم کے مشورہ کے مطابق

کراچی سے لاہور واپسی

حافظ صاحب کو واپس لاہور لایا گیا اور یہاں آ کر ڈاکٹر الطاف حسین۔ ڈاکٹر ریاض علی شاہ۔ ڈاکٹر کرنل ضیاء اللہ۔ ڈاکٹر افتخار۔ ڈاکٹر بہادر حسین۔ ڈاکٹر عبدالقوی لقمان۔ ڈاکٹر مسز میاں اور ڈاکٹر امیر الدین وغیرہم مختلف اوقات میں حافظ صاحب کا علاج کرتے رہے۔ ڈاکٹر امیر الدین صاحب نے صاف طور پر بتا دیا تھا کہ کسی دوا یا علاج سے حافظ صاحب کا تندرست ہونا محال ہے۔ ان کی صحت یابی اب محض بخت و اتفاق پر منحصر ہے۔

علامہ علاؤالدین صدیقی کا تعاون

حافظ صاحب کی بیماری کے دوران میں علامہ علاؤالدین صدیقی صدر شعبہ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی و چیئرمین اسلامی مشاورتی کونسل پاکستان، حافظ صاحب سے خصوصی تعاون فرماتے رہے۔ انہی کی خاص توجہ سے بیماری کے باوجود حافظ صاحب کو مذکورہ کونسل کے رکن کی حیثیت سے مقررہ مشاہرہ سات آٹھ ماہ تک ملتا رہا

فروختگی جائداد

حافظ صاحب کی شدید علالت میں بڑے بڑے ڈاکٹروں اور گراں بہا دواؤں کے اخراجات کا پورا کرنا کار دارد والا معاملہ تھا۔ حافظ صاحب کا

مشاہرہ بند ہو جانے کے بعد کوئی معقول ذریعہ آمدنی نہ تھا۔ چنانچہ حافظ صاحب کی زرعی اراضی واقع شیخوپورہ ۳۵۰۰۰/- روپے میں اور ان کی کراچی میں واقع کوٹھی ۳۶۰۰۰/- روپے میں فروخت کی گئی۔ یہ تمام روپیہ رفتہ رفتہ حافظ صاحب کے علاج پر خرچ ہوتا رہا۔

علاج کا نتیجہ

دو سال کے طویل علاج اور صرف زر کثیر سے اگرچہ حافظ صاحب کی قوت گویائی بحال نہ ہو سکی تاہم اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ ان کا دماغی تعطل کسی حد تک دور ہو گیا اور وہ اپنے صاحبزادوں کو اہم امور میں اشارہ و کنایہ سے ضروری ہدایات دینے کے قابل ہو گئے تھے۔ ان کی زبان سے صرف یا اللہ، یا محمدؐ، یا علیؑ اور یا حسینؑ کے الفاظ ادا ہو سکتے تھے۔ اور یہی مبارک نام ان کا وظیفہ تھا۔ بیماری کے دوران میں بھی حافظ صاحب نے جسم و لباس کی طہارت کا معمول قائم رکھا۔ حافظ صاحب کی زندگی کا یہ دور مارچ ۱۹۶۴ء سے دسمبر ۱۹۶۶ء تک، تقریباً دو سال کے عرصہ پر محیط ہے۔

دوبارہ قصدِ حج

قارئین کو یاد ہو گا۔ کہ مارچ ۱۹۶۴ء میں بوجہ بیماری حافظ صاحب، کا سفرِ حج ناتمام رہ گیا تھا۔ اور حافظ صاحب نے جونہی سنبھالا لیا۔ ان کے دل میں دیارِ حبیب کی یاد پھر سے تازہ ہو گئی۔ چنانچہ انہوں نے اپنا یہ ارمان پورا کرنے کے لئے دوبارہ حج پر جانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اور ان کے سعادت مند داماد اعجاز جعفری نے حافظ صاحب کے لئے بار دیگر قطر کا ویزا بھیج دیا۔ تاکہ وہ براستہ قطر آسانی سے سعودی عرب جا سکیں۔

سفرِ حج کا آغاز

حافظ صاحب ۶ر جنوری ۱۹۶۶ء کو بار دیگر حج کے لئے روانہ ہوئے۔ اس سفر میں ان کی اہلیہ اور ان کے صاحبزادے حسن مہدی ان کے ہمراہ تھے۔ حافظ صاحب بذریعہ ہوائی جہاز لاہور سے کراچی پہنچے اور ۱۲ر جنوری تک اپنے عزیز مبارک علی خاں کے ہاں قیام پذیر رہے۔ ۱۲ر جنوری کو حافظ صاحب بذریعہ ہوائی جہاز کراچی سے قطر گئے۔ قطر کے ہوائی اڈہ پر اعجاز جعفری اور ڈیڑھ سو کے قریب دیگر پاکستانی مومنین نے حافظ صاحب کا استقبال کیا۔ تیام قطر کے دوران میں مفتی اعظم قطر نے حافظ صاحب سے ملاقات کی۔ ۱۷ر جنوری کو قطر سے بحرین چلے گئے۔ چونکہ حافظ صاحب کے پاس بحرین کا ویزا نہیں تھا۔ اس لئے سید احسان علی شاہ اور سید شبیر حسین کاظمی نے اپنے اثر و رسوخ سے بحرین میں قیام کرنے کے لئے شیخ بحرین سے خصوصی اجازت نامہ حاصل کیا۔ اور سید احسان علی شاہ نے حافظ صاحب کے اعزاز میں ایک شاندار اور پر تکلف دعوت دی۔

کربلائے معلیٰ

۱۸ر جنوری ۶۶ء کو حافظ صاحب بذریعہ ہوائی جہاز بحرین سے بغداد پہنچے اور وہاں سے بذریعہ ٹیکسی شام کو کربلائے معلیٰ چلے گئے۔ اور پنجابی مسافر خانہ میں فروکش ہوئے۔ ۱۹ر سے ۲۲ر جنوری تک حضرت امام حسینؑ اور حضرت عباسؑ کے روضہ جات کی زیارت کرتے رہے۔ ۲۳ر جنوری کو کربلائے معلیٰ میں عید الفطر منائی۔ ۲۴ر جنوری کو روضہ حضرت حرؑ کی زیارت کی۔

نجف اشرف

۲۵ر جنوری کو حافظ صاحب نجف اشرف پہنچے اور ۲ر فروری تک وہاں فروکش اس اثنا میں یکم فروری کو حافظ صاحب نے مسجد کوفہ کی زیارت بھی کی۔ قیام نجف اشرف کے دوران میں وہاں موجود علمائے ہند و پاکستان نے حافظ کی دعوتیں کیں۔ اور مجتہد اعظم حضرت آقائے

محسن طباطبائی حکیم مدظلہ کی اقتدا میں حوزہ علمیہ نجف اشرف کے تمام علماء و طلبا نے حافظ صاحب کی صحت و سلامتی کے لئے دعائیں مانگیں۔ حضرت مجتہد اعلم مدظلہ نے مشہور معالج ڈاکٹر شرستانی کو بلا کر حافظ صاحب کا معائنہ کرایا اور دوائیں استعمال کرائیں۔ اس سے حافظ صاحب کی بیماری میں خاصا افاقہ ہو گیا۔

کاظمین و سامرہ

۲ر فروری ۶۶ء کو حافظ صاحب نجف اشرف کربلا معلیٰ واپس آ گئے۔ ۵ر فروری کو کاظمین چلے گئے۔ اور وہاں سید مرتضیٰ حسین نقوی کے ہاں قیام فرمایا۔ نقوی صاحب نے مشہور معالج ڈاکٹر علی سے حافظ صاحب کا علاج کروانا شروع کر دیا۔ اس لئے حافظ صاحب ۱۰ر سے ۲۶ر فروری تک کاظمین ہی میں رہے۔ اور اسی دوران میں حضرت سلمان فارسی کے مزار کی زیارت کی۔ اور حضرت امام علی نقی کے روضہ کی زیارت کے لئے سامرہ بھی گئے۔ ڈاکٹر علی کے علاج سے حافظ صاحب کی صحت نسبتاً بہتر ہو گئی۔

قطر کو واپسی

۲۶ر فروری کو حافظ صاحب قطر میں اپنی صاحبزادی کے پاس واپس آ گئے۔ اور یکم مارچ ۶۸ء تک وہاں قیام فرمایا۔ اس دوران میں ایک رات جبکہ سب گھر والے سو رہے تھے۔ حافظ صاحب عالم بے ہوشی میں اپنے بستر سے اٹھ کر غسل خانے میں چلے گئے۔ سوء اتفاق سے حافظ صاحب کی پیشانی ٹونٹی سے ٹکرا گئی اور وہ فرش پر گر گئے۔ اتنے میں گھر والے جاگ اٹھے اور حافظ صاحب کو بستر پر موجود نہ پا کر مکان کے مختلف حصوں میں تلاش کرنے لگے حتیٰ کہ وہ غسل خانے میں خون میں لت پت بے ہوش پڑے پائے گئے۔ اسی وقت ڈاکٹر کو بلا کر زخم کو ٹانکے لگوائے گئے۔ اور دوائیں دی گئیں۔ ایک تو حافظ صاحب فالج کے مریض اور پھر چوٹ اس پر مستزاد تھی۔ ڈاکٹر نے مشورہ دیا حافظ صاحب کمزوری اور نقاہت کے باعث سفر کے قابل نہیں ہیں۔ اس لئے انہیں حج کے لئے نہ لے جائیں۔ اہل خانہ نے حافظ صاحب کی خدوش حالت کے پیش نظر یہ مشورہ مقبول کر لیا۔ سفر حج ملتوی کر دیا۔

اعجاز جعفری کا خواب

اگلی رات کو اعجاز جعفری صاحب نے ایک مبارک خواب دیکھا۔ کہ حضرت امام حسنؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ حافظ صاحب کو حج کے لئے روانہ کر دیں۔ وہ اس سفر سے بخیریت لوٹیں گے۔ آپ لوگ بے فکر رہیں۔ جب اعجاز جعفری اس خواب سے بیدار ہوئے تو انہوں نے گھر کے تمام افراد کو جگا کر اپنا خواب سنایا اور اس بشارت پر یقین کرتے ہوئے حافظ صاحب کی روانگی کی تیاریاں شروع کر دیں۔

حج کو روانگی

یکم مارچ ۶۶ء کو حافظ صاحب قطر سے بذریعہ ہوائی جہاز مکہ معظمہ روانہ ہو گئے ان کی اہلیہ اور صاحبزادے حسن مہدی کے علاوہ اعجاز جعفری صاحب نے حافظ صاحب کی دیکھ بھال کے لئے ایک ڈاکٹر کو بھی ہمراہ بھجوا دیا۔ مقام میقات پر سب نے غسل کر کے احرام حج باندھا۔

قیام مکہ

کر معظمہ پہنچ کر حافظ صاحب کے زخم کے ٹانکے کاٹ دیئے گئے۔ یہاں رہائش کے لئے چوتھی منزل پر جگہ ملی۔ قیام مکہ کے دوران میں حافظ صاحب جسمانی نقاہت و کمزوری کے باوجود محض روحانی قوت کے بل بوتے پر چوتھی منزل پر کسی سہارے کے بغیر چڑھتے اترتے تھے۔ ان ایام میں بلا ناغہ طواف خانہ کعبہ کرتے رہے۔ اور بموقع طواف اپنے ہمراہیوں کی رہنمائی فرماتے تھے۔

★

اعمال حج کی ادائیگی

حج کے دن حافظ صاحب نے اعمال حج مکمل طور پر ادا کئے۔ اس کے بعد مقام عرفات میں قیام فرمایا اور مقام مزدلفہ میں شب باشی فرمائی۔ مقام منیٰ میں حافظ صاحب کے صاحبزادے حسن مہدی نے ان کی طرف سے وکالتاً رمی جمرات کی۔ صفا و مروہ کے درمیان سعی مسنون حافظ صاحب نے متحرک کرسی پر سرانجام دی۔ بعدہٗ آخری طواف بجالاکر حافظ صاحب عازم مدینہ منورہ ہوئے۔

قیام مدینہ

مدینہ منورہ میں حافظ صاحب آٹھ روز تک قیام پذیر رہے۔ ان ایام میں ان کا معمول یہ تھا کہ صبح و شام روضہ رسول کی زیارت کرنے کے بعد جنت البقیع تشریف لے جاتے۔ چونکہ جنت البقیع کا دروازہ مقررہ اوقات میں کھلتا ہے۔ اس لئے حافظ صاحب دروازہ کھلنے کے انتظار میں وہیں بیٹھے رہا کرتے۔ دروازہ کھلتے ہی اندر چلے جاتے۔ اور مزارات معصومین کے قریب بیٹھ کر نالہ و شیون کرتے رہتے۔ حتیٰ کہ رات کی تاریکی پھیل جاتی۔ اور حافظ صاحب کے صاحبزادے حسن مہدی بذات خود جا کر انہیں واپس لایا کرتے۔

وطن کو مراجعت

۱۸ مارچ ۶۶ء کو حافظ صاحب معہ ہمراہیوں کے مدینہ منورہ سے قطر واپس آئے اور وہاں سے براستہ کراچی لاہور پہنچے۔ حج و زیارات کے اس سفر میں حافظ صاحب تقریباً تین ماہ تک بیرون ملک رہے۔ لاہور آنے کے بعد حافظ صاحب کا علاج حسب معمول شروع ہوگیا اور ان کی حالت قدرے سنبھلی رہی اس دوران میں حافظ صاحب اکثر اوقات بلا اطلاع گھر سے نکل کھڑے ہوتے۔ اور اپنی رو میں ڈاکٹر الطاف حسین صاحب یا تقی کاظمی صاحب کے ہاں پہنچ جاتے گھر والے انہیں وہاں سے خود جا کر واپس لایا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ حافظ صاحب اس دگرگوں حالت میں بھی خلوت گزینی اختیار نہ کر سکتے تھے اور نہ اس پر مطمئن رہ سکتے تھے۔

بیماری کی شدت

حج سے واپسی یعنی مارچ ۶۶ء سے نومبر ۶۷ء تک تقریباً پونے دو سال کا عرصہ حافظ صاحب نے کسی حد تک آرام سے گزارا۔ لیکن نومبر کے وسط میں ان کی تکلیف میں مسلسل اضافہ ہونے لگا۔ علاج ہوتا رہا لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ یہاں تک کہ مارچ ۶۸ء میں حافظ صاحب کو خون کے دباؤ کا عارضہ بھی لاحق ہوگیا۔ ان کی نظر بھی خاص کمزور ہوگئی۔ ۲۴ مارچ ۶۸ء کو حافظ صاحب کی حالت بڑی ہی مخدوش ہوگئی۔ ڈاکٹر میجر فضل الرحمٰن۔ ڈاکٹر کرنل ضیاء اللہ اور ڈاکٹر سید بہادر حسین نے یکے بعد دیگرے علاج کیا۔ لیکن صاحب کی حالت گرتی ہی چلی گئی۔ ۲۹ مارچ کو حافظ صاحب کچھ کھا پی نہ سکے۔ اور رات بھر جاگتے رہے۔ ۳۰ مارچ کو زبان کچھ کام کرنے لگی۔ آپ نے خدا اور رسول کا نام کئی بار دوہرایا۔ اور تمام اہل و عیال کو اپنے پاس بٹھا لیا ان سے کہنے لگے کہ آئمہ معصومین میرے سامنے ہیں۔ بس اب میرا آخری وقت ہے۔ صبح ہوتے ہوتے ان پر غشی طاری ہوگئی۔ ڈاکٹروں نے مشورہ دیا۔ کہ انہیں ہسپتال میں داخل کرایا جائے۔

گنگارام ہسپتال میں داخلہ

اس سلسلہ میں ۳۱ مارچ کو میو ہسپتال سے رابطہ قائم کیا گیا۔ لیکن وہاں جگہ نہ مل سکی چنانچہ علی ہسپتال کے ڈاکٹر سید رمضان علی

کی ہمدردانہ اعانت سے حافظ صاحب کو گنگارام ہسپتال میں داخل کروایا گیا۔ ڈاکٹر شمیم صاحب نے انہیں انجکشن لگائے اور ایک بوتل بلغم نکالی اس کے بعد حافظ صاحب کو اجابت ہوئی اور قدرے سنبھل گئے۔ یکم اپریل ۶۸ء کی صبح کو حافظ صاحب نے چائے پینے کی خواہش کی۔ لیکن چائے حلق سے نہ اتر سکی۔ اسی روز ۴ بجے شام حافظ صاحب کی سانس تیز ہوگئی۔ جو ۲ اپریل تک بدستور رہی۔ حافظ صاحب کے تمام عزیز و اقارب کو بذریعہ تار ان کی شدید بیماری کی اطلاع دے دی گئی۔ اور وہ موقع پر پہنچ گئے۔ ۲ اپریل کو نواب مظفر علیخاں صاحب قزلباش بالقابہ حافظ صاحب کی عیادت کے لئے ہسپتال آئے انہوں نے حافظ صاحب کے معالج ڈاکٹر شمیم صاحب سے تبادلہ کیا اور سرگیری ہیلتھ سے کہہ کر حافظ صاحب کے علاج کے لئے ڈاکٹروں کا ایک بورڈ مقرر کروایا۔ نواب صاحب نے تاکید کی کہ ان کی جان بچانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جائے۔ چنانچہ ڈاکٹروں نے خون کے دباؤ پر قابو پالیا۔ اور دوران خون کو معمول پر لانے کی کوشش کرنے لگے۔ ۱ بجے رات ڈاکٹر اختر نے حافظ صاحب کا ایکسرے لیا۔ ۳ اپریل کو حافظ صاحب کا دم اکھڑنے لگا۔ ۱۲ بجے دوپہر کو گلوکوز دینا بھی بند کر دی گئی۔ شام کو نواب صاحب دوبارہ ہسپتال آئے۔ اور حافظ صاحب کی عیادت کے لئے آنے والے مومنین کا ہجوم رہا۔ ۴ اپریل ۶۸ء ڈاکٹر سید رمضان علی صاحب عیادت کے لئے آئے۔ انہوں نے حافظ صاحب کو دیکھتے ہی کہا کہ اب یہ ہمارے پاس چند گھنٹوں کے مہمان ہیں۔ اس روز دوبارہ ایکسرے لیا گیا اور ایکسرے کی رپورٹ آنے سے پیش تر ڈاکٹروں نے حافظ صاحب کا معائنہ کرنے کے بعد ان کے ورثا کو بتایا کہ اب حافظ صاحب کا جانبر ہونا محال ہے۔ آپ چاہیں تو انہیں یہاں رکھیں اور چاہیں تو گھر لے جائیں لیکن حافظ صاحب کے اعزا نے انہیں ہسپتال میں رکھنے پر زور دیا۔ اور ان کے علاج کے لئے مزید کوشش کرتے رہے۔ رات تک حافظ صاحب کی کیفیت خطرناک ہوگئی اور ان کا انجام سب کو نظر آنے لگا۔ عین اس وقت پر حافظ صاحب کی چہیتی صاحبزادی قطر سے آئیں اور ہوائی اڈہ سے سیدھی ہسپتال پہنچیں۔ حافظ صاحب نے ایک نظر بیٹی کے چہرہ پر ڈالی اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خانوادہ رسالت کا یہ مداح اعظم حضرات چہاردہ معصومین کا سہارا لے کر ۹ بجے رات اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ۱۰ بجے رات حافظ صاحب کی میت ان کے مکان پر لائی گئی۔

وفات کی عام اطلاع

حافظ صاحب کی خبر وفات فوری طور پر ریڈیو پاکستان اور انڈیا ریڈیو نے نشر کی اور لاہور کے تمام اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی عزاخانوں میں اس وقت مجالس برپا تھیں۔ حافظ صاحب کی خبر مرگ شہر بھر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ مومنین لاہور عزاخانوں میں اہلبیت اطہار اور اس کے اس ثناخواں کو روتے رہے۔ مجالس کے اختتام پر مومنین حافظ صاحب کے مکان واقع نسبت روڈ پر پہنچنے لگے۔ اور صبح ہونے تک سوگواروں کا بے پناہ ہجوم ہوگیا۔ مردوں کی آہیں اور مستورات کے بین اتنے پردرد تھے۔ کہ ساری فضا درد بھری معلوم ہونے لگی۔

تجہیز و تکفین

۵ اپریل کو حافظ صاحب کو غسل و کفن دیا گیا اور ٹھیک ۱۰ بجے صبح ان کے مکان سے جنازہ اٹھا۔ چہاردہ معصومین کے نام کے چودہ علم جنازہ پر سایہ فگن تھے۔

(باقی صفحہ ۹۸ پر)

۷۸۶

محمد مہدی
حسن مہدی

ہمارا باپ

(ذیل کا مضمون مدیہ پیام عمل لاہور نے علامہ حافظ کفایت حسین مرحوم کے صاحبزادوں سے مل کر تیار کیا ہے۔ جسے انہیں حضرات کی زبان سے پیش کیا جا رہا ہے)

اپنا باپ ہر شخص کو پیارا ہوتا ہے۔ اور ہمیں بھی ہے۔ لیکن محبت کا دائرہ جب وسیع ہو کر شخصی سے قومی ہو جاتا ہے۔ تو انسان کی فضیلت میں نمایاں اضافہ ہو جاتا ہے۔ والد مرحوم کی شخصیت گھر اور خاندان سے نکل کر بین الاقوامی ہو گئی تھی۔ اس لئے دیدہ ور اور علمائے کرام کے ہوتے ہوئے ہماری مجال نہیں کہ ہم ان کے کسی علمی گوشے کے بارے میں اظہار خیال کریں۔ ہم تو اپنی قوم کو فقط یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مرحوم اپنے گھر کے افراد اور اپنے بال بچوں کے ساتھ کس طرح اٹھتے بیٹھتے تھے۔ ان کا حسنِ سلوک اپنی اولاد سے کیا تھا۔ ان کی باہر کی زندگی اور گھر کی زندگی میں کیا فرق تھا۔ ان کا اپنے خاندان والوں کے ساتھ کیا رویہ تھا۔

ہم نے ہوش سنبھالا تو اپنے کو رام پور ہندوستان میں پایا ہمیں وہ کوٹھی یاد ہے جس میں والد مرحوم رہا کرتے تھے۔ یہ کوٹھی نواب صاحب نے انہیں اس لئے دی تھی کہ وہ فراغت سے بیٹھ کر اس میں قرآن کی تفسیر کا کام سرانجام دیں۔ اس دور کے علمی مباحثوں اور جماعتی تذکروں کا ہمیں کچھ علم نہیں ہاں اتنا یاد ہے کہ کوٹھی میں ایک بڑا حوض تھا جس میں غالباً روزانہ وہ ہمیں خود نہلایا کرتے تھے۔ نفاست ان کی زندگی کا طرہ امتیاز تھا۔ اور طہارت ان کی طبیعتِ ثانیہ بن گئی تھی۔ اکثر اسی حوض میں ہمیں ڈال دیتے تھے۔ اور فوراً نکال کر تولئے سے بدن کی صفائی کر کے نئے اور صاف کپڑے پہنایا کرتے تھے۔ اس طرح انہوں نے ہمیں بچپن ہی سے طہارت کے موٹے موٹے اصول ازبر کرا دیئے۔ ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہو گیا۔ لیکن ہمیں اس تقسیم کا معاشرتی اور سیاسی ماحول یاد نہیں۔ نواب رام پور کی خواہش تھی کہ والد مرحوم وہیں قیام کریں۔ لیکن والدہ کے پیہم اصرار کی وجہ سے انہیں رام پور ترک کرنا پڑا اور

ہم پاکستان آ گئے۔ جس ٹرین میں ہم آ رہے تھے وہ فوجی اسپیشل ٹرین تھی۔ ہمارے لئے ایک ڈبہ مخصوص تھا۔ لیکن جگہ جگہ اسٹیشنوں پر اس قدر بھیڑ ہوتی تھی۔ کہ تھوڑی ہی دیر کے بعد تمام ڈبہ مسلمان مہاجرین سے پُر ہو گیا۔ ہمارے لئے یہ سفر نیا اور انوکھا تھا۔ ہم نے دیکھا کہ جب ٹرین کے اندر کی جگہ پُر ہو گئی تو لوگ گاڑی کی چھتوں پر بیٹھ گئے ۱۲ گھنٹے کی مسافت کے بعد کسی نامعلوم اسٹیشن پر ڈرائیور نے گاڑی روک لی۔ استفسار پر معلوم ہوا کہ گاڑی کے بریک خراب ہو گئے۔ سکھ ڈرائیور کی اس حرکت سے مسلمان خوفزدہ ہو گئے۔ کیونکہ اسٹیشن کے اردگرد مسلح آدمیوں کا ہجوم یہ بتلاتا تھا۔ کہ ان کی نیتیں درست نہ تھیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ ایک مسلمان فوجی افسر پستول لئے ہوئے گاڑی سے اترا اور سکھ ڈرائیور سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ کہ یا تو گاڑی لے چلو یا ہٹ جاؤ میں خود ٹرین چلانا جانتا ہوں۔ سکھ ڈرائیور ڈر گیا۔ اور گاڑی آہستہ آہستہ روانہ ہو گئی۔

پاکستان آ کر ہم نے پہلے موچی گیٹ اور پھر چونا منڈی لاہور میں قیام کیا۔ والد مرحوم کے احباب ملنے آتے اور دینی مسائل پر گفتگو کرتے رہتے تھے۔ جس گھر میں ہم رہتے تھے وہ قبر سے زیادہ تاریک تھا۔ پڑوسیوں کے مکانوں کا پانی اور ان کی غلاظتیں ہماری برداشت سے باہر تھیں۔ اس لئے ضرورت ہوئی کہ کوئی دوسرا مکان لیا جائے۔ خدا بھلا کرے سید عنایت علی شاہ صاحب کا کہ ان کی کوششوں سے ہمیں نسبت روڈ والا مکان الاٹ ہوا۔ والد مرحوم زمانہ سازی کے سخت خلاف تھے۔ اس دور میں عدالتیں فقط دو گواہوں کے بیانات قلمبند کر کے (بعد میں سکھ) کی تشخیص کر دیا کرتی تھیں۔ ہمارے پاس فقط ۱۱ ہزار روپے کا کلیم تھا۔ لیکن موجودہ مکان کی مالیت زیادہ تھی۔ الٹا احباب نے والد مرحوم سے کہا کہ آپ بھی اپنے کلیم کے سلسلے میں دو گواہ پیش کر کے اضافہ کرا لیں۔ لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اور بقیہ رقم داخل خزانہ کرائی۔

اس مکان میں آ کر سب سے بڑا مسئلہ ہماری تعلیم کا تھا۔ ہم سات بھائی اور سات بہنیں بفضلہ بقید حیات ہیں۔ والد مرحوم اکثر مجالس کے سلسلے میں گھر سے باہر ہی رہتے تھے۔ لیکن وہ ایک سیکنڈ کے لئے بھی ہماری تعلیم سے غافل نہ ہوئے۔ ہمیں ایک استاد صاحب کے حوالے کر دیا گیا۔ جن کی عنایت سے ہم نے قرآن پڑھا۔ البتہ جب کبھی والد مرحوم گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ ہم سے قرآن سنتے اور رموز و اوقاف سے روشناس کراتے۔ حروف کے صحیح مخرج کا خیال رکھتے تھے۔ چونکہ خود تجوید کے علم سے کما حقہٗ واقف تھے۔ اس لئے اس کی تاکید کرتے رہتے تھے۔ جب ہم ذرا بڑے ہوئے تو لوگوں نے انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے لئے کہا۔ مرحوم انگریزی تعلیم کے سلسلے میں قطعاً متعصب نہ تھے۔ بلکہ کہا کرتے تھے کہ علم خواہ کسی زبان کا ہو حاصل کرنا چاہیئے۔ اس سلسلے

میں انہوں نے خود بھی انگریزی تعلیم حاصل کی۔ اور میٹرک کی کتابیں فر فر پڑھتے تھے۔ اسلامی شادی کونسل میں آجانے کے بعد انٹر کی کتابیں منگوائیں اور انہیں بھی روانی سے پڑھ لیتے تھے۔ انگریزی کے تمام خطوط خود ہی پڑھتے تھے۔ اور تار وغیرہ انگریزی میں خود ہی لکھوا دیتے تھے۔ کراچی یونیورسٹی کے عربی اور فارسی زبانوں کے پرچے تیار کرتے اور انہیں جانچتے تھے۔

علامہ علاؤ الدین صدیقی سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ علامہ نے یونیورسٹی میں ان کے مستقل لیکچروں کا انتظام کیا۔ ایم اے اسلامیات کے طلبہ کے سامنے وہ دو دو گھنٹے تقریر کرتے تھے۔ اور طلبا کے سخت سے سخت سوالوں جواب بڑی روانی اور پورے حوالہ جات سے دیتے تھے۔ قارئین سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ بروقت سوالوں کا جواب دینا کس قدر مشکل ہوتا ہے۔ لیکن والد مرحوم سوالوں کے جوابات دینے میں کبھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے۔ ایک بار یونیورسٹی ہال میں نزول قرآن پر تقریر کر رہے تھے۔ مجمع ساکت تھا۔ لوگ اس قدر محو ہو گئے۔ کہ انہیں احساس ہی نہ رہا کہ والد مرحوم نے اس تقریر کے لئے مسلسل دو گھنٹے لئے۔ اختتام تقریر پر ملک محمد علی سابقہ چیئرمین بھائی گیٹ نے فرمایا کہ دوران تقریر ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا قرآن نازل ہو رہا ہے۔

مرحوم عام بچوں سے بڑی محبت کرتے۔ ہمارے لئے ان کے پیار کی کوئی منزل نہ تھی۔ سزا سے اجتناب فرماتے تھے۔ اور کہتے تھے۔ کہ جسمانی سزا بچے کو تباہ کر دیتی ہے۔ اکثر ہماری ناموزوں حرکات پر غصہ کرتے تھے۔ لیکن کبھی حواس باختہ نہ ہوئے۔ غصے کے عالم میں بڑبڑاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل جاتے تھے۔ گرمی کے دنوں میں تہ خانے میں قیام فرماتے تھے۔ کمرے میں برف رکھ لیتے تھے اور پنکھے کھول دیتے تھے اور کوئی نہ کوئی کتاب لے کر پڑھنے بیٹھ جاتے تھے۔ اکثر ہمارے ساتھ راوی یا نہر پر جاتے۔ ہمیں پیراکی سکھاتے۔ خود بہت اچھے پیراک تھے۔ فصل کے میوے ساتھ رکھتے تھے۔ آم ہو یا امرود۔ تربوز ہو یا خربوزہ بڑے شوق سے کھاتے تھے۔ اکثر دریا کے کنارے پالتھی مار کے بیٹھ جاتے۔ اور آموں سے لطف اٹھاتے۔ صبح کے وظیفے کے ساتھ ورزش کا بھی خیال رکھتے تھے۔ ورزش سے کبھی پہلو تہی نہ کرتے تھے۔ سادہ غذا ان کا شعار تھا۔ جب فارغ وقت ملتا خود کھانا پکاتے کھانے میں ماش کی دال سے بڑا لگاؤ تھا۔ سری پائے خود پکاتے تھے۔ اور مسالوں کی نسبت بھی خود ہی مقرر کرتے تھے۔ وقت نہ ہوتا تو باہر ایک مخصوص دکان سے کباب منگاتے اور اگر کبھی ادھر سے گزر ہو جاتا تانگہ رکواتے اور کباب ضرور خریدتے۔ گھر میں آکر تمام افراد کو جمع کرتے اور ساتھ ہی کھانا کھاتے۔ کہتے تھے کہ ساتھ کھانا کھانے سے برکت ہوتی ہے۔ ہمیں کھانے کے آداب سکھاتے۔ چٹنی اور اچار دسترخوان

پر ضرور رکھتے تھے۔ اچار خود ہی بنایا کرتے تھے۔ جلوہ بھی بڑے شوق سے کھاتے تھے۔ پانی پی کر یا امام جعفر صادق علیہ السلام کے الفاظ زبان سے نکالتے تھے۔

جس طرح ورزش روز کا معمول تھا۔ اسی طرح صبح کی نماز کے بعد ماتم ضرور کرتے تھے۔ متعدد بار یا حسینؑ یا حسینؑ کہتے تھے۔ اور ہمیں بھی کہتے تھے کہ دیکھو ماتم ضرور کیا کرو۔ کیونکہ ایسا کرنے سے سینے کی کوئی بیماری نہیں ہوتی۔ جب کبھی جلسوں یا امام باڑوں میں ماتم کی آواز سن لیتے تھے۔ تو فوراً آبدیدہ ہو کر سینے پر ہاتھ رکھ لیتے تھے۔ ماتمی دستوں سے بہت پیار کرتے تھے۔ ان کی ہمت بڑھاتے تھے اور کہتے تھے۔ کہ تم ان کے عوض ماتم کر رہے ہو جن کے ہاتھ تو تھے لیکن رسیوں سے باندھ دیئے گئے تھے۔

جب کبھی گھر سے نکلتے تھے تمام بچوں کو بلا کر دیکھتے۔ ہر ایک کو بقدر سن پیار کرتے۔ جیب سے پیسے نکالتے اور تقسیم کرتے تھے۔ کچھ نصیحت کرتے تھے۔ اور دعائیں پڑھتے ہوئے دروازے پر آجاتے تھے۔ بڑے دروازے پر انگلی سے کچھ تحریر کرتے اور باس انگیز نظروں سے رخصت ہوتے تھے۔ تین ناموں کا ورد اکثر کرتے رہتے تھے۔ ٹھوکر لگتی تو یا علیؑ کہتے۔ پانی پیتے تو یا امام جعفر صادقؑ کہتے اور بات بات پر یا حسینؑ فرماتے رہتے تھے۔

گھر میں نوکر کوئی نہ تھا خود ہی بازار سے سودا سلف لاتے۔ سودا خریدتے وقت تکرار سے گریز کرتے تھے۔ اکثر معلوم اشخاص کی دکانوں سے سودا خریدتے تھے کبھی نقد رقم ادا کر دیتے تھے کبھی سامان لے کر گھر آجاتے تھے۔ اور گھر سے رقم بھجوا دیتے تھے۔

حکمت کے بہت قائل تھے۔ اکثر دوائیں خود ہی تشخیص کرتے اور علاج شروع کر دیتے۔ تعویذ اور گنڈوں سے نفرت تھی۔ لیکن بعض احباب کے اصرار پر کبھی کبھار زعفران سے لکھ کر تعویذ دے دیا کرتے تھے۔

ایک صاحب کی بچی علیل ہوئی۔ وہ والد مرحوم سے ایک تعویذ لے گئے۔ خدا کی مصلحت کہ وہ بچی اچھی ہو گئی ان صاحب کا اعتقاد اس درجہ پختہ ہوا کہ جب کبھی وہ یا ان کے بچے بیمار ہوتے۔ گھر پر آجاتے تھے۔ ایک رات ۲ بجے دروازہ کھٹکھٹانے لگے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ فلاں صاحب ہیں۔ ان کی بچی علیل ہو گئی ہے۔ والد مرحوم سے تعویذ لینا چاہتے ہیں۔

مرحوم کی ہم سے محبت عشق کے درجے تک پہنچی ہوئی تھی۔ جب بیرون شہر سے تشریف لاتے تو سب سے پہلے ہمیں جاتے محبت کے انداز سے دیکھتے۔ اور جو چیز ساتھ لاتے تقسیم کرتے۔ اگر بھیگی رات میں آتے پہلے سوئے ہوئے بچوں کو جگاتے پیار کرتے اور پھر سونے کی اجازت دیتے تھے۔ ایک بار ہم میں سے ایک بھائی بیمار ہوا۔ ہوا میو ہسپتال میں اپریشن ہوا۔ والد مرحوم بیماری کی حالت میں ہسپتال جاتے۔ سیڑھیوں پر چڑھنا سخت دشوار تھا لیکن روتے جاتے تھے۔ اور چڑھتے جاتے تھے۔ ہسپتال کے حکام نے یہ کہہ دیا تھا۔ کہ حافظ صاحب قبلہ کو آنے سے نہ روکا جائے

ایک طرف تو بیٹوں کی محبت کا یہ حال تھا۔ دوسری طرف امام حسینؑ کی محبت کا اتنا خیال تھا کہ اپنی آل اور اولاد سے بھی بے نیاز ہو جاتے تھے۔ ہمارے ایک بھائی حسین مہدی کی ٹانگ ایک حادثے میں زخمی ہو گئی والد محترم اس وقت مجلس پڑھ رہے تھے۔ کسی شخص نے ازراہِ محبت والدِ مرحوم کو اس حادثے کی اطلاع دی۔ لیکن انہوں نے سُنی ان سُنی کر دی۔ دوسرے لوگ اسے ہسپتال لے کر پہنچے اور اس کے اپریشن کی تیاری شروع ہوئی۔ والد مرحوم نے ۴۵ منٹ تک مجلس پڑھی اور بعد اختتام مجلس ہسپتال گئے۔ وہ کہتے تھے مجھے حسینؑ کا غم اپنی اولاد کے غم سے زیادہ پیارا ہے۔

والد مرحوم نے ہمارا نام سنٹرل ماڈل اسکول میں لکھا دیا تھا۔ اسکول جانے سے قبل ہم شیروانی اور پاجامہ پہنا کرتے تھے۔ لیکن مدرسہ میں ہمیں مجبور کیا گیا کہ ہم یونیفارم پہن کر آئیں چنانچہ ہم نے گھر آ کر دو پتلونوں کے لئے تقاضا کیا۔ فرمانے لگے۔

"تم لوگوں نے یہ کیا مذاق بنا رکھا ہے
روز کوئی نہ کوئی سوال لے کر آ جاتے
ہو۔ مجھے دیکھو میں نے نفیس کپڑے
کبھی نہیں پہنے آج تک شیو (Shave)
نہ کرایا۔ طالب علمی کے زمانے میں
ایک لالٹین میری مونس تھی ساتھی کی
روشنی سے عقل و دل کی دُنیا کو روشن
کرتا تھا۔ اپنے ہاتھوں سے پکاتا تھا
اور ہمیشہ اوّل آتا تھا۔ ایک سال میں
تین تین امتحانات پاس کرتا تھا۔"

ہم نے کہا کہ آپ کے والد اسلامی بشاعتی کونسل کے رکن نہ تھے۔ یہ سُن کر مُسکرا دیتے اور مطلوبہ رقم فراہم کر دیتے۔

مذہب حقہ کی تبلیغ اور اہلبیت کی محبت ان کی زندگی کا سب سے بڑا وظیفہ تھا۔ تمام تاثر یہ ہے کہ والد مرحوم نے مجلسوں سے لاکھوں روپے حاصل کئے۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ تقریباً ۷۵ فیصد مجلسیں وہ بغیر کسی رقم کے پڑھتے تھے۔ ۲۵ فیصد مجالس میں انہیں بعض احباب کچھ نقد رقم پیش کرتے تھے۔ والد مرحوم نے اپنی زندگی میں اُجرت لے کر کبھی مجلس نہیں پڑھی وہ مجلسوں کی اُجرت حرام سمجھتے تھے۔ اگر کوئی کچھ دے دیتا تو قبول کر لیتے تھے۔ کبھی کبھی تو ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ کہ اس وقت سوچ کر خوف پیدا ہوتا ہے۔ سندھ کے علاقے سے ایک صاحب مجلس پڑھوانے کے لئے تشریف لائے۔ والد مرحوم نے کسی وجہ سے انکار کیا۔ اس نے اصرار کیا۔ آخر کار رضامندی ظاہر کر دی۔ جاتے وقت اس نے اپنا پتہ نوٹ کرایا اور کہنے لگا۔ کہ میں اس وقت ایک اور الجھن میں گرفتار ہوں۔ رات کسی شخص نے میری جیب کاٹ لی اور اب میرے پاس واپسی کا کرایہ بھی نہیں مرحوم نے اسے پچاس روپے دیئے اور منی آرڈر کے ذریعہ رقم واپس کرنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ وہاں سے اس نے خط لکھا کہ آپ کی رقم یہیں مجلس کے بعد ادا کر دی جائے گی۔ والد مرحوم گرمی میں وہاں

تشریف لے گئے۔ مجلس پڑھی اور اس کے ساتھ اسٹیشن پر آ گئے۔ اس نے والد مرحوم سے کہا کہ آپ سیکنڈ کلاس میں تشریف رکھیں۔ میں ٹکٹ لے کر آتا ہوں۔ آخری منٹ تک اس کا انتظار رہا۔ لیکن اس نے خبر نہ لی۔ اور غائب ہو گیا۔ والد مرحوم کے پاس ٹکٹ کے پیسے نہ تھے۔ اتفاقاً اسٹیشن ماسٹر غلام حسین صاحب نے پہچان لیا۔ اور انہوں نے روپیہ قرض دیا۔ جسے والد مرحوم نے لاہور آ کر واپس کیا۔

اسی طرح کے سینکڑوں واقعات ہیں۔ جن کا تذکرہ نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

خانکانہ صاحب میں ہماری کچھ زمین بھی ہے۔ جسے اب ہم نے بیچ کر مرحوم کے علاج معالجے پر خرچ کیا۔ والد مرحوم بہت خوش تھے کہ اس زمین کی کاشت سے ہمیں یک گونہ آرام ملے گا۔ لیکن جب پہلی رقم لینے کے لئے ہم لوگ والد محترم کے ہمراہ زمین پر گئے تو منشی زیورات کی ایک گٹھڑی لئے ہوئے آیا اور کہنے لگا کہ بعض مخصوص حالات کی وجہ سے ہم نے آپ کی رقم خرچ کر دی۔ اب ہم اس رقم کے عوض یہ زیورات لائے ہیں۔ آپ انہیں قبول فرمالیں۔ والد مرحوم نے اس کی طرف دیکھا۔ اور سیدھے گھر واپس آ گئے۔ اکثر اس محرومی پر فخر کرتے تھے۔

والد مرحوم ملنگوں سے دور رہتے تھے۔ ان کی محفلوں میں جانے سے اجتناب تھا۔ لیکن اگر کوئی ملنگ آ جاتا اور سوال کرتا تو حتی الامکان اس کے سوال کو رد نہ فرماتے تھے۔

ایک بار ایک ملنگ گھر پر آ گیا۔ اور والد مرحوم سے کچھ رقم طلب کرنے لگا۔ گھر میں ایک پیسہ نہ تھا۔ اس کا تقاضا شدید سے شدید تر ہوتا گیا۔ آخر میں والد مرحوم نے اس سے التجا کی کہ وہ پھر آ جائے۔ اس وقت مجبوری ہے۔ اس بات پر وہ ملنگ بپھر گیا۔ اور کہنے لگا کہ:۔

"تمہیں کس نے عالم دین بنا دیا ہے"

والد محترم اٹھے ہمارے ہاتھوں ایک شخص کے یہاں سے پچاس روپے منگائے اور اس کے ہاتھ میں یہ رقم دے کر اسے رخصت کیا۔

لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اللہ کی عنایت اور تائید غیبی ہمیشہ شامل حال رہی۔ ہمیں یہ علم نہیں کہ کہاں کہاں سے رقوم والد مرحوم کے پاس آتی تھیں ایک صاحب نے والد صاحب کو ایک خط لکھا جس میں تحریر تھا کہ میں سال میں چند مجلسیں کرتا ہوں۔ علماء اور ذاکرین بڑی بڑی رقمیں مانگتے ہیں۔ میں بے حد غریب ہوں ادائیگی کی ہمت نہیں رکھتا۔ سب نے مجلس پڑھنے سے انکار کر دیا ہے۔ اب آپ کو تحریر کر رہا ہوں۔ اگر آپ مجھ غریب کی مجلس پڑھ دیں تو بیحد ممنون ہوں گا۔ والد مرحوم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کو اپنے آنے کی اطلاع دی۔ اور وقت معینہ پر پہنچ گئے۔ تھوڑے سے لوگ تھے مجلس بڑی کامیاب رہی۔ واپس ہوتے ہوئے اس نے ان کے جیب میں ایک لفافہ کرایہ کہہ کر ڈال دیا۔ والد مرحوم نے واپس کرنا چاہا۔ لیکن اس نے یہ کہہ کر لفافہ

لینے سے انکار کیا کہ یہ فقط کرایہ ہے۔ لاہور آکر جب لفافہ کھولا تو اس میں دو ہزار روپے تھے۔ اور ایک خط میں یہ تحریر تھا، کہ میں ایک بڑا زمیندار ہوں۔ فقط آپ کو آزما رہا تھا۔

اسی طرح سینکڑوں افراد ایسے تھے۔ جو کسی نہ کسی بہانے سے ان کی امداد فرماتے تھے۔ ایک بار سیٹھ حبیب نے یہ خط لکھا کہ آپ کراچی فوراً آئیے تاکہ فلاں امام کی وفات پر مجلس پڑھ سکیں۔ والد مرحوم نے غور کیا۔ تو ان امام کی تاریخ وفات کسی اور مہینے میں تھی۔ بہرحال کراچی جاکر ان سے کہا کہ امام کی وفات تو کسی اور مہینے میں ہے۔ انہوں نے مجلس پڑھنے کی تمنا ظاہر کی۔ جب واپس آنے لگے تو انہوں نے ایک کثیر رقم ان کے حوالے کی۔

جس طرح ہمیں ان کی آمدنی کا علم نہ تھا۔ اسی طرح ان کے ذاتی اخراجات کا بھی علم نہ تھا۔ جو واقعات ہمارے سامنے رونما ہوئے تھے فقط وہی ہماری نظروں کے سامنے ہیں۔ ورنہ ایسے کئی واقعات ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کسی قسم کی رقم اپنے پاس نہ رکھتے تھے۔

ایک بار ایک شخص آیا۔ والد مرحوم نے گھر سے نکل کر اس کا استقبال کیا۔ گھر میں لائے۔ بٹھایا کھانا کھلایا۔ کافی دیر کے بعد اسے رخصت کیا جانے سے قبل پانچ سو روپے دیئے اور پانچ جوڑے کپڑے دیئے۔ اتنے میں ہمارے بہنوئی صاحب تشریف لائے ان سے پانچ سو روپے کی امداد کرائی۔ ایک اور صاحب سے پانچ سو روپے لے کر انہیں معذرت کے ساتھ رخصت کیا۔ جب ہم نے اس خاص عنایت کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ وہ شخص تھا جس کے دروازے پر ہاتھی جھومتے تھے۔ آج یہ غربت کے عالم میں مجھ سے امداد کا طالب ہوا تھا۔

والد مرحوم کو زیارات اور حج کرنے کی لگن تھی مارشل لا سے قبل ایک اعلیٰ عہدہ دار نے ان سے کوئی خواہش ظاہر کرنے کی تمنا کی والد مرحوم نے کہا کہ اگر آپ زیارت قبر حسین کے لئے کچھ کر سکیں تو آپ کی سب سے بڑی عنایت ہوگی۔ وہ اپنے لئے کسی سے کچھ نہ لیتے بعض حضرات عام ملاؤں کو دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں۔ کہ والد مرحوم بھی عقد نکاح اور نماز میت وغیرہ کے لئے پیسے طلب کرتے تھے۔ جہاں تک ہمیں یاد ہے کبھی کوئی موقع ایسا نہیں آیا کہ انہوں نے کسی کا نکاح پڑھا ہو اور پیسے لیا ہو۔ بعض حضرات چھوٹی بڑی رقمیں پیش کرتے تھے۔ لیکن بہ امر مجبوری اگر لے بھی لیتے تھے۔ تو فوراً اپنی طرف سے دلہن کو پیش کر دیتے ہیں لوگ بھی پیش کر کے آخر وہ رقم لے لیتے تھے۔ اسی طرح اکثر جاننے والوں کا انتقال ہو جاتا تو ان کے دفن کفن میں شریک ہوتے نماز میت پڑھاتے پھر گھر واپس آتے۔ شادی میں شرکت کرتے لیکن، باجوں سے نفرت کرتے تھے۔ خود اپنی لڑکی اور لڑکوں کی شادیاں کیں لیکن اس قسم کے لہو و لعب سے اجتناب کیا۔ شادی کے موقع پر بھی سادہ لباس زیب تن کرتے تھے۔ ایک بار نکاح کے موقع پر

قائدِ ملّت سید محمد صاحب دہلوی نے اپنی عبا پہنا دی۔ اسے کافی دیر تک پہنے رہے۔

والد مرحوم کسی کو دکھی نہ دیکھ سکتے تھے کسی غریب کو دیکھ کر ان کا دل دُکھی ہو جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ اپنا دکھ درد لے کر آجاتے تھے۔ اور ان سے اس کا مداوا چاہتے تھے۔ اس وقت سینکڑوں حضرات ایسے ہیں، جو والد مرحوم کی سفارشوں سے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔

سفارشوں کے سلسلے میں لوگ انہیں بے حد پریشان کرتے تھے۔ جب کبھی کسی کے ساتھ ناانصافی ہوتے دیکھتے تھے بے چین ہو جاتے تھے۔ کسی دفتر میں ایک اعلیٰ افسر نے اپنے ماتحت ایک شیعہ افسر کے ساتھ ناانصافی کی، جس کی وجہ سے اس کی (Seniority) پر اثر پڑا۔ والد محترم نے اس اعلیٰ افسر سے ملاقات کر کے تمام کوائف اسے بتائے اور انصاف کی اپیل کی۔ لیکن اس نے تعصب کی بنا پر اپنے احکام واپس نہ لئے۔ اور ایک جونیئر کو سینیئر گریڈ دے دیا۔ والد محترم نے اس سلسلے میں گورنر سے ملاقات کی اور اس اعلیٰ آفیسر کی شکایت کی۔ چنانچہ فائل منگائی گئی۔ اور حق دار کو اس کا حق دلوایا۔ وہ حضرت جن کے ساتھ والد محترم نے اتنا کچھ کیا تھا۔ پھر دکھائی نہ دیئے۔

سفارشوں کی بھرمار کی وجہ سے آپ نے اپنے گھر پر ایک تختی لٹکا دی تھی، جس پر مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہوتی تھی۔

براہِ کرم کسی قسم کی سفارش کی خواہش کر کے مجھے اور اپنے آپ کو شرمندہ نہ کریں۔

اس کے باوجود لوگ باز آتے تھے۔ نہ یہ سفارش کرنے سے گریز کرتے تھے۔

افسوس اس بات کا ہے کہ باوجود اتنی شناسائی کے انہوں نے اپنے اور اپنی اولاد کے لئے کوئی سفارش نہ کی۔ غالباً ۵۷ء میں حکومت پاکستان کے ایک اعلیٰ منصب دار نے ان سے خواہش کی۔ کہ آپ اپنی کسی خواہش کا اظہار کریں۔ والد محترم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں زیارات کے لئے جانا چاہتا ہوں چنانچہ اسی سال انہوں نے زیارات کیں۔ مارشل لاء کے دور میں ایک اعلیٰ عہدہ دار والد صاحب کے پاس آکر کہنے لگے کہ آپ فلاں شخص کی تعریف کر دیں تو آپ کو ایک منصب جلیلہ سے سرفراز کیا جا سکتا ہے۔ لیکن انہوں نے اس منصب کے لینے سے انکار کیا۔ بعد میں وہی اعلیٰ منصب خود ان کی ٹھوکروں میں آگیا۔

والدِ مرحوم کے ساتھ کراچی میں کئی ایسے واقعات پیش آئے جس کی وجہ سے انہیں لاہور سے عشق سا ہو گیا تھا۔ ایک صاحب والد مرحوم کے گہرے دوست تھے اور اپنے گھر پر والد مرحوم ہی سے مجلس پڑھوایا کرتے تھے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی چاہتے تھے۔ کہ اس علاقے میں والد مرحوم اور کہیں نہ پڑھیں اتفاقاً والد محترم نے کسی اور صاحب سے وعدہ

کر لیا۔ اس بات پر وہ صاحب والد مرحوم سے ناخوش ہو گئے۔ اور ایک دن کھانے میں کچھ ملا کر کھلا دیا جس کی وجہ سے وہ دس منٹ سے زیادہ مجلس نہ پڑھ سکے۔

ان کی بیماری کے حالات لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ہم نے دنیا ان کی بیماری کے زمانے میں دیکھی۔ جو حضرات ان کا نام جپتے رہتے تھے۔ بیماری کے بعد پھر دکھائی نہ دئے۔ جو لوگ ان کی صورت دیکھنا ثواب دارین سمجھتے تھے۔ انہیں بیماری کے بعد حافظ صاحب کا ایک دن بھی خیال نہ آیا۔ جو ان کی زندگی میں اپنا مال و زر نچھاور کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ اس بیچارگی کے عالم میں رفو چکر ہو گئے۔ جو اپنے کو حافظ صاحب کا شاگرد کہا کرتے تھے۔ اور ان سے اکثر علم حاصل کرتے تھے۔ بیماری کے بعد خود علامہ دوراں بن بیٹھے۔ ۱۹۶۴ء میں ان پر کراچی میں فالج گرا اور ۶۸ تک وہ صاحب فراش رہے۔

اس عرصے میں بعض حضرات نے ایسی ایسی قربانیاں دی ہیں۔ کہ ہم ان کے احسان مند ہیں۔ ڈاکٹروں میں کرنل جمیعہ، ڈاکٹر یحییٰ خاں بوہرہ، کرنل قاضی، کرنل امیر الدین چودھری رشید، ڈاکٹر اختر، میجر فضل الرحمٰن، ڈاکٹر الطاف، ڈاکٹر لقمان اور ڈاکٹر بہادر علی شاہ۔ ان حضرات نے شب و روز ایک کر دیا تاکہ یہ ہستی تھوڑے ہی دن اور زندہ رہ سکے۔ لیکن خدا کی مصلحت کے آگے کوئی دم نہیں مار سکتا لاہور اور کراچی کے اکثر امرا اور رؤسا آتے رہتے تھے جن کے ہم شکر گزار ہیں۔

ہم خاص طور پر نواب مظفر علی خاں قزلباش صاحب کے ممنون احسان ہیں۔ جو والد مرحوم کو دیکھنے آیا کرتے تھے۔ کبھی وزیر صحت کبھی ڈائرکٹر ہیلتھ سروسز اور کبھی سیکرٹری ہیلتھ کو فون کرتے اور یہ تمام ہستیاں والد مرحوم کا خاص خیال رکھتی تھیں۔ نواب صاحب نے والد مرحوم کے لئے کربلا گامے شاہ میں قبر کی زمین دے کر ہم پر ایسا احسان کیا ہے۔ کہ ہمارے سر تا قیامت جھکے رہیں گے۔

بہت سے ایسے حضرات ہیں جن کی خدمتیں والد صاحب مرحوم کے ساتھ وابستہ تھیں۔ والد مرحوم بھی ان سے بیحد خوش رہتے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جو والد محترم کے سرہانے ۲۴، ۱۲ گھنٹے کھڑے ہو کر ڈیوٹی دیتے تھے۔ شیخ منظور اور شیخ عاشق حسین صاحبان کے احسانات ہماری سر آنکھوں پر انہیں اللہ جزائے خیر دے۔

ہم فرداً فرداً ہر شخص کے ممنون ہیں خواہ ان کے نام اس تعجیلی مضمون میں آئے ہوں یا نہ آئے ہوں۔ والسلام۔

روئیداد مغربی پاکستان اسمبلی

لاہور ۹ مئی ۱۹۶۸ء کا یہ اسمبلی علامہ حافظ کفایت حسین صاحب کی وفات حسرت آیات پر دلی رنج و غم کا اظہار کرتی ہے اور دعا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں ممتاز جگہ عطا فرمائے۔ اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل۔

نیض محمد گوہر جعفری

بحرِ بیکراں

(بیادِ علّامہ حافظ کفایت حسینؒ صاحب مرحوم)

عالمِ خالقِ بیاں نہ رہا — عارفِ سرِّ کُن فکاں نہ رہا
ہو گئی بزمِ آگہی سُونی — فلسفہ کا مزاجداں نہ رہا
علم جس کے جلو میں چلتا تھا — ہائے وہ میرِ کارواں نہ رہا
اب کہاں لذتِ زباں و بیاں — نطق کا بحرِ بیکراں نہ رہا
جس کو روتے ہیں منبر و محراب — ماتمِ شہؑ کا نوحہ خواں نہ رہا
صلح کل، امن و آشتی کا نقیب — ارضِ عظمت کا آسماں نہ رہا
ناشرِ شرع، حافظِ قرآن — گلشنِ دیں کا باغباں نہ رہا
تھی مکیں جس میں الفتِ حیدرؑ — رونقِ عرش، وہ مکاں نہ رہا
جو خطابت میں تھا عدیم المثل — وہ زمانے میں حق بیاں نہ رہا
جو جیا بن کے سنگِ میلِ حیات — وہ شریعت کا پاسباں نہ رہا
جہل کے کفرزا اندھیروں میں — چمکا جو، مثلِ کہکشاں نہ رہا
رونقِ محفلِ عزا ہوئی کم — فاضلِ طوطیٔ بیاں نہ رہا
اُٹھ گیا سرپرست اُردو کا — یعنیٔ سرمایۂ زباں نہ رہا
مولانا حافظ کفایت حسینؒ — ہائے اب اپنے درمیاں نہ رہا

گوہر گنج دانش و بینش
مایۂ ناز، نکتہ داں نہ رہا

www.khwajalateefansari.com

قطعۂ تاریخ وفات حسرت آیات

علّامہ حافظ کفایت حسین مغفور

(محمد قاسم ذاکر)

موت لازم ہے زندگی کے لئے — یہ مشیّت کا ہے اٹل دستور!
موت ہی رہگزار ہے اس کی — زیست کہتے ہیں جس کو اہلِ شعور
اُف کفایت حسین کے غم میں — اہلِ ایماں ہیں مضطر و رنجور
فرطِ رنج و ملال فرقت سے — قوم کے دل میں پڑ گیا ناسور
ذاکرِ اہلِ بیتؑ، عالم دیں! — بندۂ خوش، نہادِ رب غفور
عابد و زاہد و حکیم و فقیہ — عالم و عارف و حلیم و غیور
رہرو شاہراہ مرضیِ حق — جادہ فسق و شر سے کوسوں دور
حامل صبر و ضبط و صدق و صفا — صاحبِ درک و فہم و عقل و شعور
فکرِ حُبِّ نبیؐ سے نور آگیں — ذکر، اعجاز علم سے بھرپور
ذکر، سوز و گداز سے مملو — فکر ایقان کے نور سے پرنور
وہ رقیبوں کے شہر میں معروف — وہ رفیقوں کے شہر میں مشہور
خوشۂ چین، شدّتِ الم سے نڈھال — عیب جو فرطِ رنج و غم سے چور

فکرِ تاریخ جب ہوئی ذاکرؔ
دل پکارا کہ بندۂ مغفور[1]

۱۳۸۸ھ

---

[1] میرے نزدیک ہمزہ جائز ہے۔

۷۸۶/۲۰۲

سید فدا حسین فداؔ بخاری

مغفورِ نبیؐ

۶۲ + ۱۳۲۶

۱۳۸۸ ہجری

از فدائے اہلِ بیتِ رسول اللہ فدا حسینؑ فداؔ بخاری

۸ + ۹۵ + ۳۶ + ۴۱۲ + ۲۹۶ + ۶۶ + ۸۵ + ۱۲۸ + ۸۵ + ۸۱۳

۲۰۲۴ بکرمی

صاحبِ ایقان کفایت حسین
مردِ مسلمان ، کفایت حسین
حافظ و محفوظ و حالت پناہ حاملِ قرآن ، کفایت حسین
متقی و عابد و دیندارِ وقت موعظہ کی جان ، کفایت حسین
مردِ مرنجان و مرنج ، اے دریغ عالم ذیشان ، کفایت حسین
منبعِ تحقیق و ثبوت و دلیل مصدرِ برہان ، کفایت حسین
بوذرؓ و معدادؓ کا عکسِ جمیل ثانیِ سلمانؓ ، کفایت حسین
قولِ متیں فعل میں سنجیدہ تر عدل کی میزان کفایت حسین
ہاتھ میں تھامے علمِ اتحاد دیں کا نگہبان کفایت حسین
سب کے لئے دامنِ حُبّ و خلوص ایک ہی انسان کفایت حسین
سب کو سبق جس کی سلامت روی حُسن بہ احسان ، کفایت حسین

سالِ وصال آہ فداؔ ! کیا لکھوں
چشمہ عرفان ، کفایت حسین

۱۳۸۸ ہجری

www.khwajalateefansari.com

ممتاز مانبوی

قطعہ تاریخ وفات

جناب علامہ حافظ کفایت حسین صاحب مرحوم

حرفِ فضا سے مشتق عالم کی موت ہے
مفہومِ مرگِ مطلق عالم کی موت ہے
ممتاز نے لکھی یوں تاریخ موت کی
عالم کی موت الحق عالم کی موت ہے

۱۴۱ + ۳۰ + ۴۴۶ + ۱۳۹ + ۱۴۱ + ۳۰ + ۴۴۶ + ۱۵ = ۱۳۸۸ھ

دیگر

سچ پوچھئے تو موت کفایت حسینؑ کی
اک رہنمائے ملت بیضا کی موت ہے
گلزارِ عالم کے کسی گلچیں سے پوچھئے
یہ موت کس نہالِ تمنا کی موت ہے
موجِ نسیمِ عطرِ بدا ماں سے پوچھئے
یہ موت کس گلِ چمن آرا کی موت ہے
اربابِ علم و دانش دوراں سے پوچھئے
یہ موت کس دیار کے دارا کی موت ہے
امراضِ باطنی کے مریضوں سے پوچھئے
یہ موت کس جہاں کے مسیحا کی موت ہے
آلِ نبیؐ کے حلقہ بگوشوں سے پوچھئے
یہ کس محبِّ عترتِ طٰہٰ کی موت ہے
گلہائے صحنِ گلشن ایماں سے پوچھئے
کس عندلیبِ یثرب و بطحا کی موت ہے
ہجرت کے سال میں ہے یہ تاریخِ ارتحال
فردِ زعیم بزمِ تولا کی موت ہے

۱۵ + ۴۴۶ + ۳۰ + ۴۳۷ + ۴۹ + ۱۲۷ + ۲۸۴ = ۱۳۸۸ھ

ممتاز سالِ عیسوی بھی لکھ یہ برمحل
عبدِ مسیح ملتِ بیضا کی موت ہے

۱۵ + ۴۴۶ + ۳۰ + ۸۱۳ + ۴۷۰ + ۱۱۸ + ۷۶ = ۱۹۶۸ء

سید ظہور حیدر رضوی السبزواری
ظہور جارچوی

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

تاریخ وفات جناب علامہ حافظ کفایت حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حافظ قرآن بھی گیا

۹۸۹ ۳۵۱ ۱۷ ۳۱

۱۳۸۸ ھ

سوز خواں ہوں نہ ثنا خواں ہوں نہ شاعر ہوں میں
ذاکرِ عترتِ اطہار کا ذاکر ہوں میں

دل پریشان ہے، آواز گلوگیر ہے آج
آہِ سوزاں، غمِ جانکاہ کی تفسیر ہے آج

کسی محکوم نہ حاکم کے لئے روتا ہوں
طالبِ علم ہوں، عالم کے لئے روتا ہوں

اس کو روتا ہوں جو اخلاق سکھاتا تھا مجھے
اس کو روتا ہوں جو رو رو کے رلاتا تھا مجھے

اس کو روتا ہوں جو انسان تھا انسانوں میں
اس کو روتا ہوں حقیقت ہے جو افسانوں میں

اس کو روتا ہوں جو محبوب تھا دینداروں کو
اس کو روتا ہوں جو دہکا گیا انگاروں کو

اس کو روتا ہوں بہاتا تھا جو دریائے علوم
اس کو روتا ہوں جو عالم ذرات و نجوم

اس کو روتا ہوں جو اسلام پہ جاں دیتا تھا
اس کو روتا ہوں جو دشنام بھی سہہ لیتا تھا

اس کو روتا ہوں غریبوں کے جو کام آتا تھا
اس کو روتا ہوں جو اللہ کے گھر جاتا تھا

اس کو روتا ہوں جو بیمار ہوا ہے میں
علم کی موت سے بے یار ہوا ہے میں

اس کو روتا ہوں جو بیمار رہا پانچ برس
اس زمانے سے جو بیزار رہا پانچ برس

چھوڑ بیٹھے تھے بُرے وقت میں ساتھی جس کو
کس مپرسی کی شکایت بھی نہ تھی جس کو

جس کو اللہ نے بخشا تھا خطابت کا تاج
بادشاہانہ عروج اور فقیرانہ مزاج

قوم سمجھے ہوئے تھی اپنا محافظ جس کو
سجتا تھا خلعتِ علامہ و حافظ جس کو

تھا جو ہر مدرسۂ فکر میں یکساں مقبول
تھا کفایت کا لقب بلبلِ گلزارِ رسول

غیر کا دل نہ دکھاتا تھا تکلم جس کا
ساحلِ قلزمِ عرفاں تھا تبسم جس کا

رہنما پر لاتا تھا جو قافلہ سالاروں کو
گل کے اوصاف عطا کرتا تھا جو خاروں کو

لکھتے ہیں اہلِ قلم جس کے فسانے یکساں
رو رہے ہیں جسے غیر اور یگانے یکساں

جس کی توقیر سوا ہو گئی مرنے کے بعد
جس کو دل پوجتے ہیں قبر میں دھرنے کے بعد

تھی شبِ جمعہ، محرم کی چھٹی کالی رات
گل ہوئی عاشقِ تبتیر کی جب شمعِ حیات

غم شبیر کی ضو تھا غم تازہ اس کا
لاکھوں افراد اٹھائے تھے جنازہ اس کا

اس کے تابوت پہ برسات رہی پھولوں کی
ہوئے حافظ پہ فدا بات رہی پھولوں کی

اس کا ثانی کوئی لاہور میں اب کیا ہوگا
ایسا عالم کوئی اس دور میں اب کیا ہوگا

ہو گیا شیشۂ دل سنگ محبت سے چور
اب سماعت کی نہیں تاب ہو خاموش ظہور

تھا جو انسانوں میں انسان وہ انسان بھی گیا
کہو تاریخ کہو حافظِ قرآں بھی گیا

۹۸۹ ۳۵۱ ۱۷ ۳۱

۱۳۸۸ھ

تاریخ وفات علامہ حافظ کفایت حسین اعلی اللہ مقامہ

نتیجۂ فکر:- سید قربان نظامی صاحب

تدبر تفکر پہ چھائی سیاہی — گیا آہ وہ گنجِ علمِ الٰہی
ہوئی موت عالم جو ہے موتِ عالم — جناب کفایت "فضیلت پناہی"

۱۳۸۸ھ

نتیجۂ فکر:- جناب صفدر گنوری

چشمۂ عرفان کفایت حسین — صاحبِ عزت کفایت حسین

۱۳۸۸ھ — ۱۳۸۸ھ

جناب شائق زیدی

رئیس الحفاظ

دوستو! کس کا جنازہ ہے علم کے ہمراہ؟
کون مجلس سے اُٹھا جاہ حشم کے ہمراہ؟

تذکرے جس غمِ عرفاں کے کیا کرتا تھا
جا رہا ہے سوئے تربت اُسی غم کے ہمراہ

خلق روتی چلی جاتی ہے بڑا مجمع ہے
ایسا مجمع ہے کہ دیکھا گیا کم کے ہمراہ

سامعین جا رہے ہیں کاندھوں پہ نہ لے کر
کارواں نطق مضامین کا ہے دم کے ہمراہ

ہائے رخصت ہوا دنیا سے رئیس الحفاظ
آیتیں پڑھتا چلا شاہ اُمم کے ہمراہ

دل چلا گرد حسینؑ ابن علیؑ کے پیچھے
سر چلا حیدرؑ صفدر کے قدم کے ہمراہ

بے چلیں فاطمہؑ اشکوں میں بجھا کر پلکیں
رنگ رخسار چلا سبز علم کے ہمراہ

چلیں مشکیزہ دل لپکے سکینہؑ بی بی
عرقِ رخ چلا سقائے حرمؑ کے ہمراہ

پتلیاں پھر گئیں بالیں پہ جب اکبرؑ آئے
پیالے مٹی کے چلے ساغر جم کے ہمراہ

بڑھ کے گویاں نے چومے علی اصغرؑ کے قدم
گویا پلکیں چلیں آہوئے حرم کے ہمراہ

جھریاں سوئے تبسم کو آ گئے جنت سے حبیبؐ
تیغ ابرو کھینچی مژگان کی حجم کے ہمراہ

وہ بہ سرعت ملک الموت کے ہمراہ چلا
گویا قرآن چلا زید رقم کے ہمراہ

ختم مجلس ہوئی دل تھام کے اُٹھے احباب
اب کہاں قافلۂ علم کرم کے ہمراہ

دلِ اغیار میں ممدوح اُتر جاتے تھے!
ہائے کیا مدح کی آمد تھی قسم کے ہمراہ

وہ مضامیں کہاں اب گردِ مضامیں بھی نہیں
لے گیا فلسفۂ عشق وہ دم کے ہمراہ

کچھ نہ کچھ بات نئی بزم میں کہہ جاتا تھا
وارد حال جو ہوتا تھا قدم کے ہمراہ

یاد آتے ہیں مجالس میں اب اُس کے نکتے!!
کاش آ جاتے ورق تک بھی قلم کے ہمراہ

آ گیا عالم بالا سے پیام مجلس
خلقِ منبر چلا خوشبوئے ارم کے ہمراہ

باندھے سر پر مضامیں پہ عمامے لیکن
پیچ دستار نہ سر ہو سکے خم کے ہمراہ

تر کئے اُس نے مصائب سے جو لاکھوں رومال
وہ بھی نکلیں گے قیامت میں علم کے ہمراہ

اُس کی تربت کے قریب بہہ رہا ہے آبِ حیات
کہاں جاتا ہے۔ وہ آزاد عدم کے ہمراہ!

ایک مدت سے جو تھا شہر میں بیگانۂ ہوش
شہر خوباں سے چلا کیسے بھرم کے ہمراہ

اب کہاں ملتا ہے شائق وہ بہت دور گیا
منزلیں قطع کئے جاؤ قلم کے ہمراہ

www.khwajalateefansari.com

نتیجۂ فکر :- سیّد افسر عباس زیدی ایم اے۔

آہ! حافظ کفایت حسین

وہ مردِ عاقل و بالغ نظر فدائے حسینؑ
مبلغ نظریاتِ سرورِ کونین

تصوراتِ رسالت کا شارح اعظم
تخیلاتِ امامت کا عالم و اعلم

کلامِ مصطفوی کی صداقتوں کا امین
حق آشنائے شہنشاہِ آسمان و زمینؐ

مقدماتِ علوم و فنون کا ماہر!
اصولِ دینِ محمدؐ کا حافظ و ناصر

شریعتِ نبوی کے نفاذ کا حامی
مزاجِ دانِ قوانینِ فقہ اسلامی

مراتبِ علوی کے شعور کا حامل
حسینیت کے مقاصد کا عارف کامل

علومِ آلِ محمدؐ کا جاننے والا
حقیقتوں کو بلا فصل ماننے والا

جہاں سے رختِ سفر باندھ کے سدھار گیا
اور اپنے ساتھ لئے علم کا وقار گیا

نگاہِ شوق میں وہ شانِ انجمن نہ رہی
گیا جو پھول تو پھر رونقِ چمن نہ رہی

جو معتقد تھے انہیں محویاس چھوڑ گیا
تمام اہلِ نظر کو اداس چھوڑ گیا

سن آج اے میرے معبود التجا میری
بصد خلوص ہے تجھ سے یہی دعا میری

وہ باغِ خلد میں ہم صحبت امام رہے
اور اس کا نزد رسولِ خدا قیام رہے

نتیجۂ فکر : مظہر جعفری

نذرِ عقیدت در خدمت علامہ حافظ کفایت حسین صاحب اعلی اللہ مقامہٗ

حافظِ آئینِ محکم ، ناشرِ دینِ نبیؐ
کس نے جانی ، کس نے پہچانی ہے منزل آپ کی

منزلِ خورشید سے آگے تھی منزل آپ کی
اوجِ منقولات بھی تھے ، اوجِ معقولات بھی

کچھ عطائے خاص تھی ، کچھ امتحان منظور تھا
ورنہ ہو سکتے تھے افلاس و عوارض مقتضی

اتحادِ باہمیٔ ملک و ملّت کے لئے
جو نہ سہنی چاہیئے تھی وہ مصیبت بھی سہی

مَیں نے کیا مانی ہے ، مانی ہے مسلّم قوم نے
حافظانِ عصرِ حاضر میں سیادت آپ کی

اللہ اللہ نیکیاں شبیرؑ و شبّرؑ سے ملیں
شہرِ علم رب سے پایا علم کا تاج شہی

آپ نے دُنیائے مذہب میں جلایا وہ چراغ
دہر میں تا حشر جو کرتا رہے گا روشنی

از پئے تخلیص دینِ حق دیا ، جو آپ نے
ہم بھلا سکتے نہیں وہ درسِ علم و آگہی

یہ شرف تھا سایۂ دامانِ معصومین کا
ورنہ ہوتا کون رشکِ مولوئ معنوی

آپ بے اطوارِ عالی ، آپ کی ذاتِ نفیس
آتے ہیں دُنیا میں ایسے لوگ بھی لیکن کبھی

آپ کی ایک ایک جنبش ، آپ کی ایک ایک بات
تھی محبّت ہی محبّت ، دوستی ہی دوستی

آپ کے جانے سے جو محسوس کرتی ہے حیات
دیکھئے ہوتا بھی ہے پر یہ خلائے زندگی

دادِ جامع آپ کو دیں ، سچ یہ ہے ممکن نہیں
جز خدا و مصطفیٰؐ ، حسنینؑ و زہراؑ و علیؑ

قلبِ مظہر جانتا ہے دولتِ پاکیزہ تر
ہے دلِ و فردوس کی حافظ کفایت آپ کی

۱۹۶۸ء

رفیق رضوی

حضرتِ حافظ

ٹپک پڑتے ہیں آنسو غم میں ٹپکائے نہیں جاتے
بھڑک اُٹھتے ہیں شعلے آپ، بھڑکائے نہیں جاتے

تمہیں کیا علم اے اہلِ جہاں غمگین باتوں سے
تڑپ اٹھتے ہیں دل سینے میں، تڑپائے نہیں جاتے

کوئی بے وجہ مشہورِ زمانہ ہو نہیں سکتا
کسی کے لیے سببِ نیا میں گُن گائے نہیں جاتے

کہاں ہو حضرتِ حافظ کہاں ہو کچھ تو بتلاؤ
کسی صورت تمہاری یاد کے سائے نہیں جاتے

وہاں پر خاص محفل منعقد ہوگی جہاں تم ہو
تم ایسے لوگ ہر محفل میں بلوائے نہیں جاتے

نہ ہوتا منقصت کا اس میں گر پہلو تو میں کہتا
یہ وہ یوسفؑ تھے جو بازار میں پائے نہیں جاتے

کفایت سے حسینؑ ابنِ علیؑ کے چاہنے والے
چلے جاتے ہیں خود جنّت میں بُلوائے نہیں جاتے

ہیں یوں تو ذاکرِ شبیرؑ رضوی آج بھی لیکن
خطابت کے گُہر ہر اک سے برسائے نہیں جاتے

www.khwajalateefansari.com

ارشاد۔ کراچی
یکم مئی ۱۹۶۸ء

آہ! حافظ صاحب

مولانا سید جواد الاصغر نقوی

استادی المحترم جناب مولانا حافظ کفایت حسین صاحب قبلہ ایک طویل علالت کے بعد دنیائے علم و خطابت سے رخصت ہو کے خاکِ لاہور میں روپوش ہو گئے ہر انسان کسی نہ کسی تاریخ میں پیدا ہوتا ہے کسی خاندان میں پرورش پاتا ہے کچھ علم و ہنر سیکھتا ہے کچھ کارنامے انجام دیتا ہے۔ گم نام یا نام آور ہوتا ہے اور پھر قافلۂ فنا میں شامل ہو جاتا ہے۔ مگر کچھ انسان اس معمول سے مختلف ہوتے ہیں اور حافظ صاحب قبلہ انہیں غیر معمولی انسانوں میں سے تھے۔ انہوں نے اپنی شخصیت کا تاج محل خود تعمیر کیا۔ اپنی ذاتی کاوشوں سے اس کو نقش و نگار سے مزین کیا۔ اس کی شہرت بھی کسی کی سعی نشر و اشاعت کا نتیجہ نہ تھی البتہ ان کی ایک خطا تھی کہ وہ اس عہد میں زندہ رہے جب ان کی قوم یکایک علم و کمال کی بلندیوں سے جہل و ناقدری اور بے حسی کی پستیوں میں جا چکی تھی۔ حافظ صاحب نے اس وقت زندگی شروع کی جب قوم کے افق پر کئی سورج ضیا پاش تھے اور اس چکاچوند میں اپنے وجود کو تسلیم کرایا اور لاتعداد نظروں کی آماجگاہ بنے مگر جب وہ خود نصف النہار پر پہونچے تو علم و کمال کے یہ سورج تو غروب ہو ہی چکے تھے مگر دیکھنے والوں کی بینائی بھی کم ہو چکی تھی اور اس حد تک کہ چراغ اور چاند چنگاریاں اور ستارے اپنا فاصلہ اور اپنا امتیاز کھو چکے تھے وہ کم نگاہوں میں بینا تھے وہ پستہ قد افراد کے مجمع میں قد آور تھے مگر واہ واہ کے روایتی شور کے علاوہ جو ہر مقرر ہر ذاکر اور ہر نکما پھاڑنے والے کے گرد تھا اور کوئی امتیاز اور تمیز باقی نہ رہا تھا۔

حافظ صاحب نے منبر سے علوم و معارف کے دریا بہائے مگر ان کی دست نظر مطالعہ اور قلم سے فائدہ۔ اٹھانے کا ماحول ہی ختم ہو چکا تھا قوم کے پاس تقلید کا ان ہی رہ گئے تھے وہ ہر ایک کو منبر سے سننا چاہتی تھی کسی کو تحقیق و تصنیف میں نہ مصروف ہونے کی سہولتیں حاصل تھیں نہ اس کی محنت کے جوہری باقی تھے لہٰذا جب علالت نے ان کو منبر پہ جانے کی اجازت نہ دی تو وہ گھر جو صبح سے شام تک عقیدت مندوں سے بھرا رہتا تھا۔ ذہنوں سے فراموش ہو گیا۔

اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

حافظ صاحب ایک جید عالم تھے وہ حافظ کلام مجید ہونے کے ساتھ عالم تجوید و تفسیر و معارف قرآن تھے وہ خطابت کا بحر ذخار تھے وہ با عمل علماء کی روایت

کے مطابق انفرادی اور اجتماعی مسائل میں دست گیری اور سعی و جدوجہد بھی کرتے تھے۔ وہ قومی قائد بھی تھے وہ اردو فارسی عربی پشتو اور پنجابی زبانوں پر عبور رکھتے تھے وہ صف اول کے متناظر تھے وہ بے مثال مدرس تھے وہ زاہد و عابد تھے وہ حکیم و فلسفی تھے اور ان تمام کمالات کے باوجود سادگی اور اخلاق کا مجسمہ تھے اور اس حد تک کہ اچھے لباس اور کھانے سے بھی بے نیاز تھے اور یہ بے نیازی ان کے احترام میں اور اضافہ کر دیتی تھی ظاہری شان و شوکت تکلیف و تصنع صاحب، دربان ان کو درکار ہوتے ہیں جو اندر سے کھوکھلے ہوتے ہیں۔ اہل کمال کے لئے ان کا کمال ان کا حسن اخلاق ان کی غریب نوازی اور عوام سے قرب دلیل کمال اور محبوبیت و مقبولیت کا سبب ہوتا ہے۔

ابھی زمانوں میں حافظ صاحب کی زندگی تازہ ہے نہ ایسا ماضی نہیں ہیں جس کی تصویر کشی فقط الفاظ سے ہوتی ہے وہ حال کی شخصیت ہیں۔ جن کی تقریریں حافظے میں محفوظ ہیں۔ ان کی زندگی میں ہم نئی نسل کو اپنے قومی اقدار عظمت سمجھاتے ہوئے یہ کہہ سکتے تھے کہ

"حافظ صاحب کی زندگی کو دیکھو!"

مگر افسوس کہ اگلی نسل ایسا نمونہ پیش نہ کر سکے گی۔

ہمارے علماء اور واعظین نے ان کی فاتحہ خوانی کی کوئی مجلس بھی نہیں کی جب علماء اپنی صنف کا احترام خود نہ کریں تو پھر عوام سے کیوں شکوہ کریں کہ وہ کماحقہ احترام نہیں کرتے آج ابھی زمانوں کو وہ زمانہ یاد ہوگا کہ برصغیر ہندو پاک کے علماء و مشائخ ہی نہیں ہمیں کسی ملک میں کوئی دینی اور مذہبی شخصیت اٹھ جاتی تھی تو مراکز تشیع میں علماء فاتحہ خوانی کے اجتماعات منعقد فرماتے تھے آج بھی عراق و ایران وغیرہ میں یہ سلسلہ جاری ہے مگر ہمارے ملک میں یہ روایت کیوں ختم ہو گئی؟

ہونا تو یہ چاہیئے کہ حافظ صاحب کی یاد میں کوئی دینی والے حفظ قرآن کرنے والوں کو "نشان کفایت" عطا کرنے کے لئے کوئی وقف قائم کرے۔ دینی مدارس میں ان کے نام پر وظائف دیئے جائیں۔ ہر سال علماء و واعظین کی طرف سے ان کی فاتحہ خوانی کی مجالس منعقد ہوں۔ اگر ان کی تقریریں ریکارڈ کی ہوئی ہوں تو دینی مدارس کے اجتماعات میں وہ سنائی جائیں مگر آغاز کون کرے ہر ایک کو اپنے تفوق کے اہتمام سے کب فرصت ہے؟

بہر حال حافظ صاحب نے عملی اور علمی زندگی میں قدم قدم پر چراغ جلا کے چھوڑ دیئے ہیں اب اگر کوئی ان راہوں میں چلنا چاہے گا تو یہ چراغ اس کی مدد کریں گے اور دینی قائدین اور مبلغین مسلک آل محمد کا یہی کام ہے اور یہ سنت الٰہی کی تعلیم ہے کہ زبان، قلم اور عمل سے بلاغ مبین کا ابلاغ ہوتا رہے گا

حافظ صاحب نے دین مبین کی خدمت کی راہ میں سعی مسلسل کی جو مثال پیش کی ہے اس کی بدولت ان کو مبلغین حق کی اس صف میں شمولیت حاصل ہوئی ہے۔ جن کی شہرت عارضی اور وقتی نہیں ہوتی وہ تاجر نہ تھے معمار تھے وہ شعلہ مستعجل نہ تھے ستارہ تھے۔ وہ ساحر نہ تھے صاحب ہنر تھے۔ خدا ان کی روح پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے اور ہم کو ان کی سیرت اور کمال کی قدر دانی کی توفیق عطا

(باقی صفحہ ۸۳ پر)

چٹان لاہور

بُلبلِ بستانِ اہلبیتؑ

علامہ حافظ کفایت حسینؒ کوئی ایک سال سے فالج کے نرغہ میں ہیں۔ جب فالج نے حملہ کیا تو عقیدتمندوں کا حوصلہ ٹوٹ گیا۔ خبروں کا تانتا خوشگوار نہ تھا۔ لیکن فطرتِ صحیحہ نے صحت کاملہ کے برگ و بار پیدا کئے اعصاب الفاظ زبان پر آنے لگے ہیں۔

قد و قامت میر انیس کے مراثی کی طرح طویل البحر، چہرے نہرے پر شرافت و متانت کا ہالہ۔ بدن دہرا جب آتش جواں تھا تو ع

دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

اب علالت نے کچھ ایسا کر دیا ہے۔ کہ بوئے گل اُڑ چکی ہے نالۂ دل خاموش ہے۔ اور **دود چراغِ محفل** کو اس بلبل بستان اہلبیت کے سانچہ میں ڈھلا دیکھ کر وحشت ہوتی ہے۔

انسان کتنا عظیم ہے۔ انسان کتنا حقیر ہے۔ اس دور میں حافظ کفایت سے بڑا ذاکر پاکستان میں تو اور کوئی نہ تھا۔ وہ الفاظ کے طوطا مینا نہیں اڑاتے تھے۔ بلکہ الفاظ و مطالب ان کی کنیزیں تھے فصاحت ان کی لونڈی۔ بلاغت ان کی خانہ زاد۔ خطابت ہاتھ کی چھڑی، علم جیب کی گھڑی۔ گریہ ان کا ذوق بکا ان کا شوق۔ اہلبیت کے شیدا مذہب کے پکے۔ اخلاق کے سچے۔ سیرت کے کھرے۔ اچھوں کے لئے سراپا دعا۔ بروں کے لئے نالہ نارسا۔ گندی سازشوں سے بیگانہ۔ شیعہ بھائیوں کی ناقدری کا نشانہ کبھی ذکر و وعظ میں یگانہ تھے۔ اب گئے دنوں کا فسانہ ہو گئے ہیں۔

وہ لوگ بھی اُٹھ جائیں گے اِس بزمِ وفا سے ۱۴ دسمبر ۱۹۶۴ء
تم ڈھونڈنے نکلو گے اُنہیں پا نہ سکو گے

آہ حافظ صاحب
صـ ۸۲ سے آگے

کرے۔ حافظ صاحب کے پس ماندگان غم سے نڈھال ہوں گے مگر وہ اس عظیم انسان کے سوگوار ہیں جو صاحبِ فضل و کمال تھا اور عظمت کے حقیقی جوہر کا عرض تھا اور جس کے قائم کئے ہوئے نقوش اس کے پس ماندگان اس کے متعلقین اس کے شاگردوں اور اس کی قوم کے لئے۔ قابلِ فخر و مباہات ہیں اور جس کے احترام میں اجانب کے سر بھی احترام سے خم ہیں۔

ہم اس جاں کاہ غم میں اور اس علمی اور قومی نقصان عظیم میں اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ ؎

رضینا بقضائہ وتسلیما لامرہ

اسد لاہور ، ۱۸ اپریل ۱۹۶۸ء

آسمان علم و فضل اور خطابت کا آفتاب غروب ہوگیا

عندلیب چمنستان رسالت خاموش ہوگیا

رئیس الحفاظ علامہ حافظ کفایت حسین کا سفر آخرت

شب تاریک میں صبح درخشاں کے اجالے کا

لاہور ۹ اپریل۔ آج یہاں گنگا رام ہسپتال میں ۹ بجکر ۱۲ منٹ پر ممتاز شیعہ عالم حافظ کفایت حسین رحلت فرما گئے۔ حافظ صاحب کی موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی مرحوم کے قیام گاہ پر عقیدت مندوں اور سوگواروں کا تانتا بندھ گیا۔ ۵۔ اپریل ۱۰ بجے صبح حافظ صاحب کی قیام گاہ سے ان کا جنازہ اٹھا۔ جنازے کے دونوں طرف چودہ سیاہ علم لہرا رہے تھے۔ جنازہ نسبت روڈ۔ چیمبرلین روڈ۔ موچی دروازہ ڈبی بازار۔ کشمیری بازار۔ پاتی والا تالاب۔ ہیرا منڈی۔ بازار حکیماں بھاٹی دروازہ سے ہوتے ہوئے ۱½ بجے کربلا گامے شاہ میں پہنچا راستہ میں مکانوں کی چھتوں اور دکانوں کے تھڑوں پر مردوں اور عورتوں اور بچوں کا بے پناہ ہجوم تھا۔ جو اس مداح اہلبیت ذاکر شام غریباں کے جنازے کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے چین تھے۔ تمام راستے جنازہ پر پھولوں کی بارش ہوتی رہی مرد۔ عورتیں اور بچے بلک بلک کر رو رہے تھے۔ جب جنازہ میرا منڈی میں پہنچا تو انجمن خدامِ اہلبیت کی طرف سے پھولوں

جنازہ جا رہا ہے دوش پہ اللہ والے کا

کی چادر چڑھائی گئی۔ جب جنازہ کا جلوس امام باڑہ سیدہ مبارک بیگم کے قریب پہنچا۔ جہاں حافظ صاحب کم و بیش ربع صدی تک مجالس عزا پڑھتے رہے تھے۔ تو مستورات کے نالہ و شیون سے فضا گونج اٹھی۔ حافظ صاحب کی شایعت جنازہ رؤسا علماء۔ تجار، وکلا قومی و مذہبی کارکن صحافی غرض کہ ہر طبقہ اور مکتب فکر کے حضرات کر رہے تھے۔ ایسا معلوم تھا کہ پورا لاہور اپنے محبوب رہنما اور ذاکر سید الشہداء کو الوداع کہنے کے لئے امڈ آیا ہے۔ نہ صرف لاہور کے لوگ ہی شامل تھے۔ بلکہ سیالکوٹ گوجرانوالہ، گجرات، شیخوپورہ۔ ساہیوال۔ سرگودہا اور دیگر اضلاع کے مومنین بھر شریک تھے۔

علماء میں علامہ مفتی جعفر حسین مجتہد العصر رکن اسلامی مشاورتی کونسل، مولانا طیب آغا جزائری۔ مولانا سید نصیر حسین نقوی الاجتہادی۔ مولانا سید صفدر حسین نجفی، مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی، مولانا سید اکبر عباس زیدی۔ مولانا مظہر علی اظہر۔ مولانا سید جواد حسین کلیم عابدی۔ مولانا حافظ

سیّد ذوالفقار علی شاہ ۔ مولانا حشمت علی حیدر آباد ۔ مولانا سیّد ظفر حسین زیدی ۔ مولانا کوثر نیازی ۔ مولانا سیّد مرتضیٰ حسین نقوی خطیب مسجد خواجگان نارووالی شامل تھے ۔

اکابرِ اہلِ قومی کارکنوں میں نواب مظفر علی خاں قزلباش سیّد واجد علی شاہ ۔ سیّد امجد علی شاہ ۔ آغا سید شاہ زمان سید جمیل حسین رضوی سابق جج ہائیکورٹ ۔ سید ہادی علی شاہ بخاری ۔ حاجی شیخ محمد طفیل ایڈیشنل کمشنر، ڈاکٹر الطاف حسین ۔ صوفی محمد انور ۔ آغا سعادت علی ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ پولیس ۔ سید جبار حسین زیدی ایڈووکیٹ شیخوپورہ سید امام علی شاہ ایڈووکیٹ شیخوپورہ ۔ ماسٹر سید حشمت علی شیخوپورہ ۔ سید محمد علی زیدی ایڈووکیٹ ۔ ایم بلاغ حیدر ایڈووکیٹ، سید شوکت حسین رضوی ۔ ڈاکٹر سید ریاض علی شاہ ۔ سید فتح علی کاظمی ۔ سیّد اختر حسین شائق انبالوی مدیر اسد ۔ آغا شورش کاشمیری ایڈیٹر چٹان ۔ جعفر علی میر ایڈیٹر شہید، سیّد شفقت علی شاہ کاظمی، سیّد محمد رضا کاظمی ۔ سیّد غلام عباس بخاری قاری اظہر علی بخاری ۔ قادر علی رضوی بسٹر الطاف حسین ایڈووکیٹ حکیم محمد حسین جعفری ایڈووکیٹ ۔ سید ناصر علی گردیزی ۔ سعید علی ۔ آغا منظور حسین قزلباش ۔ سید جعفر حسین ۔ عمل محمد خواجہ حکیم سید محمد میاں زیدی اور ڈاکٹر سید مقصود حسین کاظمی شریک تھے ۔

مبصرین کا خیال ہے کہ اس سے قبل کسی عالم یا رئیس کے جنازہ میں اتنا ہجوم دیکھنے میں نہیں آیا کہ جتنا حافظ صاحب کے جنازے میں تھا ۔ یہ سب طفیل ہے ذکر سید الشہداء کا ۔ کربلا گامے شاہ کے وسیع میدان میں مجمع سما نہیں سکا ۔ دو مرتبہ نماز جنازہ ادا کی گئی ۔ پہلی مرتبہ مولانا سیّد مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی کی اقتدا میں اور دوسری مرتبہ مولانا سید تصیر حسین نقوی الاجتہادی کی اقتدا میں تقریباً ۲½ بجے مومنین نے اپنے محبوب راہنما اور ذاکر شہیر غریباں ۔ حافظ صاحب کو کربلا گامے شاہ میں اشک بار آنکھوں کے ساتھ سپردِ خاک کیا ۔ ؎

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

سات اپریل کو صبح رئیس الحفاظ کی مجلس سوم برپا ہوئی جس میں مولانا نذیر علی کمالیہ ۔ مولانا مرتضیٰ حسین ۔ مولانا حافظ سیّد ذوالفقار علی شاہ اور علامہ مفتی جعفر حسین نے فضائل اور مصائب اہلبیت بیان فرمائے ۔

دعا صحت

جملہ مومنین کی خدمت میں التماس ہے کہ تمام بیماروں کے لیے دردِ دل سے صحت و سلامتی کی دعا فرمائیں خصوصاً :-

(۱) مردِ مجاہد لاہور کے یادگار حسین ڈے کے بانی جناب علی احمد صاحب جعفری مدظلہ

(۲) مقدس بزرگوں کی یادگار محترم آئمہ مقدر حسین صاحب متولی امام بارگاہ، کھان فیروز پور روڈ خیمہ سادات

(۳) گرامی قدر آئمہ فدا حسین صاحب جو شدید بیماری کے عالم میں بڑی جاں نثاری سے مشن کے آؤٹ کر رہے ہیں بلکہ نہ صرف ہزاروں روپے کی خدمت فی سبیل اللہ کی ہے بلکہ یک صد روپیہ چندہ دینے کے ساتھ آؤٹ کے دوران اراکین مشن کی بڑی

رضا کار لاہور۔ ۱۶-اپریل ۱۹۶۸ء

آہ! علامہ حافظ کفایت حسین

آفتاب علم غروب ہوگیا

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

شیعی دنیا میں یہ خبر انتہائی رنج و غم کے ساتھ سنی جائے گی کہ رئیس الحفاظ علامہ حافظ کفایت حسین صاحب قبلہ نے ایک طویل علالت کے بعد مورخہ ۱۵ اپریل مطابق ۵ محرم الحرام کو اس جہان فانی سے رحلت فرمائی۔

اِنا لِلّٰہ و اِنا الیہ راجعون!

حافظ صاحب قبلہ کی موت کی خبر پورے ملک میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ جس نے سنا بے اختیار رو دیا

حافظ صاحب قبلہ ۱۹۶۳ء میں فریضہ حج ادا کرنے کے لئے جدہ روانہ ہونے کے لئے جب کراچی پہنچے تو اچانک ان پر فالج کا حملہ ہوا۔ اس کے بعد وہ تقریباً پانچ سال تک صاحب فراش رہے اس دوران میں ہر قسم کا علاج و معالجہ ہوتا رہا۔ لیکن انہیں کوئی افاقہ نہ ہوا۔ بلکہ روز بروز ان کی حالت خراب ہوتی چلی گئی۔ گزشتہ دنوں ان پر مرض کا شدید حملہ ہوا۔ تو انہیں علاج کے لئے گنگا رام ہسپتال لاہور میں داخل کرا دیا گیا۔ جہاں انہوں نے ۴ اپریل کی رات کو ۱۲ بج کر ۲۰ منٹ پر انتقال فرمایا۔

حافظ کفایت حسین صاحب قبلہ بلند شہر (یوپی) بھارت میں ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے ان کے والد۔ جناب عبید اللہ ایک متقی بزرگ تھے۔ حافظ صاحب نے ابتدائی تعلیم مدرسہ منصبیہ میرٹھ میں حاصل کی۔ اور بعد ازاں لکھنؤ کے سب سے بڑے دینی مدرسہ ناظمیہ میں قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ، منطق اور دیگر دینی علوم کی تعلیم حاصل فرمائی۔ زمانہ طالب علمی میں آپ کے اساتذہ آپ کی غیر معمولی ذہانت و قابلیت کی داد دیا کرتے تھے اور ان کی نگاہوں میں حافظ صاحب قبلہ کا ایک خاص مقام تھا۔ مدرسہ ناظمیہ میں ان کی خداداد صلاحیتوں کا جوہر نکھرا اور وہ اپنے زمانہ طالب علمی ہی میں ایک خاص شہرت کے مالک بن گئے چنانچہ وہ مدرسہ ناظمیہ کے طلباء و اساتذہ میں انتہائی قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔

ناظمیہ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نے مدرسۃ الواعظین میں داخلہ لیا اور یہاں انہیں خوش قسمتی سے

سرکار نجم العلماءؒ کی سرپرستی حاصل ہوگئی۔ سرکار نجم العلماءؒ نے اس گوہرِ نایاب کو اپنی نگرانی میں تعلیم دلوائی اور ان کے ساتھ مانند اپنی اولاد کے انتہائی مشفقانہ سلوک روا رکھا۔ مدرسۃ الواعظین سے فارغ ہونے کے بعد حافظ صاحب قبلہ نے تبلیغ مذہب حقہ کی خدمات انجام دینا شروع کیں تو دیکھتے ہی دیکھتے یہ عظیم پاک و ہند میں ان کا طوطی بولنے لگا۔ آپ کی شہرت دور دور پھیل گئی۔ اور تلاش حق کے پیاسے اس چشمہ علم و فضل سے سیراب ہونے لگے۔ چنانچہ آپ کی تبلیغی کاوشیں رنگ لائیں۔ اور ہزاروں افراد نے مذہب حقہ قبول فرمایا۔

آپ کے تبحر علمی کا لوہا سب مانتے تھے چنانچہ حافظ صاحب قبلہ ہر مکتب خیال کے مسلمانوں میں انتہائی قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ وہ اکثر بیشتر اوقات ان اہلسنت کی مساجد اور ان کی سٹیجوں پر تقاریر فرماتے تھے اور یہ اور ان اہلسنت بھی ان کی تقاریر سے اتنے ہی محفوظ ہوتے تھے جتنے اہل تشیع! ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حافظ صاحب قبلہ نے دہلی دروازہ لاہور میں ایک لاکھ کے مجمع کو خطاب فرمایا اور تحفظ ختم نبوت کے موضوع پر ایک لاجواب اور یادگار تقریر فرمائی پورا مجمع جھوم رہا تھا اور برعظیم پاک و ہند کے خطیب لاثانی مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری حافظ صاحب قبلہ کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر یہ فرما رہے تھے کہ میں نے اس موضوع پر آج تک کسی عالم دین سے ایسی تقریر نہیں سنی جب حافظ صاحب مجالس عزا میں بیان فرماتے تھے تو ہر مکتب خیال کے مسلمان ان کی مجالس میں شرکت فرماتے تھے اور بے حد محظوظ ہوتے تھے۔ حافظ صاحب قبلہ کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ان کی زبان سے ایک لفظ بھی ایسا نہیں نکلتا تھا جو کسی کے لئے دل آزار ہو وہ مذہب اہلبیت کو ایسے احسن عنوان سے پیش فرماتے تھے۔ کہ ہر انصاف پسند ان کے پیش کردہ حقائق کو تسلیم کرنے کے لئے مجبور ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ان کی تقاریر نے ہزاروں گم گشتگان راہ کو صراط مستقیم دکھائی۔

مصائب بیان کرنا حافظ صاحب قبلہ پر ختم تھا۔ وہ ایسے درد بھرے لہجہ سے مصائب سید الشہداء بیان فرماتے تھے۔ کہ سخت سے سخت دل انسان بھی رونے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ چنانچہ پاکستان کا کوئی شیعہ عالم اس فیلڈ میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔۔۔ حافظ صاحب قبلہ جب مصائب سید الشہداء بیان فرماتے تھے تو ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ آتا تھا اور ان کے دل سے نکلی ہوئی غم و الم میں ڈوبی ہوئی آہیں سامعین کا دل ہلا دیتی تھیں پورا مجمع سیلاب غم میں ڈوب جاتا تھا اور غم و اندوہ کا ایسا سماں بندھتا تھا کہ در و دیوار بھی روتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔

حافظ صاحب قبلہ نے عیسائی مشنریوں اور آریہ سماجی مبلغوں سے بہت سے مناظرے فرمائے اور اسلام کی حقانیت کے جھنڈے گاڑ دیئے جو عیسائی مشنری یا آریہ سماجی مبلغ ان کے مقابلہ میں آیا۔ اس نے منہ کی کھائی

حافظ صاحب قبلہ فن تجوید میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ انہیں قرآن پاک کی ساتوں قراتوں پر عبور حاصل تھا۔ پاکستان میں انہیں فلسفہ الہیات کا بے مثل عالم

(باقی صفحہ ۸۹ پر)

معارف اسلام مئی ۱۹۶۸ء

آہ! حضرت رئیس الحفاظ

(اعلی اللہ مقامہٗ)

آخر وہ دن آ ہی گیا کہ جس کا خطرہ تھا۔ قدرت نے اِس گوہرِ گراں مایہ کو بھی ہم سے جُدا کر دیا۔ یہی مشیتِ ایزدی میں لکھا تھا جس کے سامنے مجال دم زدن نہیں۔ حضرت رئیس المحفاظ علامہ حافظ کفایت حسین جن کے نام کے ساتھ اب "اعلی اللہ مقامہ" لکھا جائے گا۔ ایک مجسمہ تبلیغ تھے اور میدان جہاد باللسان کے عظیم شہسواروں میں سے تھے۔ حدیث ہے کہ آپ کی موت بھی بذاتِ خود ایک معجزہ یا کرامت سے کم نہیں۔ اُن کا مرنا بھی اپنے مذہب کی حقانیت کی تبلیغ کر گیا۔ وفات کے متعلق ذرا کوائف تو ملاحظہ فرمائیں:۔

(۱) ماہِ محرم الحرام۔

(۲) عشرہ محرم الحرام

(۳) نوچندی شب جمعہ (یعنی ۵ محرم الحرام بروز جمعرات بوقت ۹ بجکر ۱۲ منٹ شب)

(۴) تدفین یوم جمعہ کو ہوئی۔

(۵) اس مرتبہ (یعنی ۱۳۸۸ھ کے) عشرہ محرم الحرام میں صرف ایک ہی مرتبہ جمعرات اور جمعہ وارد ہوئے جن میں کہ حضرت رئیس المحفاظ کی وفات اور تجہیز و تکفین ہوئی۔

اللہ تعالےٰ کو اپنے دین کے مبلغ کی یہ شان دکھانی بھی منظور تھی۔ مرتے تو روز ہی شب و روز لوگ رہتے ہی ہیں اور اس دن اور بھی کئی مرے ہوں گے۔ مسلمان بھی اور کافر بھی۔ مگر یہاں تو ہم اس امر کی طرف متوجہ ہیں۔ کہ ایک شیعہ جید عالم جس کی تمام عمر تبلیغِ مذہب حقہ میں بسر ہوئی۔ درآنحالیکہ موت و حیات دستِ قدرت رب العالمین میں ہے۔ تو اللہ تبارک و تعالےٰ نے اُس کی موت کے لئے ایسے لمحات و اوقات مقرر فرمائے کہ جو لاریب تقدس و بزرگی کا پہلو لئے ہوئے ہیں۔ گویا کہ خالق کائنات نے پاکیزہ ایام۔ پاکیزہ وقت۔ پاکیزہ رات اور پاکیزہ دن میں حافظ صاحب کی موت سے دینِ حق کی تائید فرمادی۔ حافظ صاحب کی زندگی بھی تبلیغ حافظ صاحب کا مرنا بھی تبلیغ ؎

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

آپ کے تبحرِ علمی کا لوہا سب مانتے تھے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم برصغیر کے بلند ترین دینی مدارس میں ہوئی۔ اور زمانہ طالب علمی ہی میں اپنی خداداد لیاقت و قابلیت کی وجہ سے خاص شہرت کے مالک ہو گئے

فنِ تجوید میں خاص ملکہ رکھتے تھے۔ اور اس ہنر میں آپ چوٹی کے حفاظ میں شمار ہوتے تھے۔ قرآن حکیم کی ساتوں قراتوں پر آپ کو عبور حاصل تھا۔ علوم دین کے تمام شعبوں میں مہارت رکھتے تھے۔ اور علم جفر میں خاص دسترس حاصل تھی۔ حافظ صاحب کے بلند پایہ علمی بیانات نے خلافِ اسلام سرگرمیوں اور بالخصوص عیسائی و آریہ سماجی مشنریوں کو شکست فاش دی۔ کئی مناظروں میں انہوں نے منہ کی کھائی۔ مسئلہ ختم نبوت اور معراج جسمانی کے متعلق حافظ صاحب کی انتہائی مدلل اور مسکت۔ عالمانہ اور پُر از حقائق تقاریر نے اہل اسلام کے تمام فرقوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ گورنمنٹ عالیہ نے رئیس الحفاظ کی بلند پایہ علمی استعداد کے پیش نظر شیعہ مسلمانوں کے نمائندہ کی حیثیت سے آپ کو اسلامی مشاورتی کونسل کا رکن مقرر فرمایا۔ اور آپ کی بیماری کی وجہ سے چھوڑنا پڑا۔

راقم الحروف (مدیر معارفِ اسلام) نے آج سے کئی سال پیشتر جب ادارہ معارف اسلام کی طرف سے لال مسجد (بازار حکیماں لاہور) میں انجمن معین الصلوٰۃ سے جب درس قرآن کا سلسلہ شروع کرایا تو اس کی ابتدا رئیس الحفاظ ہی نے فرمائی۔ قرآن حکیم کے متعلق آپ کی تفسیری معرکۃ الآرا تقاریر میں وہ حقائق قرآن بیان ہوئے کہ دنیا عش عش کر اٹھی۔ حافظ صاحب کی متعدد تقاریر خود اُن کی مجالس میں بیٹھ کر نوٹ کی ہوئی ہیں۔ انشاء اللہ وقتاً فوقتاً معارف اسلام میں شائع کی جائیں گی)

حافظ صاحب کے جنازہ کا جلوس نسبت روڈ سے موچی گیٹ اور وہاں سے درمیان شہر کے مشہور راستہ سے ہوتا ہوا کربلا گامے شاہ علیہ الرحمۃ پہنچا جس میں ہزارہا آدمیوں نے شرکت کی، اور وہیں تدفین ہوئی۔ پہلی نماز جنازہ جناب مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ صدر الافاضل نے اور دوسری نماز جنازہ جناب سید نصیر الاجتہادی نے پڑھائی۔

ادارہ معارفِ اسلام رئیس الحفاظ کے انتقال پر آپ کے تمام لواحقین اور بالخصوص اہلِ خاندان سے دلی طور پر اظہار تعزیت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قوم کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اور حافظ صاحب کا نعم البدل عطا فرمائے۔ گو ان جیسے بلند پایہ عالم کا دوبارہ پیدا ہونا ایک مشکل امر نظر آتا ہے۔ کیونکہ آپ جیسا ہر دلعزیز عالم کوئی نظر نہیں آتا۔ آپ اپنی مثال آپ ہی تھے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ راجعون

آہ علامہ صاحب

صـ۸۷ سے آگے

سمجھا جاتا تھا۔ علم جفر میں مرحوم کو خاص دسترس حاصل تھی علوم دینیہ کے تمام شعبوں میں وہ ایسی اعلیٰ بصیرت کے حامل تھے کہ دنیا ان کا لوہا مانتی تھی۔ حافظ صاحب قبلہ کی اس علمی استعداد کی بنا پر حکومت نے انہیں اسلامی مشاورتی کونسل کا رکن نامزد کیا۔ چنانچہ اسلامی مشاورتی کونسل میں جب مختلف اسلامی مسائل پر بحث ہوتی تھی تو حافظ صاحب قبلہ کی رائے کو خاص اہمیت دی جاتی تھی اور ان کے تبحر علمی ہی کا نتیجہ تھا کہ بہت سے پیچیدہ مسائل نہایت آسانی سے حل ہو جایا کرتے تھے

المنتظر لاہور مئی ۱۹۶۸ء

کہنے کی باتیں

مَوتُ العالِم مَوتُ العالَم

۴ اپریل جمعرات کی شب رات کے نو بجے سرکار رئیس الحفاظ علامہ حافظ کفایت حسین صاحب قبلہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ کل من علیھا فان قدرت کا اٹل قانون ہے جو پیدا ہوا ہے وہ بالآخر فنا ہو گا فنا و بقا کا یہ سلسلہ ازل سے جاری ہے اور ابد تک رہے گا۔ قدرت اپنے مجوزہ اندازوں چل رہی ہے اور چلتی رہے گی۔ ہمارے عزیز ہم سے بچھڑتے رہیں گے اور ہمیں صبر کرنا ہی پڑے گا۔ لیکن اس کے باوجود بعض اموات ایسی بھی ہوتی ہیں کہ جن پر جی بھر کے آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے حافظ صاحب قبلہ کا انتقال بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔ مرحوم کی رحلت نے ایام عزا کو اور زیادہ سوگوار بنا دیا۔ لاہور کے در و دیوار، امیر و غریب، عوام و خواص، عورتیں اور بچے، بوڑھے اور جوان سبھی اشکبار اور گریہ کناں تھے۔ جمعہ کی صبح کو ان کے مکان سے جنازہ اٹھا، ہزاروں انسان جنازہ میں شریک ہوئے۔ ہر شخص دہاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ جنازہ کے آگے آگے چودہ علم تھے۔ جب جنازہ نسبت روڈ سے موچی دروازہ پہنچا تو یوں نظر آتا تھا کہ جیسے ہر گھر سے جنازہ اٹھ رہا ہے۔ راستہ بھر جنازہ پر پھولوں کی بارش ہوتی رہی اور پھر پھولوں کی چادریں چڑھائی گئیں۔ موچی دروازہ سے جلوس ذوالجناح کے ساتھ سے ہوتا ہوا یہ جنازہ کربلا گامے شاہ پہنچا تو وہاں مومنین کا ایک انبوہ کثیر استقبال جنازہ کے لئے چشم براہ تھا۔

ہم نے دیکھا کہ حافظ صاحب کے جنازہ کے ساتھ عقیدتمندوں کا اتنا ہجوم مجتمع ہو چکا تھا جس کی مثال لاہور کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔ اس سوگوار ہجوم میں اپنے بھی تھے بیگانے بھی شیعہ بھی اور سنی بھی، عالم بھی اور ناخواندہ بھی، لیڈران قوم بھی تھے اور روسائے ملت بھی۔ مدیران رسائل و جرائد بھی تھے اور عام عقیدت مند بھی۔ ایسا جنازہ نہ ہم نے اپنے ہوش میں اس سے پہلے دیکھا اور نہ مرنے کے بعد کسی کی قدر و منزلت کا ایسا مظاہرہ دیکھنے میں آیا۔ کیوں نہ ہوتا حافظ صاحب قبلہ مرحوم نے لاہور میں اپنی زندگی کا خاصا حصہ گزارا تھا۔ لاہور کیا ملک پاکستان و ہند کے طول و عرض میں بکثرت وہ لوگ زندہ ہیں جو سرکار مرحوم کے بیانات پر جھوما کرتے تھے۔ جنہوں نے ان کی خطابت کا لوہا مانا تھا۔ اہل تشیع تو اس لئے شریک جنازہ تھے کہ ان کا ایک جید و مستند عالم و فقیہ اس دنیا سے عالم جاودانی کو سدھار چکا تھا اور اہل تسنن اس لئے خراج عقیدت پیش کر رہے تھے کہ انہوں نے بارہا سرکار مرحوم کو اپنی مساجد اور اپنے

اسٹیجوں پہ گوہر افشانی کرتے دیکھا تھا، علماء عظام کی کثیر تعداد اس لئے شریک جنازہ تھی کہ ان کی صف اوّل خالی ہو کر رہ گئی تھی۔ طلباء دین اس لئے سوگوار تھے کہ ان کا مشفق استاد ان سے جدا ہو چکا تھا۔ اسلامی مشاورتی کونسل کے چیئرمین اس لئے شریک تھے کہ اسلامی مشاورتی کونسل ان کے تبحر علمی سے استفادہ کرتی تھی۔ تحریک ختم نبوت کے سینکڑوں رضاکار اس لئے موجود تھے کہ ختم نبوت کا عظیم مبلغ اس دنیا سے کوچ کر چکا تھا۔ نماز جنازہ مولانا سید نصیر حسین صاحب قبلہ صدر الافاضل نے پڑھائی۔ کثرت ہجوم کی وجہ سے دوسری بار نماز جنازہ پڑھائی گئی جس کی اقتدا مولانا سید نصیر الاجتہادی نے فرمائی۔ اس کے بعد تقریباً ڈھائی بجے سرکار مرحوم کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

سرکار مرحوم ضلع بلند شہر (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ سبحانیہ میرٹھ سے حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ ناظمیہ لکھنؤ سے ادب، حدیث، تفسیر، فقہ، منطق و فلسفہ اور دیگر دینی علوم سے فارغ التحصیل ہو کر، مدرسۃ الواعظین لکھنؤ میں داخلہ لیا۔ یہاں وعظ و خطابت میں عبور حاصل کر کے دین متین کی تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ اور بہت مختصر سے عرصے میں وہ کمال حاصل کر لیا جس کی کوئی مثال نہیں ملتی پاک و ہند کا کوئی ایسا شہر، قصبہ اور قریہ ہو گا جہاں حافظ صاحب نے تبلیغی فریضہ انجام نہیں دیا گیا۔

ہمیں جہاں سرکار رئیس الحفاظ کا صدمہ جانکاہ ہے وہاں اس کا بھی افسوس ہے کہ سرکار مرحوم نے اپنے پیچھے کوئی علمی آثار نہیں چھوڑے جن سے آئندہ نسلیں کوئی استفادہ کر سکتیں۔ البتہ وہ ہمارس ہے تو سرکار مرحوم کے قریبی اور علمی رفقائے کار خصوصاً سرکار خطیب اعظم مولانا سید محمد صاحب قبلہ دہلوی اور عمدۃ الافاضل جناب مولانا مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ صدر الافاضل سے کہ وہ قوم کو ایسے نقوش عنایت فرمائیں جن سے سرکار مرحوم کی یاد محفوظ رہ سکے۔ ہمارے خیال میں سرکار مرحوم کو یاد رکھنے کا سب سے بہتر اور مناسب طریقہ یہی اور صرف یہی ہے

یوں تو منہ دیکھے کی ہوتا ہے محبت سب کو

آخر میں ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حافظ صاحب قبلہ کے درجات کو بلند فرمائے۔ ادارہ المنتظر مرحوم کے پسماندگان کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔

شہید لاہور
۱۶-اپریل ۱۹۶۸ء

آفتاب علم غروب ہو گیا

رئیس الحفاظ علامہ حافظ کفایت حسین صاحب قبلہ ۷۰ سال شدید علالت کے بعد ۵ محرم ۹ بجے شب گنگا رام ہسپتال لاہور میں ملت جعفریہ کو رنج و غم میں رنستے ہوئے چھوڑ کر اس جہان فانی سے انتقال فرما گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

حافظ صاحب نے ۵۰ برس ملت اسلامیہ کی بے بہا خدمات سرانجام دی ہیں۔ مرحوم مربیانِ مربی شخصیت اور عالم جلیل تھے۔ اور قوم کے لئے کسی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ ان کی موت سے ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا

جس کا پُر ہونا بہت مشکل ہے۔ آپ نے اپنی ساری زندگی سادگی اور انکساری سے گزار دی۔ اپنی وضع قطع میں کوئی فرق نہ آنے دیا۔ آپ شیعوں کے علاوہ سوادِ اعظم میں بھی مقبول تھے۔ اور ہر مکتب خیال کے مسلمان انہیں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپ نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے اہم مسائل حل کئے۔ تحریک لکھنؤ اور ندوہ ال میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اور ملک میں جتنی قومی تحریکیں چلیں۔ ان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ برابر دس برس ادارہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان کے صدر رہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے بھی ممبر رہے تحریک ختم نبوت میں آپ نے علماء ہم عصر پر اپنی علمی حیثیت کے سکے بٹھا دیئے۔ شیعہ علماء میں آپ کی ذات منفرد ہے۔

راقم الحروف مرحوم کا سالہا سال رفیق سفر رہا۔ مگر آخری ایام میں ناعاقبت اندیش لوگوں کی سازشوں نے ان سے جدا کر دیا۔ مگر ان کے ادب و احترام میں کبھی فرق نہ آیا۔ ان کی موت میرے لئے ایک صدمہ ناگہانی ہے۔ میرے دل پر کیا گزرتی ہے۔ اس کا علم صرف اللہ کو ہی ہے۔ میں نے ان کی زندگی کے آخری ایام میں بیحد خاموشی اختیار کی۔ اور اب اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتا ہوں۔ اور اب کوئی قومی کام بھی کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ مجھے حافظ صاحب سے محبت تھی۔ مگر اس کے راستہ میں دیواریں کھڑی کر دی گئیں اور سازشوں کے طوفان برپا کر دیئے گئے۔ آہستہ آہستہ پردے ہٹ جائیں گے۔ مگر اب کیا فائدہ، خدا ان کی اولاد کو سلامت رکھے۔ وہ میرے چھوٹے بھائی ہیں۔ آخر انہیں بھی پتہ چل جائیگا۔ کہ میں ان کا ہمدرد اور خیر خواہ ہوں، مجھے ان کے نامدار باپ سے بے غرض اور کسی لالچ کے بغیر عقیدت تھی۔ اور جب سے ان کو مجھ سے جبری علیحدہ کر دیا گیا۔ وہ دل برداشتہ تھے۔ پرانے اور مخلص ساتھیوں کی جدائی کا صدمہ ان کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ مگر وہ مجبور کر دیئے گئے تھے وہ جنت میں چلے گئے۔ ابھی قوم کو ان کی بڑی ضرورت تھی وہ جو اہلبیت میں پہنچ گئے۔ جبکہ مشن اہلبیتؑ کے لئے ان کا زندہ رہنا ضروری تھا۔ مگر مشیت ایزدی کے آگے کسی کا زور نہیں۔ اللہ ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور قوم کو نعم البدل دے۔

شہاب لاہور۔

علامہ حافظ کفایت حسین

شہاب کا یہ شمارہ ترتیب پا چکا تھا۔ کہ مشہور شیعہ عالم دین علامہ حافظ کفایت حسین کے انتقال کی خبر ملی حافظ صاحب سے ان سطور کے راقم کو ذاتی نیاز حاصل تھا۔ ہم نے کتنے ہی جلسوں میں ایک ساتھ خطاب کیا۔ کتنی ہی نجی نشستوں میں تفصیلی تبادلہ خیال ہوا۔ اور اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے۔ کہ مرحوم کی وفات سے تنہا شیعہ بھائیوں ہی کا نقصان نہیں ہوا۔ بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا نقصان ہوا ہے۔ حافظ صاحب کے اٹھ جانے سے ہم، اتحاد اسلامی کے ایک مخلص علمبردار سے محروم ہو گئے ہیں۔ اس لئے ان کا غم تنہا ایک فرقے کا غم نہیں تمام مسلمانوں کا غم ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

رسالہ انجمن وظیفہ لاہور
۱۵-اپریل ۱۹۶۸ء

آہ! حافظ صاحب

موت کے سیلاب میں ہر خشک و تر بہہ جائے گا
ہاں مگر نام حسین ابن علی رہ جائے گا"

۴-اپریل بمطابق ۵ محرم الحرام ۱۳۸۸ھ ہمیں یہ جانکاہ خبر ملی ہے۔ سرکار رئیس الحفاظ علامہ کفایت حسین صاحب قبلہ معبود حقیقی کو جا ملے۔ اس خبر وحشت اثر پر یقین کرنے کو دل نہ چاہتا تھا۔ لیکن حقیقت سے انکار کب ممکن ہے چنانچہ اس وقت سے اب تک دل غم کے آنسو رو رہا ہے۔

حافظ صاحب کی ذات والاصفات محتاج تعارف نہیں ہے۔ آپ موضع شکارپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم میرٹھ میں حاصل کرنے کے بعد لکھنؤ اور رام پور کے مختلف شیعہ مدارس میں تعلیم مکمل کی۔ آپ تقریباً بورڈ رام پور کے نگران۔ مدرسہ ناظمیہ لکھنؤ میں فلسفہ ادب اور منطق کے استاد رہے۔ قیام پاکستان کے بعد پاکستان تشریف لے آئے۔ اور کچھ عرصہ ادارہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان کے صدر رہے۔ آپ اسلامی مشاورتی کونسل کے رکن بھی تھے چار سال قبل آپ پر فالج کا حملہ ہوا۔ اگرچہ حالت کچھ بہتر ہو گئی تھی۔ اور اس دوران میں زیارات مقامات مقدسہ کے لئے بھی تشریف لے گئے۔ لیکن ۳۱ مارچ ۱۹۶۸ء کو فالج کا ایک اور حملہ ہوا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ اور آپ ۴-اپریل کو راہی ملک بقا ہوئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

حافظ صاحب کا شمار پاک و ہند کے جید علماء میں ہوتا تھا۔ آپ نے تمام عمر قوم و مذہب کی خدمت میں صرف کی اور ہمیشہ اتحاد بین المسلمین کے علمبردار رہے۔ یہی وجہ تھی کہ تمام مسلمان فرقے آپ کو عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ انجمن وظیفہ سادات و مومنین سے آپ کو بے پناہ محبت تھی۔ اور جب تک صحت مند رہے انجمن کی ترقی کے لئے کوشاں رہے۔ آپ ان چند افراد میں سے تھے۔ جنہوں نے قیام پاکستان کے بعد یہاں انجمن کی رکن سازی کی مہم اور نشر و اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ نے انجمن کے صدر اور نائب صدر کے فرائض بھی انجام دیئے اور آخری وقت تک انجمن کی مجلس انتظامیہ کے رکن تھے۔ میری حقیر رائے میں پاکستان میں کسی ایک شخص نے انجمن کی اتنی خدمت نہیں کی جتنی حافظ صاحب قبلہ نے کی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ قبلہ حافظ صاحب کی وفات سے نہ صرف انجمن وظیفہ سادات و مومنین بلکہ پوری ملت اسلامیہ کو ایک ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے۔ آپ کی وفات سے

(باقی صـ۹۵ پر)

جناب آغا شورش کاشمیری مدیر چٹان لاہور

آہ! حافظ کفایت حسین

۴-اپریل جمعرات کی شب کو گنگا رام ہسپتال لاہور میں حافظ کفایت حسین وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، جمعہ کی صبح کو ان کے مکان نسبت روڈ لاہور سے جنازہ اٹھا۔ دس پندرہ ہزار آدمی جنازہ میں شریک تھے مرحوم شیعہ علماء میں سرفہرست تھے۔ جنازہ کے آگے آگے سیاہ علم لہرا رہے تھے۔ ان کے پیچھے شکیباروں کا ایک سیلاب تھا۔ امیر و غریب، عامی و عالم، زاہد و عابد، خورد و کلاں مرد و زن غرض مختلف مکاتیب فکر کے نمائندوں کا ایک سیل تھا۔ جو اس غیرت مند دینی وجود کو آخری کندھا دینے کے لئے امڈ آیا تھا۔

محرم کے مہینے میں شیعہ قوم کے ایک نامور فرزند کا اٹھ جانا اس کے لئے دوہرا صدمہ تھا۔ محسوس ہو رہا تھا ساری قوم اس غم میں ڈوب گئی ہے۔ لیکن حافظ جی کی وسیع المشربی عالی ظرفی، بلند فطرتی اور غیرت دینی کے مشاہدات و تجربات کا اعجاز تھا۔ کہ مسلمانوں کے تمام فرقوں کی نمائندگی کھنچ کے آ گئی تھی۔ سُنی، اشکبار اور وہابی دلفگار تھے۔ جدید و قدیم کا ایک ہجوم تھا۔ جو علم کو اپنے کاندھوں پر اٹھا کر آخری آرامگاہ کی طرف لے جا رہا تھا۔

حافظ جی پاکستان کے شبیہ علماء میں سلف صالحین کی نشانی تھے۔ وہی غیرت، وہی علم، وہی تحمل، وہی درویشی وہی فطرت، وہی ایثار۔ وہی مردانگی، وہی عفو و درگزر۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے لاکھوں مسلمانوں کے جلسہ عام میں ان کے علم کا اعتراف کیا تھا۔ مسئلہ ختم نبوت پر حافظ جی نے تقریر کی۔ شاہ جی آخری مقرر تھے۔

علم یوں بولتا ہے۔ حافظ جی آپ نے ختم نبوت کے مسئلہ پر جو کچھ کہا۔ اس سے دل روشن ہو گیا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

ایک امام باڑہ میں مجلس تھی۔ ختم نبوت کے مسئلہ سے ان کے عشق کا یہ حال تھا۔ فرمایا!

"نبوت ہے تو سب کچھ ہے محمدؐ کی
نبوت نہیں تو کچھ بھی نہیں، نہ علیؑ
نہ فاطمہؑ ہیں نہ حسنؑ نہ حسینؑ، یاد رکھو
درخت کی جڑ نہیں تو شاخیں بھی نہیں ہیں"

ری پبلکن وزارت کے دنوں میں صوبائی اسمبلی کا اجلاس ہو رہا تھا۔ ایک شخص کسی وزیر سے ملنے کے لئے انہیں ساتھ لایا۔ حافظ جی زینہ کے پاس چائے کی ایک میز پر بیٹھے تھے وزیر موصوف آ گئے۔ اس شخص نے آگے بڑھ کر مصافحہ کیا۔ اور کہا وہ سامنے حافظ جی بیٹھے ہیں۔ گو وزیر ان کا ہم مسلک تھا۔ لیکن اس وقت وزیر تھا۔ اسے اپنے ان کی مجلس کا احترام اور تضرع بھی یاد نہ رہا۔ کنی کترا کے نکلنا چاہا۔ شخص

مذکور نے کہا حافظ جی آپ سے ملنے آئے ہیں؟ وزیر نے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے کہا۔ اجلاس شروع ہو چکا ہے پھر بھی ضروری ہے تو بلا لیجئے۔ زینہ ہی پہ بات کر لیتے ہیں۔ اتفاق سے راقم الحروف بھی حافظ جی کے پاس بیٹھا تھا عرض کیا۔

حافظ جی! حضورؐ کا وہ ارشاد تو آپ نے سنا ہوگا۔ کہ علماء کا امراء کے دروازہ پہ جانا بات پوری نہ ہوئی۔ فرمایا، جی ہاں۔

راقم نے عرض کیا وزراء کی ملاقات کو یہاں آنا آپ کے علم کی غیرت کے خلاف ہے۔

فرمایا — یہ صاحب مجھے اپنے لئے کھینچ لائے ہیں۔ ان کے لئے آیا ہوں۔ کسی مشکل میں ہیں۔ حاجت روائی شیوہ مشکل کشائی ہے۔ مجھے کلمہ خیر کہنا ہے۔

اللہ اللہ خیر سلا۔

معمول واقعہ تھا ختم ہو گیا۔ اس کے بعد حافظ جی جہاں کہیں ملے اس کا ذکر کیا۔ فرماتے

"آپ نے ٹوکا تھا، مجھے یاد ہے تب سے آپ کے لئے دعا کرتا ہوں۔ فقرائے اہلبیت کا امراء کے دروازہ پر جانا۔ اسد اللہی غیرت کی نفی کرتا ہے۔

اُن کے تحمل کا یہ حال تھا۔ کہ زخم کھا کر ان کی نمائش نہیں کرتے تھے۔ وہ صبر و رضا کی تصویر تھے، درویشی ان کا مزاج تھا۔ ظرف اتنا بلند پایا تھا۔ کہ جن خوشہ چینوں نے ان کی معرفت سے مقام حاصل کیا۔ ان کے دشنام پر بھی زبان نہ کھولی۔ شکوہ ان کی فطرت ہی میں نہ تھا۔ عفو و درگزر کے سانچہ میں ڈھلا ہوا پیکر تھے۔ ان کا خمیر ایثار میں گندھا تھا۔ مردانگی ان کی فطرت کا حسن تھا۔ چار پانچ برس سے فالج کا شکار تھے حج کو جا رہے تھے۔ کراچی میں فالج نے آلیا۔ آخر وقت تک اسی کے ہو گئے۔ زبان بند ہو گئی تھی۔ رحلت سے ایک دن پہلے مرض نے آخری حملہ کیا۔ واصل بحق ہو گئے ع

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

حافظ جی دبستان اہلبیت کے مبلغ و معلم تھے ان کی مجلسیں سن کر طبیعت میں گداز کے سوا کوئی عنصر ہی نہ ہوتا۔ لیکن وہ ذاکر سے کہیں زیادہ ایک عالم تھے۔ ان میں شاعری سے زیادہ علم تھا۔ انشا پردازی سے زیادہ فکر تھا۔ اور اختلاف کی بہ نسبت اتحاد تھا۔ وہ ان آلائشوں سے قطعاً مبرا تھے۔ جن میں بعض طبیعتیں خلقی طور پہ ملوث ہوتی ہیں۔ وہ ایک ایسے عالم تھے۔ جن کی پرواز کلام الٰہی کے اُفق پر ہوتی ہے۔ وہ ایک ایسے ذاکر تھے جن کا دل اہلبیت کے عشق سے مملو تھا۔ ان کے نزدیک شیعہ سُنی مسئلہ اختلاف و تصادم کا مسئلہ نہیں تھا۔ وہ ان نام نہاد طبقوں کے سخت خلاف تھے جن کے دل و دماغ اور زبان و بیان میں فاصلہ ہوتا ہے۔ عاشورہ کی مجلسیں ان سے بھری پڑی ہوتیں۔ ان کے زورِ بیان کا یہ حال تھا۔ کہ مسلمانوں کی تمام جماعتوں کے افراد کھچے چلے آتے۔ مجال ہے اُن کے کسی کلمے، کسی فقرے، کسی جملے، کسی لفظ، کسی حرف سے کسی کو شکایت ہو۔ ان کی آواز۔ پاٹ دار۔ اُن کا لہجہ خوشگوار، ان کا بیان دلفریب اُدھان کی خطابت سحر کار ہوتی؟ وہ ان لوگوں کی طرح نہیں تھے۔ جو ہر مجلس کا چراغ اور ہر

رات کی شمع ہوتے ہیں۔ ان کے قامت پر اقبال کا یہ مصرع
چوکس بیٹھتا تھا ؎
شمع محفل کی طرح سب سے جدا سب کا رفیق
یا پھر ع
عجم کا حسنِ طبیعت عرب کا سوز دروں
احقر کی نیازمندی کا زمانہ کچھ زیادہ نہ تھا۔ رابطہ بھی برائے نام رہا۔ لیکن دو چیزیں نمایاں ہو کر نقش ہو گئیں۔ اولاً جس زمانہ میں روزنامہ آزاد سے توتکار ہوئی تو جانبین کو روکا۔ اور قضیہ ختم کرا دیا۔ ثانیاً اب کے احقر کی قید کے زمانہ میں اپنی بیماری کے باوجود حوصلہ کیا اور اجازت کے بغیر پولیس کے علی الرغم ہسپتال میں تشریف لائے۔ بول نہیں سکتے تھے۔ لیکن اشاروں سے مزاج پرسی کرتے رہے۔ عرض کر چکا ہوں کہ میرے ان سے کوئی خاص تعلقات نہ تھے۔ علیک سلیک کی فراخدلی تھی۔ یا چند ایک جلسوں میں اکٹھے تقریر کرنے کا موقع ملا تھا۔ تاہم ان میں ایک بزرگانہ شفقت موجود تھی۔ وضعداری اُن کے جوہرِ ذاتی کا چہرہ نما تھا۔ اس کے برعکس جن لوگوں سے معاملہ رہا۔ ان کی خطابت کے جوہر دیکھے۔ ذکرِ حسین پر انہیں بسمل کی طرح تڑپتے پایا۔ یزید کو ظلم کی علامت قرار دیتے ہوئے انہیں عرشِ انکار پہ دیکھا۔ اپنے بارے میں اُن کے حسنِ ظن کا مزہ چکھا۔ منبر و محراب پر ان کی زبان فصاحت ترجمان سے کلماتِ تحسین سُنے۔ لیکن اپنی مصیبت میں انہیں بزدل پایا۔ ان کے دل کو اس خطرے سے گھبرایا ہوا دیکھا۔ مبادا احقر کے پاؤں کی بیڑیاں ان کے لئے حلقۂ تحسین بن جائیں۔ معدوم ہوا رفاقت کا اخلاص۔ بیوہ کا شباب ہے اور نیازمند، بیابان میں سُراب۔ ان کی زبان سے دوستانہ اور مشفقانہ تعلقات کی تعریف و ثنا میں جو الفاظ نکلتے تھے۔ روئی کے گالے تھے۔ جنہیں صرصرِ تعزیر نے اڑا لیا تھا۔

حافظ جی ان کے مقابلے میں کھرا سونا نکلے۔ لاچار۔ ہو چکے تھے۔ تاہم ان کے پہلو میں اہلبیت کے درد میں ڈوبا ہوا دل تھا۔ اور وہ جانتے تھے کہ زین العابدینؑ کے پاؤں کی بیڑیاں آج بھی کھنک رہی ہیں۔

کاش کچھ دنوں وہ اور زندہ رہتے حسینؑ کی اس تعلیم کو عام کرتے جس نے مقامِ ابدی حاصل کیا۔ اور جس کو کسی زمانے کا یزید بھی تسخیر نہیں کر سکتا ہے۔

بقیہ صوت العالم موت العالم

صفحہ ۹ سے آگے

کی توں موجود ہے۔ جو دکھی دلوں کے لئے مریم علیہا السلام سے کم نہیں۔ موت کے ظالم ہاتھوں نے قوم و ملک سے ایسا گوہرِ نایاب۔ چراغِ رہنما، مردِ درویش و مردِ قلندر چھین لیا ہے جس پہ ہماری آئندہ آنے والی نسلیں بھی نوحہ و ماتم کرتی رہے گی۔ موت کے بعد آنے والے ہر زمانہ میں ہر دلعزیزی بڑھتی رہے گی ع

مرنے والے تجھے روئے گا زمانہ برسوں

قوم کو چاہیئے، کہ ان کی شایانِ شان یادگار کوئی دینی مدرسہ، مسجد، لائبریری، یا پھر کوئی امام باڑہ تعمیر کرے۔ زندہ قوموں کا یہی شعار ہوتا ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کو اسی طرح سے زندگی دوام دیتی آتی ہیں۔

آئینہ قسمت ماہ مئی ۱۹۶۸ء

موت العالم موت العالم

کشتہ سوز اہلبیتؑ اطہار علامہ حافظ کفایت حسین

ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

شاہ زنجانی کی زبان و قلم کو یارا نہیں کہ اس بلند پایہ اللہ لاتعداد اوصاف و کمالات کی حامل شخصیت پہ چند الفاظ الٹی سیدھی لکیروں کی شکل میں یہ کہکر صفحہ قرطاس ابیض پر بکھیرے ۔ کہ سوختہ کشتہ حسینؑ علامہ حافظ کفایت حسینؒ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو ہو گئے ۔ ۵ محرم الحرام ۱۳۸۸ھ کا دن لاہور میں قیامت صغرا کا دن تھا ۔ کوئی آنکھ ایسی نہ تھی ، جو اشکبار نہ تھی کوئی انسان ایسا نہ تھا جو جنازہ میں شریک نہ تھا ۔ ننگے سر انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا ۔ جو حافظ صاحب کے ہمایوت کو کنارہ نجات سمجھ کر امڈ آیا تھا ۔ آج اس بندگ ہستی کا آخری سفر تھا جس کی تمام عمر علم و ادب کی خدمت ، تہذیب و معاشرت کی تعمیر و ترقی ، دینی لبالت ، تبلیغی نشر و اشاعت مذہب حقہ ، کے دشت کی سیاحی میں بسر ہوئی ہے ۔ آپ کسی بھی موضوع دینی پر تحقیق فرمائیں ، آپ کو اس کے رہوار علم کی جولانیاں ہر میدان میں دکھائی دیں گے ۔ آپ ان کے حلقۂ ارادت و عقیدت میں شامل ہوں یا نہ ہوں ۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ آپ کی تحریر و تقریر کا ایک ایک لفظ ہر مخالف و موافق کے دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا تھا ـــــ قرآن پاک ، حدیثِ رسولؐ

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

مقبول ، اقوال ائمہ معصومینؑ کی کوئی شاخ ایسی نہیں جس پر اس یگانۂ روزگار عالم نے تحریر دلپذیر و پُر تاثیر نہ کی ہو ۔ متلاشیان صراط مستقیم ان کے منہ سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کو بوسہ دے کر اپنے دلوں میں جگہ دیتے تھے ۔

آپ اندازہ کر لیجئے ۔ کہ جس کے منہ سے نکلے ہوئے لفظوں کو بوسہ دیا جا رہا ہو ۔ اگر اس کے جنازہ میں شیعہ سنی ہزاروں کی تعداد میں شرکت کریں ۔ اور مظاہرۂ اتحاد و یگانگت کریں ۔ تو کیا تعجب ہے ؟ ان کے تعارف کے لئے جس قدر بھی لکھا جائے کم ہے ۔ اور پھر ہماری بساط ہی کیا ہے ۔ کہ ہم حضور علامہ حافظ کفایت حسینؒ مرحوم کے تعارف کے لئے کچھ لکھ سکیں ۔ رئیس المتکلمین علامہ حافظ کفایت حسین کی ذات گرامی کے بارے میں صرف اس قدر لکھ دینا ہی کافی ہے ۔ کہ وہ علامہ کفایت حسین ہیں !

اس نام نامی اسم گرامی سے نہ ان پڑھ شخص غیر شناسا ہے ۔ اور نہ ہی تعلیم یافتہ بے بہرہ ! ہر امیر ہر غریب کو آپ کی ذات گرامی سے دل لگاؤ ہے ۔ آپ کی تقریروں کی گونج آج بھی ہزاروں ٹیپ ریکارڈوں پر جب

(باقی صـ ۹۶ پر)

مطالبات کمیٹی کا خبرنامہ
مئی ۱۹۶۸ء

سانحۂ عظیم

حضرت رئیس الحفاظ کی موت ساری ملت کے لئے ایک سانحۂ عظیم ہے۔ حیرت ان لوگوں پہ ہے۔ جو آج اس ارتحال پہ مگرمچھ کے آنسو بہا رہے ہیں۔ ایسے حضرات ان کی زندگی میں کہاں چلے گئے تھے؟ یہ سانحہ قومی اور علمی حیثیت سے ناقابل تلافی ہے۔ میں مرحوم سے اس زمانہ سے واقف ہوں جبکہ وہ ناظمیہ لکھنؤ میں داخل ہوئے تھے۔ اور پھر میری تحریک پہ تفسیر قرآن کے لئے رامپور لے گئے۔ اسی دوران میں حفاظ قرآن نے ان کا امتحان لیا۔ اور کہیں رکنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ان کا علم ان کا فضل۔ ان کی سادگی اور قومی معاملات میں والہانہ دلچسپی اور بے لوث خدمات قوم کے سامنے ہیں۔ اُن پر دل خون کے آنسوؤں سے رو رہا ہے۔ جہاں انہوں نے تمام عمر مدح و حمایت اہلبیتؑ میں صرف کی۔ وہاں عام مسلمانوں کے جلسوں میں بھی حق نبوّت و رسالت ادا کیا۔ خدا مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل بخشے۔

(سید محمد دہلوی)

الحاج کفایت حسین
صـ ۶۱ سے آگے

علماء کرام، سیاسی لیڈر، امرا اور عوام با چشم گریاں ہمراہ چل رہے تھے۔ اہل لاہور نے کسی جنازہ کے ساتھ سوگواروں کا ایسا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر کبھی نہ دیکھا تھا۔ حافظ صاحب کا جنازہ اسی راستہ سے لے جایا جا رہا تھا جس پر حضرت امیرالمومنینؑ کا تابوت گزرتا ہے۔ راستہ میں اور لوگ بھی شامل ہوتے جاتے تھے۔ مستورات مکانوں کی چھتوں اور کھڑکیوں میں سے دیکھ دیکھ کر رو رہی تھیں اور جنازہ پر پھول برسا رہی تھیں۔ چار گھنٹے کے بعد جنازہ کربلائے گامے شاہ پہنچا۔ وہاں پہلے سے اتنے لوگ موجود تھے کہ کربلا کے اندر اور باہر سر ہی سر نظر آتے تھے۔ مولانا مرتضیٰ حسین صاحب فاضل لکھنوی نے نماز جنازہ پڑھائی اور باہر سے آنے والے لوگوں کے اصرار پر علامہ [illegible] صاحب نے دوبارہ نماز جنازہ پڑھائی۔ کوہستان لاہور کی اطلاع کے مطابق حافظ صاحب کے جنازہ میں ایک لاکھ افراد نے شرکت کی۔

آخری آرام گاہ

۱۲ بجے سہ پہر کے قریب اس ہردلعزیز عالم دین کے جسم خاکی کو کربلائے گامے شاہ میں مولانا محمد حسین آزاد کے جوار میں سپرد خاک کیا گیا۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آہ! حافظ صاحب
صـ ۹۳ سے آگے

ایک ایسا خلاء پیدا ہو گیا ہے جو شاید ہی پُر ہو سکے۔

ہم ارکان انجمن ہذا حافظ صاحب کے پس ماندگان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ الطفیل چہاردہ معصومین علیہم السلام جنت میں ان کے درجات بلند فرمائے۔

مومنین سے التماس ہے کہ حافظ صاحب کی روح کے ایصال ثواب کے لئے سورہ فاتحہ کی تلاوت فرمائیں۔

سلسلہ مطبوعات مجالس کردہ

شہزادہ والاشان نواب معظم بہادر دام اقبالہٗ

دوسری مجلس (مکمل)

از

علامہ حافظ کفایت حسین صاحب قبلہ

(بمقام ڈیوڑھی نواب کمال یار جنگ مرحوم)

۲۶ صفر ۱۳۷۶ھ م ۲-اکتوبر ۱۹۵۶ء

مرتبہ

اکرم فاطمی

ملنے کا پتہ

مکان آرائش۔ بی کلاس ۱۲ زہرا نگر۔ قریب منڈی میر عالم

اعجاز مشین پریس چھتہ بازار

ہدیہ دو آنہ

www.khwajalateefansari.com

خدا کی حمد و ثنا اور محمدؐ و آلِ محمد پہ درود و سلام کے بعد

افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السموات والارض طوعاً وکرھاً و الیہ یرجعون ۰

پروردگارِ عالم ارشاد فرماتا ہے کہ کیا لوگ اللہ کے دین کے غیر کی خواہش کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کے لئے آسمان اور زمین والے اپنی اطاعت کی گردنیں جھکائے ہوئے ہیں۔ خوشی کے ساتھ یا قہر و جبر کے ساتھ اور سب کی بازگشت اس کی طرف ہوگی۔

کل میں نے عرض کیا تھا کہ دین حقیقت میں وہی دین ہے جو عین فطرت ہے۔ اس کی توضیح اتنی نہیں ہو سکی تھی جتنی کہ ہونی چاہیئے تھی۔ اس کے ذیل میں آج کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

جس کا نام دین ہے۔ حقیقت میں اس کا حاصل ہے محبت، یا یوں کہیئے کہ اس کا دوسرا نام محبت ہے دنیا میں سب سے زیادہ فطری چیز محبت ہے۔ کھانا، پینا۔ سونا۔ جاگنا ان سب چیزوں کا تعلق حیوانات سے ہے۔ لیکن ان سب میں افضل محبت ہے۔ انسان بھی حیوان ہے اور محبت اس کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے۔ اگر فطرت انسانی سے محبت ایک سیکنڈ کیلئے بھی ہٹ جائے تو عالم درہم برہم ہو جائے۔ اس لئے اسے شدت کے ساتھ فطرت میں داخل کیا گیا ہے۔ انسان کی خلقت کی غرض و غایت محبت ہے۔ بعض حضرات کے دل میں خیال آرہا ہوگا کہ پروردگارِ عالم نے تو خلقت کی غرض عبادت کو قرار دیا ہے۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون اس کو سمجھانا مقصود ہے۔ ایک حکم ہوتا ہے۔ اور دوسرے حکم کی تعمیل۔ تعمیل حکم کی کوئی نہ کوئی غرض ضروری ہے۔ مثلاً بچہ کو علم حاصل کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اور بچہ اس کی تعمیل کرتا ہے تو اس میں تعلیم حاصل کرنے کی غرض مضمر ہوتی ہے۔ پروردگارِ عالم نے عبادت کا حکم دیا۔ اس حکم کی تعمیل میں عبادت کی تو اس کی بھی کوئی نہ کوئی غرض ہونی چاہیئے اگر تعمیل بے غرض ہو تو حکم بھی بے غرض اور اس طرح عمل بے کار ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ تعمیل میں غرض موجود ہے ایک غرض اس تعمیل یعنی عبادت کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خدا خوش ہو اور جنت ملے۔ لیکن یہ حقیقی غرض نہیں ہو سکتی۔ حقیقی غرض تو محبت ہے۔ اسے واضح کرنے کے لئے ایک بات پوچھتا ہوں۔ ابلیس نے کیا قصور کیا تھا؟ فقط یہ کہ آدم کو سجدہ نہیں کیا۔ پروردگار کی کسی صفت کا انکار نہیں کیا تھا۔ عبادت سے انکار نہ تھا خدا کی وحدانیت کا قائل تھا۔ آدم کو اس لئے سجدہ نہیں کیا کہ سجدہ تو فقط اللہ کے لئے سمجھتا تھا۔ اسی لئے تو کہا تھا کہ اگر تو مجھے سجدہ سے معاف کر دے تو تیری عبادت اتنی کروں کہ قیامت تک کوئی نہ کر سکے۔ آواز آئی اے ابلیس میں تیری عبادت کا محتاج نہیں۔ میں تو وہ عبادت چاہتا ہوں جو میں چاہتا ہوں۔ جواب دیتا ہے تیرے غیر

کی عبادت نہیں کروں گا۔ تیری توحید کا اقرار ہے۔ تیرے وجود کا اقرار ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ آدم کو سجدہ کیوں کروں۔ آواز آئی اخرج منہ فانک رجیم میری بارگاہ سے نکل جا تو مردکش ہے۔ قیامت تک کے لیے تجھ پر میری لعنت رہے گی۔ فقط کیوں کہہ دینا اس بات کی دلیل بن گئی کہ ابلیس میں خدا کی محبت نہیں تھی۔ مذہب محبت میں چوں وچرا کا کوئی مقام نہیں اصلی غرض خلقت، عبادت نہیں۔ حالانکہ معصومین کو چھوڑ کر سب سے زیادہ عبادت کرنے والا ابلیس تھا۔ علامہ سید نعمت اللہ جزائری نے اپنی کتاب میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ ایک شخص فرعون کے پاس انگور کا خوشہ لایا اور خواہش کی کہ اگر وہ خدا ہے تو اسے سونے کا بنا دے۔ فرعون نے اسے دوسرے دن آنے کو کہا۔ رات میں فرعون پریشان بیٹھا تھا کہ ابلیس آیا۔ اور اس نے خدا کا نام دم کرکے انگور کے خوشے پر پھونکا۔ خوشہ سونے کا بن گیا۔ ابلیس نے کہا کہ اس کمال کے باوجود خدا کو میرا ایک سجدہ نہ کرنا پسند نہ آیا۔ تیرا اس جہالت کے بعد وہ کیونکر گوارا کرے گا کہ تو خود کو خدا کہے۔ فرعون نے آدم کو سجدہ نہ کرنے کا سبب پوچھا۔ تو ابلیس نے جواب دیا اس لئے کہ تو خدا کی صلب میں موجود تھا۔

جناب مفتی محمد عباس کا نام آپ نے سنا ہوگا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ شیطان ہر شخص کو اچھا کام کرنے سے باز رکھتا ہے اس لئے کہ اچھا کام اس کے پاس برائی ہے اور برائی کو اچھائی بنا کر اس کے کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ شیطان کا یہ اقتدار اور علم و عبادت ایسی کہ معلم الملکوت ہم سب مل کر عبادت کریں تو اس کی ایک عبادت کے برابر نہ ہو۔ لیکن یہ سب بیکار ہو کر رہ گئیں۔ صرف اس لئے کہ محبت نہ تھی۔ اصل غرض عبادت محبت ہے۔ محبت نہیں تو نہ نماز نماز ہے اور نہ روزہ۔ روزہ جو چیز اصل غرض خلقت ہو۔ وہ دین نہ ہوگی تو اور کونسی چیز ہو سکتی ہے؟ امام محمد باقر فرماتے ہیں۔ ھل الحب من الایمان سوائے الحب۔ کیا محبت کے علاوہ بھی ایمان کوئی اور چیز ہے؟ ایمان ہی کو محبت کہتے ہیں۔ امام جعفر صادق فرماتے ہیں۔ الطبع ھو الحب والحب ھو الطبع۔ محبت ہی اطاعت (دین) ہے۔ اور اطاعت (دین) ہی محبت ہے۔ معصومین کے ارشادات سے تائید ہوتی ہے کہ دین یا عبادت کا دوسرا نام محبت ہے۔ کل عرض کر چکا ہوں کہ روح مجرد ہے مادی نہیں استعمال کے اعتبار سے روح میں کیفیت پیدا ہو جاتے ہیں اور انسان کے مر جانے کے بعد ان کیفیات میں تغیر نہیں پیدا ہوتا۔ اس لئے کہ جسم باقی نہیں رہتا۔ انسان اپنی زندگی میں خلقت کی غرض و غایت پوری کرے یعنی محبت کرے تو مرنے کے بعد روح میں اس کا استحکام ہو جائے گا۔

انسان کا جسم جن عناصر سے مرکب ہے ان میں قوت۔ جذب و دفع نہ ہو تو جسم انسانی برقرار نہیں رہ سکتا۔ انسان نظام شمسی کا ایک جزو ہے۔ نظام شمسی ایک بہت ہی وسیع نظام ہے۔ جس میں آفتاب کے اطراف آٹھ دس سیارے گردش کر رہے ہیں۔ اس کا

تقطر کم و بیش دو ارب میل اور محیط چھ ارب میل ہے۔ یہ سیارے اپنے محور پر گھومتے ہوئے گردش کر رہے ہیں۔ ان میں ایک عجیب قرینہ کار فرما ہے۔ یہ سیارے کیا دیکھ رہے کہ آپس میں نہیں ٹکراتے؟ زمین اس سال ۱۴ مارچ کو ۱۰۰ اپنے مرکز سے جتنے فاصلہ پر تھی ہر سال اس تاریخ کو اتنے ہی فاصلہ پر رہے گی۔ یہی کیفیت مشتری اور دوسرے سیاروں کی ہے آفتاب سے ان کا فاصلہ ہمیشہ مقررہ ہوتا ہے۔ نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دو قوتیں کام کر رہی ہیں ایک قوتِ جذب اور دوسری قوتِ دفع ایک قوت کھینچ رہی ہے اور دوسری دفع کر رہی ہے دونوں قوتیں برابر کی نہ ہوں اور اپنا اپنا کام نہ کریں تو نظام عالم درست نہیں رہ سکتا۔ اگر قوت دافعہ نہ ہو تو چند سیکنڈوں میں سیارے آفتاب سے مل جائیں گے۔ اور اگر قوتِ جاذبہ نہ ہو تو دور ہو جائیں گے نظام شمسی درہم برہم ہو جائے گا۔ اگر قوتِ جاذبہ نہ رہے تب بھی عالم فنا اور اگر قوتِ دافعہ نہ ہو تب بھی اسی قوتِ جاذبہ کو محبت کہتے ہیں اور قوت دافعہ نفرت کہلاتی ہے۔ محبت کا نام ہے تولّی اور نفرت کا نام ہے تبرّا۔ جسم انسانی بھی اسی عالم کے اجزاء سے بنتا ہے۔ ان اجزاء کے ذرّات میں جنہیں ایٹم کہتے ہیں۔ الکٹرون اور پروٹون یعنی منفی اور مثبت برقی حرارت ہوتے ہیں۔ ان میں بھی یہی عمل جذب و دفع موجود ہے یہ حقیر ترین ذرے اگر مل جائیں تو مادہ فنا ہو جائے یا پھر الگ ہو جائیں تب بھی بے پناہ تباہی آ جائے۔

اس اصول سے نوع انسانی مستثنیٰ کیسے ہو سکتی ہے؟ کسی کا یہ کہہ دینا کہ اسے کسی سے نفرت یا محبت نہیں غلط ہے انسانی اعضاء جیسے کان آنکھ، زبان وغیرہ کے کچھ دوست اور کچھ دشمن ہوتے ہیں۔ ہر کڑوی چیز زبان کی دشمن ہوتی ہے، اس سے نفرت ہوگی۔ برخلاف اس کے شیرینی کو زبان قبول کرے گی۔ وہ دوست ہوئی۔ اس طرح کرخت آواز کو کان سننا نہیں چاہے گا۔ اور بری شکل کو آنکھ دیکھنا نہیں چاہتی۔ جب اعضاء میں یہ کیفیت پائی جاتی ہے تو دل میں کیسے نہ ہوگی؟ اصل شے محبت ہے عداوت یا نفرت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب محبوب کی مخالفت ہو۔ محبوب نہ ہو تو نفرت نہ ہو۔ اہل بیت رسولؐ سے محبت کا دعویٰ اور ان کے دشمنوں سے محبت یہ دو متضاد باتیں ہیں۔ اہلبیت سے محبت ہو تو ان کے دشمنوں سے نفرت ناگزیر ہے

دوست تین طرح کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح دشمن بھی۔ ایک تو دوست دوسرے دوست کا دوست اور تیسرے دشمن کا دشمن۔ دشمنوں میں ایک ہرا دشمن۔ دوسرا دوست کا دشمن۔ تیسرا دشمن کا دوست۔ کوئی اگر یہ کہتا ہے کہ وہ اہلبیت سے محبت کرتا ہے تو پھر اس کے دشمنوں سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ دوست کا دشمن اپنا دشمن ہوتا ہے۔ مثلاً یزید اہل بیت کا دشمن تھا۔ وہ ہمارا بھی دشمن ہوا۔ اور ہم اس سے محبت نہیں کر سکتے۔ اس سے زیادہ فطری کوئی اور چیز نہیں تو کیا دین اس سے علیحدہ ہوگا؟ ہم نظام شمسی کا تذکرہ کر رہے تھے زہرہ اور مشتری اگر اس نظام سے نکال کر پھینک دیئے

جائیں تو کیا یہ باقی رہے گا؟ ایک سیارہ کو بھی اگر ہٹا دیا جائے تو یہ نظام نہیں رہے گا بلکہ فساد آ جائے گا۔ آفتاب مغرب میں غروب ہوتا ہے۔ مقررہ وقت پر اور قاعدے کے تحت اگر اسے غروب ہونے نہ دیا جائے یا غروب ہو جانے کے بعد پھر پلٹا یا جائے تو نظامِ شمسی کو درہم و برہم ہو جانا لازمی ہے۔ امیرالمومنینؑ کا آفتاب کو پلٹانا یہ معجزہ نہ تھا۔ - بلکہ معجزہ درحقیقت یہ تھا کہ مرکز کو کھینچ لیا۔ لیکن نظام میں کوئی تبدیلی نہ ہونے دی۔ حالانکہ آفتاب کے پلٹنے میں اسے کئی ہزار لاکھ میل لوٹنا پڑتا۔ معجزہ یہاں یہ ہے کہ مرکز ہٹ رہا ہے اور کائنات اپنی جگہ قائم ہے۔

اسی محبت کے بارے میں جس کی ہم بحث کر رہے تھے۔ پروردگارِ عالم نے کئی آیات نازل فرمائیں۔ اور رسولؐ کی بھی کئی حدیثیں ہیں۔ ایک حدیث یہ ہے لاعطینا الرایۃ رجلا کرارا غیر فرار یحب اللہ ورسولہ ——— ویفتح علیٰ یدیہ۔

علم تو علی کو ملا۔ اور فتح بھی علی کے ہاتھوں پر ہوئی لیکن علم نہ ملنے کا ملال اصحابِ رسول کو عمر بھر رہا جسے علم دیا گیا وہ خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا و رسول اسے ..... دوست رکھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ارشاد باری ہے۔ یا ایہا الذین آمنو... الخ اے ایمان والو! اگر تم مرتد ہو جاؤ تو مجھے کیا پروا جو لوگ خدا کو دوست رکھتے ہیں۔ خدا بھی انہیں دوست رکھتا ہے اور وہ مومنین سے تواضع سے پیش آتے ہیں اور کافروں پر سخت ہیں۔ اگر خدا سے محبت ہے تو اس کے بعد تمام صفات کا تذکرہ لازم محبت ہے اور نہیں تو کچھ نہیں۔ اصل شے ہے محبت۔ دسویں پارہ کے آخری حصّہ میں ارشاد باری ہے ورضوان من اللہ اکبر ذالک ھو الفوز العظیم۔ خدا کی خوشنودی سب سے بالاتر ہے یہی تو بڑی کامیابی ہے۔ خوشنودی محبت سے حاصل ہوتی ہے۔ اور رحمت حسن بہانہ ڈھونڈتی ہے۔ وہ تو بخشنے کے لئے بہانہ ڈھونڈتی ہے۔ ہر ایک کی جنت الگ الگ ہے۔ جناب فضہؑ کنیز ہیں جناب سیدہؑ کی۔ ابن مسعود نے ایک دفعہ ان سے راستہ میں کہا کہ جنت مبارک ہو۔ جناب فضہ نے دریافت کیا کیسی جنت۔ ابن مسعود بولے رسول کی صحبت میں رہتی ہو اور یہ نہیں معلوم کہ جنت کیا ہے۔ حضرت فضہ نے دیدۂ دولت جناب امیرؑ کو بتا کر کہا کہ میری جنت تو یہ کاشانہ ہے۔ جہاں میرے آقا و مولا رہتے ہیں۔ دنیا حرام ہے آخرت والوں پر امیرالمومنینؑ کی جنت، پروردگار کی خوشنودی تھی۔ فرماتے ہیں میرے معبود! تیری عبادت اس لئے نہیں کرتا ہوں کہ مجھے جنت کی طمع یا جہنم کا خوف ہے بلکہ اس لئے کہ تو اس قابل ہے کہ تیری عبادت کی جائے۔ تیری عزت و جلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تو مجھے جہنم میں ڈال دے تو میری زبان سے حرفِ شکایت نہ نکلے گا۔ مجھے تیری خوشنودی منظور ہے

رسول اللہ کی حدیث ہے کہ اسلام میں بہتر فرقے ہیں۔ رسول نے فرمایا ہے کہ ان میں سے ایک نجات پائے گا اور باقی سب فی النار ہوں گے۔ آپ نے کسی فرقہ کا نام

نہیں لیا۔ سمجھنا یہ ہے کہ وہ کونسا فرقہ ہے جو جنت میں جائے گا۔ سارے فرقے نماز پڑھتے ہیں۔ روزہ رکھتے ہیں۔ حج میں بہت سے حاجی ہیں۔ زکوٰۃ دینے والے ہیں۔ لیکن معلوم ہوا کہ خدا ان نمازوں سے اور روزوں سے خوش نہیں۔ یہ تمام اعمال اس کے نزدیک بیکار ہیں۔ خدا ان سے راضی نہیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ نمازیوں کے پیشانی کے گٹھوں کو دیکھ کر وہ خوش ہو جاتا۔ لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس نے اپنی مرضی کسی کو دے رکھی ہے۔ جیسے مرضی دے دی ہے، اگر وہ خوش نہیں تو سارے اعمال بے کار ہیں۔ ارشاد فرماتا ہے ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء ——— جان کے لی رضائے دی۔ سارے نمازیں۔ روزے حج۔ زکوٰۃ کچھ بھی نہیں جب تک وہ خوش نہیں جسے خدا اپنی مرضی دے چکا۔ جنت کس چیز پر موقوف ہے؟ رضامندی پر۔ رضامندی کے معنی ہیں۔ محبت جس چیز کی وجہ سے جنت ملتی ہے وہ ہے عین دین یعنی محبت۔ انسان آیا ہے تو فطرت میں محبت لے کر آیا ہے، محبت کے ساتھ فطرت میں خوف بھی ہے محبت کے ساتھ ساتھ خوف کھانا بھی ضروری ہے۔ جھوٹا ہے وہ جو یہ کہے کہ وہ خوف نہیں کھاتا۔ دنیا میں بے شمار چیزیں ہیں۔ جن سے انسان خوف کھاتا ہے خوف کا ظرف جو انسان لے کر آتا ہے۔ وہ مختلف قسم کے ڈر سے بھر جاتا ہے۔ افسروں کا ڈر۔ ماں باپ کا ڈر۔ وحشی جانوروں کا ڈر۔ یہ خوف مختلف چیزوں میں بٹ جاتا ہے۔ بعض لوگ خدا سے ڈرتے ہیں یہ ظرف اگر خدا کے خوف سے پُر ہو جائے تو پھر کسی کا خوف نہیں رہے گا۔ جو لوگ خدا کا خوف رکھتے ہیں وہ موت کا استقبال ہنستے ہوئے کرتے ہیں وہ کسی چیز سے نہیں ڈرتے۔ یہی حال محبت کا ہے۔ ہماری محبت بٹ گئی ہے۔ ماں باپ اولاد۔ دوست وغیرہ میں عشق آسمان سے نہیں آتا۔ جب ساری محبتیں سمٹ کر ایک ظرف میں آجائیں تو اس کا نام ہوتا ہے عشق جس ظرف میں خدا کی محبت بھری ہوتی ہے اس میں دوسری محبتیں داخل نہیں ہونے پاتیں۔ اور اگر اس دوسری ساری محبتیں ہوں تو پھر خدا کی محبت اتنی نہیں ہوتی جتنی کہ ہونی چاہیئے۔ خدا کی محبت غالب ہو۔ تو دوسری محبتیں غلط۔ یہ ظرف اگر غلط قسم کی محبتوں سے بھر گیا تو پھر وہ نجس ہے۔ بھول کر بھی غلطی کی جائے تو اس کا خمیازہ روح کو بھگتنا ہی پڑے گا۔ اسے یوں سمجھئے اگر کوئی شخص بھول کر زہر کھالے، نہ جان کر بلکہ جہالت سے تو اس کا مرنا یقینی ہے۔ زہر کا اثر للذی ہے۔ ہر چند کہ وہ خودکشی کی تعریف میں نہ آئے۔ گناہ نہ سہی لیکن زہر کا اثر تو روح پر ہو گیا۔ ایک چیز ہے یقین جس کے معنی ہیں کہ اعتقاد مطابق واقعہ ہو جیسے خدا کا ایک ہونا۔ اس کے مقابل میں جہل مرکب ہے حکمائے اخلاق نے اس کی تعریف یوں کی ہے۔ کسی شخص کا کسی چیز کو نہ جاننا اور یہ سمجھ لینا کہ وہ اسے جانتا ہے اور صحیح طور پر جانتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نماز غلط طریقے سے پڑھ رہا ہے اور یہ جان رہا ہے کہ صحیح طریقہ یہی ہے۔ یہ جہل مرکب ہے۔

اں کس کہ ندانند و بداند کہ بداند۔ در جہل مرکب ابدالدہر بماند

جس طرح تپ دق کے تیسرے درجے میں جسم کو گھن لگ جاتا ہے۔ اسی طرح غلط اعمال کی وجہ سے روح متاثر ہو جاتی ہے۔ ارشاد باری ہے وجوہٌ یومئذٍ خاشعۃ عاملۃ ناصبۃ تصلیٰ ناراً حامیۃ تسقیٰ من عین آنیۃ۔ ترجمہ۔ قیامت کے دن کچھ چہرے ایسے ہوں گے جو ذلیل و رسوا ہوں گے۔ دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ انہیں کھولتے ہوئے چشمے کا پانی پلایا جائے گا۔ انہیں ایک خار دار غذا کھلائی جائے گی (جو بہت بدبودار ہوگی) یہ حال ان لوگوں کا ہوگا جو نماز میں خضوع و خشوع کرتے کرتے تھک جاتے تھے۔ یہ ہے کیا بات؟ صرف یہی کہ عمل غلط تھا۔ لیکن اس کے صحیح ہونے کا اعتقاد تھا۔ یہ جہل مرکب ہے جو قلب کی سیاہی کو بڑھاتا ہی گیا۔ اگر کسی شے کی غلط محبت ہو گئی اور وہ شے قابل نفرت ہو تو قلب و روح کی سیاہی بڑھ جائے گی۔ غلط عقیدہ رکھنا اور اس پر عمل کرنا جہنمی بنا دے گا۔ انسان کا عمل اور تمام عالم کے ذرات ملن کے حرکات و سکنات سب محفوظ رہتے ہیں۔ ختم نہیں ہو جاتے۔ بالکل اسی طرح جیسے ظلم میں آواز۔ شکلیں اور حرکات محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی کہہ دے کہ اس نے ایسا نہیں کیا۔ ثبوت میں یہ سنا دیا جائے گا۔ اعمال کی وجہ سے جو صفتیں روح میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ وہ مستحکم ہو جاتی ہیں اور انسان کے مر جانے کے بعد ان میں تغیر ناممکن ہے۔ قرآن نے اسے ثابت کر دیا ہے۔ میں نے کل عرض کیا تھا جسم تو ختم ہو کر یہیں رہ جاتا ہے اور اوصاف لئے ہوئے روح چلی جاتی ہے۔ روح کے ساتھ محبت صحیح اور کچھ غلط صفتیں چلی جائیں تو ان کی وجہ سے روح کچھ نہ کچھ نجس ہو جاتی ہے۔ اس سے بچنے کے لئے ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہوگا۔ یہ ایسا مرض ہے جس کا علاج ضروری ہے۔ جس طرح امراض جسمانی میں ایک کامل طبیب جو حقائق ادویہ اور حقائق مرض سے کما حقہ واقف ہوتا ہے۔ صرف ایک دوا تجویز کرتا ہے۔ اسی طرح اس طبیب حاذق کامل نے امراض روح کے لئے ایک دوا تجویز کی ہے۔ رسول ارشاد فرماتے ہیں کہ خدا نے چار آدمیوں سے محبت کرنے کا حکم آپ (رسول) کو دیا تھا۔ وہ چار آدمی سلمان۔ ابوذر مقداد اور عمار ہیں۔ اور یہ چاروں علی کے در کے سوائے کہیں اور نظر نہ آئیں گے۔ حکم اس لئے دیا گیا کہ یہ چاروں امیر المومنینؑ سے محبت کرتے تھے اصل شے محبت ہے۔ ابتداء محبت، انتہا محبت آغاز محبت، انجام محبت۔ آغاز کل عرض کیا تھا کہ کفر خفیہ۔ ابتداء محبت سے ہوئی۔ قرآن پکار کر کہہ رہا ہے۔ یوم ندعو کل اناس بامامہم۔ تمام لوگ

اپنے اپنے امام کے ساتھ بلائے جائیں گے۔ مولائے متقیان کا ارشاد ہے کہ میدان حشر میں ہر شخص اس کے ساتھ آئے گا۔ جس کے ساتھ اُس نے محبت کی تھی۔ محبت فطری چیز ہے۔ پروردگار عالم نے راستہ معین فرما دیا۔ ارشاد ہوتا ہے قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ یہ دلیل محبت ہے۔ رسول نے اس کی وضاحت یوں فرمائی ہے:

من مات علی حب آلِ محمدؐ مات شہیداً۔

جو شخص مرجائے محبت میں آلِ محمدؐ کی وہ شہید مرتا ہے مگر ساری دنیا محبت علیؑ پر جمع ہو جاتی تو خدا کو جہنم پیدا کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ آپ کہیں گے نفرت کے لئے بھی کوئی آیت ہے؟ سنئے ارشاد باری ہے انا الشیطٰن علوّ یہاں فقط شیطان کے معنی ہمیں سمجھنا ہیں۔ شیطان، ابلیس کا نام نہیں، اس کا نام تو عزازیل ہے۔ چونکہ عزازیل نے شیطنت کی تھی، وہ شیطان کہلایا۔ اسی طرح وہ سب لوگ، شیطان کہلائیں گے جو شیطنت کرتے ہوں۔ انبیاؑ سے نفرت کا حکم ہے۔ اس لئے کہ شیطنت کرنے والا عین شیطان دشمن ہوتا ہے۔

محبت یا تو جمال کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ یا کمال کی وجہ سے، یہ اور بات ہے کہ نظر دھوکہ کھا جائے اور لوگ قبیح کو حسن اور نقص کو کمال سمجھنے لگیں۔ اس مسئلہ کو اصولی حیثیت سے طے کرنا ہے سب سے زیادہ صاحب کمال اور صاحب جمال کون ہے؟ ظاہر ہے، خدا سے زیادہ کون صاحب کمال و جمال ہوگا اس لحاظ سے سب سے زیادہ قابل محبت خدا ہوگا۔ لیکن بغیر مناسبت محبت نہیں ہو سکتی۔ ہم نے خدا کو دیکھا، نہ آواز سنی نہ اس سے مصافحہ کیا۔ اس کی ذات کا ادراک ناممکن۔ مناسبت سے محبت ہوتی ہے۔ افتراق و ضد سے نفرت ہوتی ہے۔ آنکھ اچھے رنگوں کو پسند کرتی ہے، شیریں آواز کان کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ جتنی مناسبت ہوتی ہے اتنی ہی محبت بھی ہوگی۔ اور جس قدر اتحاد طبیعت ہوگا اسی قدر محبت زیادہ ہوگی۔ علیؑ اور رسولؐ کے اتحاد طبیعت کی گواہی خداوند دے رہا ہے علیؑ رسولؐ کے نفس تھے۔ ان میں اتحاد طبیعت بے انتہا تھی۔ اس لئے محبت بھی کمال پر تھی۔ اس اتحاد کا اظہار رسولؐ نے یوں فرمایا لحمک لحمی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صفات کے اعتبار سے ان میں مغائرت ناممکن ہے۔

غرض کہ بغیر محبت نہیں۔ آپ حضرات کا تکلیف برداشت کر کے یہاں جمع ہونا دلیل محبت ہے۔ اگر نہیں مانتے تو یوں سہی کہ آپ میں بچی ہوئی طینت کا جو ذرہ ہے وہ آپ کو کھینچ لایا ہے۔ ارشاد معصوم ہے۔ شیعتنا من فاضل طینتنا۔ ظاہر ہے کہ دشمنوں کی طرف تو نہیں جا سکتے اسی لئے فرمایا، ہمارے دوست ہمارے ساتھ بہشت میں رہیں گے۔ ہم محبت سے بحث کر رہے تھے، پروردگار عالم سے ہماری کوئی مناسبت نہیں۔ ہم پیدا تو کئے گئے محبت کے لئے لیکن باوجود کمال و جمال کے خدا سے محبت نہیں کر سکتے۔ کیا وہ ہماری مجبوری سے واقف نہ تھا؟ وہ غنی ہم فقیر، وہ واجب، ہم ممکن، کوئی ربط ہی نہیں پھر محبت کیسے ہو؟ لیکن علاقہ اور تعلق ظاہر کرنے کے لئے سوائے محبت کے کوئی چیز نہیں یہ جانتے ہوئے

کہ ہم اس سے محبت نہیں کر سکتے اس پر فرض ہو جاتا ہے کہ ایک ایسی مخلوق پیدا کرے جس سے محبت کی جا سکے۔ اور اس مخلوق سے محبت اللہ کی محبت قرار پائے جو غرض خلقت ہے۔ اس مخلوق کی صورتیں تو ہماری جیسی ہوں۔ اور صفات، اس کی ہوں، مناسبت صورت کی وجہ سے اس مخلوق سے محبت کرنا ممکن و آسان ہو گیا۔ اور اس مخلوق کے اوصاف کی وجہ سے ہماری محبت بالواسطہ خدا تک پہنچ جاتی ہے۔ وہ مخلوق ایسی نہ ہو جس میں عیب ہو۔ عیب سے نفرت واجب ہو جاتی ہے لہذا اس مخلوق کا سر سے پاؤں تک بے عیب ہونا ضروری ہے۔ اور سوائے سرکار محمد و آل محمد کے اور مخلوق بے عیب نہیں۔ اس کی تصدیق خود پروردگار عالم نے آیۂ تطہیر سے فرما دی ہے۔ محمد و آل محمد ہی مظہر صفات جمالیہ و کمالیہ باری تعالیٰ ہیں۔ اصل غرض و غایت خلقت صرف محبت اہلبیت ہے۔ جب محبت ہو گئی، اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ عبادت سے مراد اگر معرفت لی جائے تو معرفت خدا بغیر محبت اہلبیت نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ معرفت بغیر محبت بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔ شیطان کو معرفت الٰہی تو تھی لیکن محبت نہ تھی۔ اسی لیے تو وہ جہنمی قرار پایا۔ بغیر محبت کے معرفت بے کار ہے لیکن محبت کبھی بے کار نہیں ہو سکتی۔ چرواہے نے خدا سے محبت و خلوص کو جن الفاظ میں ظاہر کیا تھا وہ موسیٰ کو تو گوارہ نہ ہوئے لیکن قدرت کو پسند آ گئے۔ جبریل کو حسینؑ کی گہوارہ جنبانی کا ثواب عرش کی عبادت سے زیادہ ملا۔ یہ محبت ہی تو تھی جو جبریل کو وہب کلبی کی شکل میں حسینؑ کی خدمت میں کھینچ لائی۔ جبریل اور میکائیل ہی منحصر نہیں، عاشور کے دن ستر ہزار فرشتے حسین کی مدد کے لیے موجود تھے۔ انصار نے محبت کے سارے مدارج ختم کر دیئے۔ جان دے دی اولاد کو قربان کر دیا۔ عابس ابن شبیب شاکری نے تو محبت میں جلد سے جلد مرنا چاہا۔ مرنے والوں کی وفاؤں کو یاد کرتے ہوئے جب حسینؑ مسلم ابن عوسجہ کی لاش پر گریہ فرما رہے تھے تو ان کے بچہ نے جنگ کی اجازت چاہی۔ فرمایا۔ تیری ماں کے لئے تیرے باپ کا غم بہت ہے۔ اس نے کہا میری ماں نے ہی مجھے بھیجا ہے۔ چونسٹھ بیبیوں میں سے کسی نے بھی قید کی مصیبت کا شکوہ نہیں کیا۔ زینب کا خیمہ سے نکل جانا، آپ کی چادر کا چھن جانا، دربار میں جانا۔ اسے زینب کے دل سے ہی پوچھیے۔ جناب زینبؑ کے عقد کے وقت امیر المومنین نے عبداللہ ابن جعفر طیار سے شرط کی تھی کہ حسینؑ جب سفر کرے تو زینبؑ کو نہ روکنا۔ اس میں جو راز مضمر تھا۔ اسے حسینؑ نے کربلا میں ظاہر فرمایا۔ آخری رخصت کے وقت بھائی نے بہن سے کہا کہ یزید میری مظلومیت کو چھپانے کی کوشش کرے گا۔ بہن نے وعدہ کیا کہ جب تک مظلومیت کا اعلان نہ کر دوں، آرام نہ لوں گی۔ دربار یزید آراستہ ہے اہلبیت دست بستہ کھڑے ہیں اور یزید کہہ رہا ہے کہ خدا نے تمہارے بھائی کو قتل کیا۔ اور تمہیں ذلیل کر کے دربار میں لایا۔ علی کی بیٹی کو جلال آیا۔ وہ خطبہ ارشاد فرمایا کہ دربار میں ایک تہلکہ مچ گیا، اور یزید کی بیوی دربار میں چلی آئی۔ یزید نے اسے چادر اوڑھانا چاہی۔ ہندہ نے کہا تجھے میرے پردہ کا خیال ہے اور فاطمہؑ کی بیٹیاں بے پردہ ہیں۔

★

سلسلہ مطبوعات مجالس بناکردۂ

شہزادہ والاشان نواب معظم جاہ بہادر دام اقبالہٗ

پانچویں مجلس (مکتل)

از

علامہ حافظ کفایت حسین صاحب قبلہ
(بمقام دیوڑھی نواب کمال یار جنگ مرحوم)

۲۹ صفر ۷۶ھ ۵ اکتوبر ۱۹۵۶ء

مرتبہ

اکرم فاطمی

ملنے کا پتہ
مکان آرائش بی کلاس ۱۲ زہرا نگر۔ قریب منڈی میر عالم

اعجاز مشین پریس چھتہ بازار

ہدیہ دو آنہ

نوٹ :۔ بیان اور مطالب کی صحت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ تاہم کوئی فروگذاشت رہ گئی ہو تو ازراہ کرم معاف فرمایئے

(بسم اللہ الرحمن الرحیم)

خدا کی حمد و ثنا اور محمدؐ و آل محمدؐ پر درود و سلام کے بعد

ارشادِ باری تعالیٰ ہے افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السموات والارض طوعاً و کرھاً والیہ یرجعون ۝ آیت کا ترجمہ خاص طور سے سماعت فرمایئں۔

ترجمہ: پروردگارِ عالم فرماتا ہے کیا لوگ اللہ کے دین کے غیر کی خواہش کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کے لئے آسمان اور زمین والے اپنی اطاعت کی گردنیں جھکائے ہوئے ہیں خوشی کے ساتھ یا قہر و جبر کے ساتھ اور سب کی بازگشت اسی کی طرف ہے۔

کل آپ کی خدمت میں "لہ اسلم من فی السموات والارض" کی توجیہ عرض کی تھی۔ اس کی نظیر اگر دین اللہ کی طرف راجع ہو اور دین اللہ سے مراد امیرالمومنین ہوں تو واضح ہے کہ کائنات کی ہر شے آپ کی بارگاہ میں اپنی اطاعت کی گردن جھکائے ہوئے ہے بہرحال یہ ایسی چیز ہے جس کا پتہ ان بے شمار واقعات سے چلتا ہے جو کتب اہل اسلام میں مسطور ہیں۔ قرآن مجید نے جسے دین اللہ کہا ہے، حکمائے الٰہیین نے اسے متفق علیہ طور پر بیان کیا ہے۔ اور علمائے اسلام نے بھی اپنی تصنیفوں میں جگہ دی ہے۔ آج میں اسی کے ذیل میں چند توضیح طلب باتیں آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں

علمائے اخلاقیات کے نزدیک یہ مسلمات سے ہے کہ ایک فرد انسان جیسے زید۔ عمر بکر انسان صغیر کہلائے گا اور ان کا مجموعہ یعنے تمام عالم، سوائے اللہ انسان کبیر کہلائے گا۔ انہوں نے حجم کے اعتبار سے ایک فرد انسان کو انسانِ صغیر اور تمام عالم کو انسانِ کبیر قرار دیا۔ چونکہ انسانِ کبیر کا قیام روحِ کل کی وجہ سے ہے اس لئے اس کو انسان کبیر کہا گیا۔ یہ وہ باتیں ہیں جن سے کوئی پڑھا لکھا آدمی انکار نہیں کر سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو کچھ تمام عالم میں ہے وہ اس انسان صغیر میں موجود ہے۔ انسان کبیر میں انفرادی حیثیت سے جو کچھ پایا جاتا ہے۔ انسان صغیر میں اس کا نمونہ جزئی حیثیت سے موجود ہے۔ حکماء، فلسفی اور علمائے اخلاقیات نے ایک قانون کلیہ قرار دیا ہے۔ جس کا نام انہوں نے قاعدہ تطابق رکھا ہے۔ یعنی جو کچھ انسان کبیر میں علیحدہ علیحدہ پاؤ گے وہ انسان صغیر میں جزئی حیثیت سے موجود ہے گا۔ اس مطابقت کو دوسرے الفاظ میں یوں ظاہر کیا جا سکتا ہے کہ جو کچھ انسانِ صغیر میں دیکھو انسان کبیر میں موجود پاؤ گے۔ انسان کبیر میں ابلیس اور اس کا گروہ اور قوتِ واہمہ ملے گی۔ اور انسان صغیر میں رسول ظاہر اور رسول باطن یعنے عقل تاکہ عقل انسانی کبھی غلطی نہ کر سکے ہم اپنے مسلمات کو عقلیات کا نام دیتے ہیں لیکن فرق ہو کر رہ جاتے ہیں کیونکہ خداوندِ عالم نے انسان صغیر میں ایک عالم کبیر رکھ دیا ہے چنانچہ امیرالمومنین ارشاد فرماتے ہیں۔

تزعم انک جرم صغیر۔ وفیک انطوی العالم الاکبر

اے انسان تو یہ سمجھتا ہے کہ ایک چھوٹا سا جسم ہے۔ تیرے اندر پروردگار نے ایک عالم اکبر آباد کیا ہے۔ پروردگارِ عالم ارشاد فرماتا ہے۔ علم آدم الاسماء کلھا ... ہم نے آدم کو تمام ناموں

کی تعلیم دی۔ علماء محققین کہتے ہیں کہ ان سے مراد تمام مخلوق عالم ہیں۔ یہ دلیل ہے اس امر کی کہ انسان ہی عالم اکبر آباد ہے۔ دلیل یہ ہے کہ انسان کو ان چیزوں کا علم ہو سکتا ہے جن کی مناسبت اس کے اندر موجود ہے۔ اور ان کا نہیں ہو سکتا جن کی مناسبت اس میں موجود نہیں مثال کے طور پر علم الالوان یعنے رنگوں کے علم کو لیجئے۔ اگر کوئی شخص شکم مادر سے نابینا پیدا ہوا ہو تو دنیا کے سارے مقرر دلیچرار کی کوششوں کے باوجود وہ کبھی یہ سمجھ سکے گا کہ سبز رنگ کیسا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس نے دیکھا ہی نہیں اسی طرح روشنی و تاریکی کو بھی نہیں سمجھ سکتا۔ معلوم کرنے کا ذریعہ جو چیز تھی یعنی آنکھیں وہ اس کے پاس نہیں۔ اور دیکھے بغیر اپنی عقل و فہم پر انتہائی زور ڈالنے کے باوجود اس کی سمجھ میں یہ آ ہی نہیں سکتا کہ سبز کیا ہے اور سرخ کیا ہے۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو شکم مادر سے نابینا تھا۔ اس کی قوت حاسہ اس قدر سنیاوہ تھی کہ جانور پر ہاتھ رکھ کر اس کا رنگ بتا سکتا تھا۔ یہ ایک حیرتناک اور استثنائی چیز تھی۔ اس کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ جانوروں کی کھال سے مختلف قسم کی شعاعیں نکلتی رہتی ہیں تو ہو سکتا ہے کہ قوت حاسہ کی زیادتی کی وجہ سے وہ نابینا جانور پر ہاتھ رکھ کر اس جانور کا رنگ بتلا دیتا تھا۔ مگر صرف جانوروں ہی کی حد تک کیونکہ کسی دوسری چیز کا رنگ وہ بتلا نہیں سکتا تھا۔ تو معلوم ہوا کہ جب تک مناسبت نہ ہو۔ انسان کو کسی چیز کا علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ آم کی مثال لے لیجئے۔ جب تک چکھ نہ لے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ شیریں ہے یا ترش۔ یہ مزہ ہے یا پھیکا کیونکہ زبان ذائقہ کے بغیر اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی شخص ایک خام قسم کا آم کھائے اور ایک ایسے شخص سے اس کی تعریف کرنا شروع کر دے جس نے اس قسم کا آم کبھی کھایا ہی نہیں۔ تو جس نے کھایا ہے وہ تو الفاظ میں سمجھانے کی کوشش کرے گا کہ اس کا مزہ ایسا تھا۔ لیکن حقیقت میں ذائقہ کو دوسرے کے ذہن تک پہنچانے سے قاصر رہے گا۔ اور صرف تشریحات پر اکتفا کرے گا۔ حقیقی معنوں میں دوسرا شخص اس وقت تک نہ سمجھ سکے گا۔ جب تک کہ اس کو زبان ذائقہ نہ بتا دے۔ یعنی جب تک وہ خود نہ کھالے۔ اسی طرح کوئی شخص بہرا پیدا ہوگا تو وہ آواز کو سمجھ ہی نہ سکے گا۔ کوئی اندھا پاگل ہوتا ہی نہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اندھوں کا حافظہ تیز ہوتا ہے۔ کیونکہ ادراک کی قوتیں تیز ہو جاتی ہیں۔

اس گفتگو سے یہ نتیجہ نکلا کہ حواس جزئیات کو معلوم کر کے عقل تک پہنچاتے ہیں۔ یعنی ہر چیز کی حالت و کیفیت حواس خارجیہ کے ذریعہ سمجھ میں آتی ہے اگر یہ معطل ہو جائیں تو عقل تو موجود ہے لیکن سمجھ نہیں سکتا۔ ایک بات عرض کرتا ہوں۔ فرض کیجئے کہ جتنے بھی انسان ہیں سب کے سب بہرے پیدا ہوتے تو کبھی کسی کو تصور ہوتا کہ سننے کی بھی کوئی قوت ہے؟ اس کا تصور ہی نہیں ہوتا۔ اب تصور اس لئے ہے کہ ہم سنتے ہیں۔ اسی طرح اگر تمام عالم کو آنکھیں نہ ملتیں تو اس کی طرف توجہ بھی نہ ہوتی۔ ہے دنیا میں کوئی شخص جو اس بات پر دلیل قائم کر سکے کہ چھٹا حس موجود ہے جو عقلی ہے کہ حواس اتنے ہی ہوتے ہیں۔ ناممکن ہے کہ کوئی دعویٰ کر سکے اُن حواس کے متعلق جو اور ہو سکتے ہیں۔ علمائے حیوانیات نے

تسلیم کر لیا ہے کہ چیونٹیوں میں ایک خاصیت ودیعت کر دی ہے کہ وہ بارش ہونے سے قبل معلوم کر لیتی ہے کہ بارش ہونے والی ہے۔ آسمان بالکل صاف ہو۔ اور چیونٹیاں اپنے سوراخوں میں چلی جا رہی ہوں تو یہ علامت ہے کہ بارش ضرور ہوگی۔ برخلاف اس کے اگر کتنا ہی مطلع ابر آلود ہو اور گھنگور گھٹائیں چھائی ہوں لیکن چیونٹیاں اپنے سوراخوں سے نکل رہی ہوں۔ اور زمین پر پھیلی ہوئی ہوں تو یہ علامت ہے کہ بارش نہ ہوگی۔ مشاہدہ ہے اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ وجہ عقلی یہ ہے کہ ان کو یہ حاسہ دیا جانا ضروری تھا۔ اگر نہ دیا جاتا تو بارش ان کی نوع کو ختم کر دیتی۔ قدرت نے جسے جس چیز کی ضرورت تھی دی۔ ایک دوسری مثال شہد کی مکھیوں کی ہے تجربات سے معلوم ہو چکا ہے کہ ان کو سمت معلوم ہو جاتی ہے شہد کی مکھی کو اگر ہم کسی ڈبیہ میں اس طرح بند کر دیں کہ اس میں ہوا جا سکے اور دس میل کے فاصلہ پر جا کر چھوڑ دیں۔ تو وہ سیدھی اپنے گھر کی طرف جائے گی۔ کیونکہ اس کو سمت کا پتہ چل جاتا ہے۔ برخلاف اس کے اگر میری آنکھوں پر پٹی باندھ کر کسی اجنبی مقام پر چھوڑ دیا جائے تو میں گھر نہیں جا سکتا۔ اور سمجھ ہی نہیں سکتا کہ کدھر جانا ہے۔ یہ حاسہ ہم بھی پایا جاتا تو ہم اطمینان سے گھومتے پھرتے خدا جانے اور کیا کیا چیزیں ایسی ہیں۔ ابھی تو دنیا الف ب ت میں ہے۔

بینائی کے ذریعہ ہم کتنے علوم حاصل کرتے ہیں مثلاً رنگوں کے علوم پر رنگوں کا علم۔ اس ضمن میں کئی شعبے آجاتے ہیں خاصیتوں کا علم حقیقتوں کا علم۔ مناظر قدرت۔ حسن کا کمال پہاڑوں کی پیمائش۔ دریاؤں کے عرض و طول وغیرہ کی پیمائش اس ایک حاسہ سے متعلق کتنے ہی علوم ہیں اگر یہ حاسہ نہ ہوتا تو ان علوم سے انسان بے بہرہ رہتا تو معلوم ہوا کہ جس قدر حاسے اور ہیں۔ جو انسان میں نہیں ہیں ان سے متعلق جتنے علوم ہوں گے ان سے یہ جاہل رہے گا ان علوم کا وہی دعویٰ کر سکتے ہیں۔ جو مخزن ہیں سارے علوم کے اور وہ ہیں محمدؐ اور آلِ محمدؐ قدرت نے انہیں انسان کامل بنایا ہے اگر یہ سارے علوم جانتے ہوں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہو سکتی ہے۔ آدم کو تمام حقائق کی تعلیم دے کر بھیجا۔ اگر مناسبت نہ ہوتی تو علم کیسے ہو سکتا۔ آدم میں اس کی مناسبت موجود ہے۔ اس لئے آدم ہوا انسان صغیر۔ چنانچہ فرمایا کہ اس میں ایک عالم اکبر پوشیدہ ہے

آنکھ۔ ناک۔ کان۔ زبان اور دوسرے تمام اعضائے جسم انسانی رعیت کی حیثیت رکھتے ہیں اور دل ان پر حکمران ہے تو ظاہر ہے کہ تمام رعیت مسخر ہو گی۔ اور دل فاعل بالتسخیر ہو گا۔ فاعل کی کئی قسمیں ہوں گی۔ مثلاً تم نے لکھا ہاتھ کی حرکت سے میں نے لکھا۔ آنکھوں نے گھڑی دیکھی گھڑی دیکھی گئی۔ آنکھوں سے گھڑی کو دیکھا آنکھوں نے میری آنکھوں نے گھڑی دیکھی۔ مجاز میں تو اس قسم کی تعلیم ہوں گی۔ لیکن حقیقت میں مطلب ایک ہی ہے۔ فاعل کی طرف منسوب کر دیں تب بھی حقیقت اور نہ منسوب کریں۔ تب بھی حقیقت۔ چونکہ تمام اعضاء رعیت مطیع ہیں نفس کے اس لئے وہ فاعل بالتسخیر ہوا۔ تسخیر کا مطلب یہ ہے کہ حکم دینے کی ضرورت نہ ہو۔ ادھر ارادہ ہوا اور اعضاء مصروف ہو گئے۔ کیا نفس یا دل کسی آنکھ کو حکم دیتا ہے

کہ دیکھو یا کان سے کہتا ہے کہ سنو۔ ناک سے کہتا ہے کہ سونگھو۔ زبان سے کہتا ہے کہ چکھو اور ہاتھ سے کہتا ہے کہ لکھو۔ پیر سے کہتا ہے کہ چلو۔ یہ ادھر ارادہ ہوا اور حرکت شروع ہو گئی۔ ہمارے ارادہ و حرکت میں فصل نہیں۔ جب ہمکو خدا نے ایسی مطیع رعیت دی ہے تو اوسکی بھی کوئی حیثیت ہوگی۔ ارادہ وہ کرے گا نقص کا ظہور اس رعیت سے ہوگا۔ اور رعیت بہت زیادہ مطیع ہونی چاہیئے۔ وہ کسی اور نوع مخلوق میں نہ ہوگی۔ بلکہ انسان میں ہوگی جو اشرف نوع اور اشرف مخلوق ہے کائنات عالم سے بلند ہے اس میں نہ ہو تو اور کس میں ہوگی۔ بہرحال یہ بیحد نفیستوں اور عبرتوں کے لئے ہیں۔ ہماری رعیت اس وقت تک اطاعت کرتی ہے جب تک عادت کے خلاف نہ ہو۔ اگر خلاف عادت ہو تو نافرمانی کرتی ہے۔ کسی کو صبح اٹھنے کی عادت ہے تو عادت کے مطابق صبح وقت مقررہ پر آنکھ ہوشیار ہو جائے گی۔ کسی کو بارہ بجے رات تک جاگنے کی عادت ہے تو اس سے قبل کبھی نیند نہ آئے گی۔ کسی کو جلد سو جانے کی عادت ہے تو وقت پر سو جائے گا۔ خاص طور سے توجہ فرمایئے ایک شخص کا لڑکا درد گردہ سے تڑپ رہا ہے تو عادت کے باوجود باپ کو نیند نہ آئے گی۔ کیفیت جمعیت غالب آ جاتی ہے نیند پر۔ فیصلے سامنے ہاتھ پیر باندھ کر ڈال دیجئے نیند نہیں آئے گی کیفیت خوف غالب ہے۔ ایک ایسا بھی انسان کامل ہے جو اس وقت تک سوتا ہی نہیں جب تک ایک ایک لاکھ رکعت نماز نہ پڑھ لے یہ اس کی عادت ہے۔ اس کا محبوب جان سے زیادہ عزیز ہے خوف کے پیاسے دشمنوں کی تلواریں سایہ فگن ہیں۔ اتنی کیفیتیں ہیں۔ اطاعت کی، محبت کی اور خوف کی۔ ان کی موجودگی میں نیند نہیں آسکتی۔ مگر خدا کا حکم ہوا سو جاؤ علی سو جاتے ہیں، اور فرماتے ہیں ایسا کبھی نہیں سویا۔ یہ ایسی بلند مرتبہ کی رعیت ہے جو فرما سکتی ہے انا امر اللہ۔ یہ رعیت ہے خدا کی۔ ادھر ارادہ ہوا اور فعل کا ظہور ان کے ذریعہ سے ہو گیا۔

اس جسم انسانی کو ایک روح عطا ہوئی۔ جس کی وجہ سے انسان عالم صغیر کہلایا۔ عالم کبیر میں بھی کوئی روح ہونی چاہیئے تاکہ وہ زندہ رہ سکے۔ عالم صغیر میں روح جزئی ہوئی تو عالم کبیر میں روح کلی ہونی چاہیئے۔ بر خلاف کائنات سے پہلے خلق کی گئی ہو۔ وہ عالم کے ہر ذرہ کی حرکت سے باخبر رہتی ہو۔ بالکل اسی طرح کہ جس طرح پیر میں کانٹا چبھنے سے انسان کو یعنے عالم صغیر کو معلوم ہو جاتا ہے۔ انسان یا دوسرے الفاظ میں عالم صغیر کے متعلق جب ہم غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ روح نامیہ کی ترقی سے حیوان اور پھر انسان بنا یعنی جمادات سے نباتات اور نباتات سے حیوانات اور حیوان سے انسان تک ترقی ہوئی۔ اب اگر انسان کی ترقیوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شکم مادر میں تو صرف روح نامیہ تھی۔ رفتہ رفتہ روح حیوانیہ اور پھر روح انسان تک پہنچا۔ یعنے عقل و سمجھ آئی۔ پیدائش کے بعد جیسے جیسے زمانہ گذرتا جاتا ہے۔ قوت تجسس بڑھتی جاتی ہے۔ اور اشیاء کے نام معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے

یہ پوچھتا ہے یہ کیا ہے وہ کیا ہے۔ کچھ زمانہ گزرا عقل بالملکہ پیدا ہوئی۔ معلوم سے مجہول کو معلوم کرتا ہے۔ آخری عقل، عقل مصطفےٰ جہاں غور و فکر کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ پہلی عقل سے نام سیکھتا ہے اس کے بعد معلومات حاصل کرنے کی قابلیت۔ آخری منزل کہ غور و فکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں یہ ہے عالم صغیر کی عقلوں کی آخری منزل۔ عالم کبیر کی جو پہلی عقل تھی اس کا نام تھا آدم اس کی طرف اشارہ تھا علم آدم الاسماء کلہا آخری درجہ پر عقل مصطفےٰ کی جگہ محمد مصطفےٰ آئے ایک مسئلہ امیر المومنین سے پوچھا گیا۔ صحابی رسول اسے مشکل سمجھ رہے تھے۔ امیر المومنین نے فوراً جواب دے دیا۔ انہوں نے کہا علی بڑے تعجب کی بات ہے کہ کسی مسئلہ پر غور و فکر نہیں کرتے۔ فوراً جواب دے دیتے ہو کہنے والے سے پوچھا تمہارے ہاتھ میں کتنی انگلیاں ہیں؟ اس نے جواب دیا پانچ۔ آپ نے فرمایا جس طرح تیرے ہاتھ کی پانچ انگلیاں تیرے سامنے ہیں۔ اسی طرح کائنات کے تمام حقائق میرے سامنے ہیں۔ اس انسان کبیر کی تربیت آدم سے شروع ہوئی۔ عقل ہیولائی عطا ہوئی جناب آدم اس منزل میں ہیں جہاں ہم نام سیکھتے ہیں تو آخری منزل تک کس قدر فاصلہ ہے۔ ظاہر ہے آخری منزل اس بلندی پر ہوئی کہ اس کے بعد کوئی بلندی نہیں اور یہ منزل و بلندی عطا ہوئی محمدؐ و آلِ محمد کو۔ جناب آدم ابتدائی منزل میں اس قدر اونچے ہیں کہ حقائق عالم سجدہ کر رہے ہیں تو محمدؐ و آلِ محمدؐ کی کیا منزل ہوگی جہاں ہمارے طائر تخیل کی پرواز ناممکن ہے۔

گذشتہ مجالس میں عرض کیا تھا کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ خلق السمٰوات والارض فی ستۃ ایام۔ وقت کی تنگی کی وجہ سے اس کی تفصیلات و تشریحات بیان نہ کر سکا تھا۔ لیکن اب چاہتا ہوں کہ اس پر کچھ روشنی ڈالوں امید ہے کہ آپ حضرات توجہ سے سماعت فرمائیں گے اس کی مجھ سے فرمائش بھی کی گئی ہے۔ ارشاد فرمایا ہے کہ آسمان و زمین کو چھ دن میں خلق کیا۔ لفظ یوم کے معنی دن کے ہیں۔ ہماری زبانوں پر ہے لیکن اس کے بھی اقسام ہیں۔ ایک تو ہمارا دن جو چوبیس گھنٹہ کا ہوتا ہے۔ دوسرا ربی دن اور تیسرا الٰہی دن۔ ربی دن کے متعلق سترواں پارہ سورہ حج کی ۴۷ ویں آیت میں ارشاد فرماتا ہے وانّ یوماً عند ربک کالف سنۃ مما تعدون تیرے رب کے نزدیک ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہے الٰہی دن کے متعلق ۲۹ ویں پارہ سورہ معارج کی تیسری آیت میں اس طرح ارشاد ہو رہا ہے تعرج الملٰئکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ۔ جس کی طرف فرشتہ اور روح الامین چڑھتے ہیں۔ وہ ایک دن پچاس ہزار برس کا ہوگا۔

نجوم اور تاریخ کے اعتبار سے حضرت آدم سے جناب رسالتمآب تک چھ ہزار سال ہوتے ہیں۔ ربی دن مساوی ہے ایک ہزار سال کے اس لئے چھ ہزار برس کے چھ دن ہوئے اب پڑھیئے آیت خلق السمٰوات والارض فی ستۃ ایام۔ کائنات کی تخلیق حضرت آدم کے زمانے سے شروع ہوئی اور اس کی تکمیل ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ کے زمانہ میں ہوئی۔ اس طرح چھ

ہیں کے لئے چھ ہزار سال کی مدت میں کائنات بنی اور پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اس وضاحت سے پروردگار۔۔۔۔ عالم کا ارشاد کہ دنیا چھ دن میں خلق کی گئی اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک بات خاص طور سے ذہن نشین کرنی ہے۔ اور وہ یہ کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ پر دنیا ختم نہیں ہو جاتی بلکہ آپ کے زمانہ میں اس کی تکمیل ہوتی ہے اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ رسالت مآب پر دنیا ختم ہو گئی تو پھر آپ کے وصال کے ساتھ ہی عالم کو فنا ہو جانا چاہیئے تھا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ رسول خدا کے زمانہ میں دنیا مکمل ہوئی اور اب تک مکمل حالت میں چلی آرہی ہے۔ اور قیامت تک رہے گی۔ اب یہاں سوال ہوگا کہ روح کلی جناب رسالتمآب کی دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی عالم میں کیسے قائم ہے۔ یہ ایک بڑا ہی معقول سوال ہے اور اس کے پیدا ہوتے ہی ایک بات سمجھ میں آتی ہے اور وہ یہ کہ حقیقت محمدیہ باقی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو عالم فنا ہو جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول کے بعد بھی روح کلی باقی ہے کوئی ایسی ہستی ضرور تھی جو رسول کی طرح کامل تھی۔ رسول کے بعد آل کے اہلبیت اطہار تمام کے لئے لنگر بنے رہے اگر روح کلی نکل جاتی اور شمع مصطفیٰؐ ہٹ جاتی تو عالم فنا ہو جاتا۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد اب ہم یہ سمجھیں گے کہ کس طرح کائنات کی ساری چیزوں کی بازگشت اسی روح کلی کی طرف ہے۔ حدود اللہ ہے اور یہ محمد و آلِ محمد ہیں۔ چنانچہ آیت جس کا میں عنوان کرتا آرہا ہوں اسی پر ختم ہو رہی ہے افغیر دین اللہ یبغون ؛ الیہ یرجعون۔ اللہ کے دین کے علاوہ اور کسی کی خواہش تو اس کی ضرورت ہی باقی نہیں۔ مبلغہ دین اللہ سے مراد اہلبیت اطہار ہیں۔ اور ان کے در پر مانگنے والوں کو سب کچھ مل جاتا ہے۔ یہ آیت ختم ہوتی ہے آیات کے اس سلسلہ میں جو تیسرے پارہ سورۂ آل عمران کے آخری رکوع میں ہیں اور جس میں تمام نبیوں سے عہد میثاق لیا گیا ہے اور دین کی توضیح کر دی ہے۔ واذا اخذ اللہ میثاق النبیین ..... انا معکم من الشاہدین ۰ فمن تولی بعد ذالک فاولئک ھم الفسقون افغیر دین اللہ یبغون ..... والیہ یرجعون۔ (اے رسول وہ وقت بھی یاد دلاؤ جب خدا نے پیغمبروں سے عہد و قرار لیا کہ ہم تم کو جو کچھ کتاب اور حکمت دیں اور اس کے بعد تمہارے پاس جو رسول آئے اور جو کتاب تمہارے پاس ہے اس کی تصدیق کرے۔ تو تم ضرور اس پر ایمان لانا۔ اور ضرور اس کی مدد کرنا۔ خدا نے فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا ان باتوں پر اور میرے (عہد کا) بوجھ اٹھا لیا سب نے عرض کی کہ ہم نے اقرار کیا۔ ارشاد ہوا تو تم آپس میں ایک دوسرے کے گواہ رہنا۔ اور تمہارے ساتھ میں بھی گواہ ہوں۔ اگر کوئی اقرار سے پھر جائے گا تو فاسق ہو جائے گا۔ ان آیات میں ایک چیز عہد ہے اور دوسرے وہ جس کا عہد لیا گیا ہے۔ تیسرے عہد پر قائم رہنے کا اقرار چوتھے اس اقرار پر ایک دوسرے کی گواہی۔ خدا کی گواہی کے ساتھ پانچویں اقرار سے پھر جانے پر فاسق ہو جانا قرآن کے ان مقامات کے اور حقائق کو دیکھنے اور سمجھنے کے لئے بصیرت کی آنکھیں چاہئیں۔

انبیا معصوم ہوتے ہیں اور ہر خطا سے بری ہوتے ہیں

ان سے اس طرح مخاطبت کہ اگر اقرار سے پھر جاؤ گے تو فاسق کہلاؤ گے۔ کسی طرح ان کے شایانِ شان نہیں معلوم ہوتی۔ ہماری آپ کی بزم میں شرفا اس طرح کی گفتگو کبھی گوارا نہیں کر سکتے: تو انبیاؑ سے ایسی گفتگو خدا کیسے گوارا کر سکتا ہے مطلب یہ ہے کہ کہہ رہا ہے انبیاؑ سے اور سنا رہا ہے بنی کہ اگر تم ایمان لانے کے بعد اپنے اقرار سے پھر جاؤ گے تو فاسق ہو جاؤ گے۔ ایک شخص اپنے ہمسائے کی بیوی کو کوئی نصیحت کرنا چاہے تو وہ اپنی بیوی کو مخاطب کرتا ہے اور ہمسائی سے کہتا ہے تم بھی سنتی رہو۔ مطلب یہ کہ کہتا تو بی بی سے ہوں مگر بات تم سے متعلق ہے قرآن ایسی شکل پہ نازل ہوا ہے۔ کہہ رہا ہے کسی سے اور سنا رہا ہے کسی کو۔ رسول کے پاس بیٹھنے والے کچھ ایسے تھے کہ جو آیت نازل ہوتی شک کرتے ایسے لوگوں سے خدا کو مخاطبت منظور نہیں اور نہ ان سے بات کرنا پسند کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ تو رہا ہوں رسول سے اور سنا رہا ہوں تم کو۔ کیونکہ تم میں یہ عیب موجود ہیں۔ قرآن میں ایک مقام پہ رسول سے ارشاد فرمایا ہے۔ لئن اشرکت یحبطن اعمالک۔ اگر تم شرک کرو گے تو تمہارے اعمال حبط ہو جائیں گے۔ حقیقی مخاطبت رسول سے نہیں ہو سکتی۔ اس کے مخاطب افرادِ امت ہیں جنہوں نے ایمان لانے کے بعد شرک کیا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے کہ تمہارے اندر شرک چیونٹی کی چال سے زیادہ مخفی چل رہا ہے۔ اور یہ حدیث رسول ہے جب ایسے لوگ موجود ہوں تو مخاطب افرادِ امت ہوں گے نہ کہ رسولؐ کہہ تو رہا ہے رسول سے اور مطلب یہ ہے کہ اے شرک کرنے والو تم سنو

نبیوں سے عہد لے رہا ہے کہ اے میرے بندو جب رسول آ جائے تو ایمان کا اظہار کرنا۔ اور مدد کرنا۔ اس اقرار کے بعد تو امت کو ختم ہو جانا چاہیئے تھا لیکن اس عہد و اقرار کی وہ اہمیت ہے کہ ایک نبی کو دوسرے نبی پہ گواہ بنا رہا ہے اپنی گواہی کے ساتھ۔ کہہ رہا ہے انبیاؑ سے اور سنانا مقصود ہے امتِ رسول کو۔ خدا نے اس آیت میں دین کی توضیح فرمائی ہے تفاسیر میں اختلاف ہے۔ لیکن میں یہ عرض کروں گا کہ اس رسول سے مراد سوائے جنابِ مصطفےٰ کوئی نہیں ہو سکتا۔ جو تصدیق رسالتمآب نے انبیاؑ سابق کی کی کسی اور نبی نے نہیں کی۔ تورات و انجیل میں بھی اس کا تذکرہ ہے کہ ایک رسول آئے گا جو ادیان سابقہ کی تصدیق کرے گا۔ اگر آنحضرت کا نام مٹا دیا جائے تو عیسائی و یہودی اپنے پیغمبروں کی نبوت ثابت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ نبوت کی تصدیق کے لئے یا تو کتاب ضروری ہے یا معجزہ۔ معجزہ تو ختم ہو گیا کتاب ہی رہ گئی۔ تو رات و انجیل مرتب کرنے والوں نے نبیوں کی جو گت بنائی ہے اسے دیکھ کر دل لرز اٹھتا ہے۔ ہمارے پیغمبر کا احسان ہے کہ انہوں نے عیسیٰ موسےٰ کی نبوتوں کی تصدیق فرمائی۔ تورات میں لکھا ہوا ہے کہ ایک مرتبہ داؤد جب نماز کے لئے کھڑے تھے تو مسجدہ گاہ کے قریب ایک خوبصورت جانور دیکھا۔ نماز توڑ کر چاہا کہ اسے پکڑ لیں وہ اڑ گیا اور قریب کی دیوار پہ جا بیٹھا۔ داؤد اس کے پیچھے بھاگے جب دیوار کے قریب پہنچے تو وہ دیوار سے اڑ کر نیچے زمین پہ بیٹھ گیا۔ داؤد دیوار پہ سے کود پڑے اس مقام پر صاحب خانہ کی بیوی نہا رہی تھی۔ یہ ہیں انبیاؑ

کے حالات تو رات ہیں۔ ایسی حرکت تو ہم آپ سے نہیں ہوگی جس کتاب میں ایسے مہملات شامل ہو جائیں وہ اللہ کی کتاب نہیں کہی جا سکتی۔ اسمیں لکھے ہوئے نبی کو کیسے نبی کہا جا سکتا ہے۔ یہ احسان ہے محمد مصطفیٰؐ کا کہ داؤدؑ اور موسیٰؑ خدا کے نبی ثابت ہوئے۔ ایسی تصدیق نبیوں کی کسی اور نبی نے نہیں کی۔ خدا تو جانتا تھا کہ جب وہ آئیں گے تو کوئی نبی نہ ہوگا تو اقرار لینا بے معنی تھا۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی اولوالعزم نبی زندہ رہے جو تمام انبیاء و مرسلین کی نیابت کر سکے اور تمام انبیاءؑ کی طرف سے اظہارِ ایمان اور نصرت کرے تاکہ یہ میثاق قائم رہے۔ آدم نے دُنیا سے جاتے وقت اپنے جانشین سے وصیت کی کہ بھیجنے والے رسول پر ایمان لانا اور اس کی نصرت و مدد کرنا۔ نوحؑ نے اپنے جانشین سے ابراہیمؑ نے اپنے جانشین سے اور موسیٰؑ نے اپنے جانشین سے یہی کہا اسی طرح سب نبی گذرتے چلے گئے اگر کوئی نبی نہ رہتا تو میثاق قائم نہ رہتا۔ یہی وجہ تھی کہ خدا نے عیسیٰؑ کو زندہ رکھا ان کو چاہیئے تھا کہ رسول اللہ کے زمانے میں آتے مگر نہ آئے عیسیٰؑ اگر آ جاتے تو مطلب یہ ہوتا کہ عہد ابھی تک تھا۔ لیکن عہد تو اس وقت تک باقی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ جب تک حقیقت محمدیہ کا آخری جزو نہ آ جائے۔ اس لئے رُکے ہوئے ہیں عیسیٰؑ اور قدرت رو کے رکھی ہے۔

عیسیٰؑ اس انتظار میں ہیں کہ وہ آئے تو اظہار ایمان کریں۔ جب مدد کریں گے تو عیسیٰؑ ظہور ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے امام کا نام منصور ہے۔ امام کے پیچھے عیسیٰؑ مامون بن کر نماز پڑھیں گے۔ ہمارا عقیدہ ہے دلائل کی روشنی میں۔ اندھی تقلید نہیں۔ سوائے جناب محمد مصطفیٰؐ کے آئمہ طاہرین تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ پہلا جانشین ایسا تو ہو کہ محمد کا نفس بنے اور آئہ مباہلہ میں آئے۔ ایک طرف نفس محمد تھے تو دوسری طرف نفس اللہ تھے۔ نفس ایسا تو ہو کہ اگر محمد ہٹ جائیں۔ تو لوگ محمد کہیں اور بک جائے تو رضائے الٰہی کا مالک بن جائے۔ ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد۔ اس حقیقت کو دُنیا نے پسند نہیں کیا۔ کوششیں کی گئیں کہ انہیں مٹا دیا جائے چنانچہ ہر چیز میں اشتباہ پیدا کر دیئے گئے کسی نہ کسی راوی کے نام سے ان کے مقابل دوسروں کے لئے احادیث وضع کی گئیں۔ لیکن اللہ بڑی طاقت والا ہے۔ اس نے حقیقت محمدیہ کو مٹنے نہیں دیا۔ مخالفین کی ساری تدابیر اور کوششوں کے باوجود آج تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ امام مہدی آخرالزماں آئیں گے۔ یہ اسی کی ٹھہری قوت ہے کہ کسی مسلمان نے اختلاف نہیں کیا سوائے اوس کے جس نے خود مہدی بننا چاہا لیکن باوجود مہدویت کے دعویٰ کے کسی کے لئے عیسیٰؑ نہ آئے اور دعویٰ غلط ثابت ہو گیا۔ سندھ میں ایک دعویدار مہدویت پیدا ہو گئے ہیں اور یہ لطف ہے کہ پیچھے نماز پڑھنے کے لئے عیسیٰؑ بھی فراہم کر لئے ہیں۔ اس بات میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ پیش نماز کیسا ہو۔ کسی نے کہا عدالت شرط ہے۔ کسی نے کہا کوئی ضروری نہیں اقتدوا الصلوٰۃ لکل بر و فاجر۔ ہر فاسق و فاجر نماز پڑھا سکتا ہے پیش نماز کے متعلق اختلاف ہو گیا۔ لیکن اس پر اتفاق ہے کہ جب کبھی دو نماز پڑھانے والے جمع ہو جائیں تو اس کے پیچھے نماز پڑھو جو دونوں میں بہتر ہے پھر یہی کہوں گا

اکبر قدرت نے تمہاری حیثیت سے اختلاف نہ ہونے دیا اللہ اکبر اور یہ دلیل ہو گئی اس بات کی کہ امام مہدی عیسیٰ سے افضل ہوں گے۔ اس سے زیادہ واضح دلیل کی ضرورت نہیں۔ اس وقت یہ بات یاد آئی۔ محمد مصطفےٰ سے پہلے عیسیٰ آخری نبی اولوالعزم تھے۔ صاحب کتاب تھے صاحب شریعت تھے۔ ان کی شریعت سے ساری شریعتیں منسوخ ہو گئیں۔ ان کو خدا نے بغیر باپ کے پیدا کیا یہ کوئی کمال نہ ہوا اس لئے کہ بغیر ماں اور باپ کے خدا نے آدم کو پیدا کیا۔ حق ہر قدم پر اپنی شعاعیں دکھلاتا ہے۔ بغیر باپ کے کس لئے پیدا کیا۔ مجھے اس مطلب کو واضح کرنا ہے۔ بیٹے میں اجزائے بنیادی باپ کے ہوتے ہیں۔ انہیں کے اعتبار سے مزاج بنتا ہے اور قوتیں مزاج کے ماتحت ہوتی ہیں جن کی بنیاد مادی اجزاء پر نہ ہو وہ روحانیت ہی سے حاصل ہوتی۔ تبھی مادر میں بھی۔ روح اللہ پیدا ہوئے تو ہی روح اللہ بڑے ہوئے تو کہہ دیا۔ گہوارہ بنانا۔ شادی نہ کرنا۔ تمہاری توجہ صرف میری طرف۔ صرف خدا کی فکر ہے۔ زندگی دنیا کی اسی کثیف فضا میں گزاری تھی اور لطیف فضا تک پہنچنا تھا اسی لئے روحانیت بٹھائی گئی تھی۔ لیکن عیسیٰ کی روحانیت بس اس قدر تھی کہ چوتھے آسمان پر رک گئے آگے نہ بڑھ سکے۔ صدیاں گذر گئیں روحانیت بڑھتی ہی جا رہی ہے تبھی بڑھائی جا رہی ہے۔ روحانیت حقیقت محمدیہ کے پیچھے نماز پڑھنا ہے۔ کوئی آسان بات نہیں ہے عیسیٰ جس کے پیچھے نماز پڑھیں گے وہ امام اس قدر اونچا نظر آرہا ہے تو حسنؓ و حسینؓ کس قدر اونچے ہوں گے اور ان کے باپ کس قدر اونچے ہوں گے۔ کیونکہ حدیث رسول ہے کہ الحسن والحسین سید شباب اہل الجنۃ و ابوہما خیر منہما حسنؓ و حسینؓ سردار ہیں جوانانِ بہشت کے اور ان کے باپ ان دونوں کے سردار۔ اب تو کوئی شبہ نہ رہا۔ کہ انبیاء سے افضل قرار پائے۔ نبی کیوں نہ کہلائے۔ تینوں سے افضل ہو کر یہ سوال ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب اسی آیت میں ہے۔ کیونکہ اس آیت میں کہا ہے کہ جتنے نبی تھے سب سے عہد میثاق لیا گیا تھا۔ اگر نبی کہلاتے تو عہد کرنے والوں میں ہوتے۔ اللہ نے تمام نبیوں سے عہد لیا کس کے متعلق محمد مصطفےٰ اور ان کی اہل بیت کے متعلق جو محمد کے جزو تھے۔ اور ان کی شریعت کے محافظ۔ حضرت عیسیٰ آئیں گے تو ان تمام نبیوں کے عہدوں کو لے کر آئیں گے یا دوسرے الفاظ میں تمام نبیوں کی نمائندگی کریں گے۔

اللہ نے عہد لیا توحید ہو گئی۔ نبیوں سے عہد لیا نبوت ہو گئی۔ اقرار گواہی کے بعد اقرار سے پلٹ جانے پر فاسق ہو جانا عدل ہو گیا۔ رسالتمآب کا ذکر آگیا رسالت ہو گئی۔ حقیقت محمدیہ کا انتظار کرنا اور ظہور کے بعد عیسیٰ کا مامون بننا امامت ہو گئی۔ کیونکہ محمد مصطفےٰ کے زمانے میں اور ان کے بعد ابھی تک عیسیٰ کا نہ آنا اور کسی کا انتظار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ عیسیٰ کو حقیقت محمدیہ کے ظہور کا انتظار ہے۔ اول امام سے آخر امام تک سب چیزیں آگئیں۔ اب فرماتا ہے افغیر دین اللہ یبغون ..... کیا تم اللہ کے دین کے غیر کی خواہش کرتے ہو؟ دین اللہ تو یہ ہے جو بیان کیا گیا ہے۔ ہیں نبی حضرت دین اللہ کی جان؟ اب اگر کوئی ان کی امامت کا اقرار کرے تو دیندار کہلائے گا۔ اور اگر انکار کرے تو میں تو اتنا کہوں گا

کہ وہ دین میں داخل نہیں۔ ان کی محبت کا نام دین خدا ان کی محبت و ولایت کے بغیر نہ نماز نہ روزہ ان کی فات مومن کی نماز ہے۔ اقام الصلوٰۃ المومنین و ذکوٰۃ ھم و جھادھم۔ امیرالمومنین ارشاد فرماتے ہیں۔ مومنوں کی نماز میں ہوں۔ زکوٰۃ میں ہوں۔ جہاد میں ہوں توریت میں تحریف ضرور ہوئی۔ لیکن اس کے اصل نسخے بھی موجود ہیں۔ جن میں پروردگار عالم ارشاد فرماتا ہے۔ موسیٰ اپنی اُمت سے کہہ دو کہ جو مانگو گے ہارون اور اس کے بیٹوں کے ذریعہ سے ملے گا۔ موسیٰ ان سے کہہ دو کوئی عمل قبول نہیں کروں گا جب تک ہارون اور ان کے بیٹوں کو وسیلہ نہ بنائے۔ صحیح بخاری میں موجود ہے۔ یا علی انت منی۔ منزلت ھارون من موسیٰ یہی مناسبت ہے ہارون کے بیٹوں کے ناموں میں یہاں حسنؑ و حسینؑ ہم ہیں تو وہاں شبر و شبیر علامہ سلیمان قندوزی حنفی بلخی اپنی کتاب ینابیع المودت میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک یہودی رسالتمآب کی خدمت میں آیا اور سوالات و جوابات کے بعد مسلمان ہو گیا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ کل نبی وصی حق ہی آیا۔ اس کا وصی اس کے بعد آیا۔ آپ کا وصی کون ہے جواب میں فرمایا ایک نہیں بارہ ہیں۔ عرض کیا نام تعلیم کیجئے فرمایا اولاد علی۔ تعجب سے پوچھا توریت میں تو آخری نبی کے وصی کا نام ایلیا ہے آپ نے فرمایا صحیح ہے۔ ایلیا ہی علی کہتے ہیں۔ ان کے بعد ان کے دو بیٹے حسنؑ اور حسینؑ ان کے بعد علی ابن الحسین زین العابدینؑ۔ آخر تک نام بنام ارشاد فرمایا۔ رسالتمآب نے تو نام بنام ارشاد فرمایا تاکہ حجت باقی نہ رہے۔ مگر ان کے فضائل مٹتے مٹتے اتنے رہ گئے۔ غرض کرتا تھا کہ عیسیٰ آئیں گے اور حقیقت محمدیہ امام مہدی آخر الزمان کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے۔ تمام عالم کا اجماع ہے اس آنیوالے پر۔ ہندو، عیسائی، یہودی کسی آنیوالے کے منتظر ہیں کیونکہ یہ آخری جزو ہے۔ حقیقت محمدیہ کا۔ طبیعت زمانہ انتظار کر رہی ہے۔ زمین و آسمان منتظر۔ ذوالفقار حیدری منتظر۔ کیوں اس لئے کہ دین اللہ کا جز مکمل ہونے کو ہے گیارہواں پارہ سورہ یونس کی آیت (۲۰) میں ارشاد فرمایا ہے فانتظروا انی معکم من المنتظرین۔ کہہ دو تم بھی انتظار کرو۔ اور میں بھی انتظار کر رہا ہوں۔ ایک دوسرے مقام پر قرآن میں ارشاد ہے یوم ینادیکم۔۔ سننے والا کان لگا کر بیٹھا ہے۔ آسمان سے منادی کی ندا آئے گی سمجھ لینا کہ یہی دن ہے ظہور کا۔ خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ اللہ۔ ان کافروں سے لڑتے رہو جب تک فتنہ مٹ نہ جائے اور تمام دنیا میں خدا کا دین ہی دین ہو جائے۔ جاہد و بنیں کہا قاتلو کہہ رہا ہے۔ لڑتے رہنا۔ قتال کرتے رہنا کیا یہ آیت رسول اللہ کے لئے اتری۔ انصاف چاہتا ہوں۔ ساری دنیا میں حجاز اور حجاز میں مدینہ اس میں نفاق، شرک، فتنہ ہے یا نہیں اگر ہے تو فتنہ مدینہ سے نہ نکل سکا۔ جب ان سے خطاب نہ تھا تو اور کسی سے خطاب ہے۔ آیت اس کا انتظار کر رہی ہے۔ ابھی وہ آیا نہیں۔ جس وقت وہ آ جائے گا پھر قتال ہے اور اس وقت تک قتال ہے کہ فتنہ مٹ نہ جائے۔ اور تمام دنیا میں ایک دین ہو جائے۔

جب کہ وہ آئے گا تو اس وقت ابلیس بھی ختم کر دیا جائے گا۔ اس کو وقت معلوم تک مہلت دی گئی ہے۔ الی یوم الوقت المعلوم۔ وقت معلوم وہی ہے جس دن وہ آنے والا ہے وہ آخری حجت ہے محمد مصطفےٰ ہے۔ وہ نہ ہوتے تو زمین نہ ہوتی۔ زمین عبادت کے لئے ہے۔ ہمارے لئے نہیں۔ ایک شہر میں عبادت ہے تو لاکھوں میں نافرمانیاں ہیں۔ ایک ایسا موجود ہے کہ اس کی عبادت کا پلہ تمام عالم کی نافرمانیوں سے زیادہ وزنی ہے۔ جبھی تو زمین قائم ہے۔ کیونکہ وہ قائم ہے۔ جب وہ وقت آئے گا تو ذوالفقار خود بخود آواز دے گی۔ اے ولی خدا آ تو یہ وہی ذوالفقار ہے جس کو امام حسینؑ نے اپنی مدینہ سے روانگی کے وقت ام المومنین حضرت ام سلمہ کے حوالہ کیا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ جب میرا بیٹا زین العابدین واپس آئے تو اسے دے دینا۔ ولی خدا پوچھے گا تو اسقدر مضطرب کیوں ہے جواب دے گی، باپ کے بعد کی آواز اب تک آرہی ہے۔ ہل من ناصر ینصرنا ولی خدا دیوار کعبہ کے ساتھ پشت لگا کر آواز دیں گے۔ ہل من ناصر وہی آواز جو کربلا میں بلند ہوتی تھی اور کوئی نصرت کرنے والا نہیں تھا۔ وہ لوگ آئیں گے اور ان کی رگوں میں خون جوش مار رہا ہوگا۔ جنہوں نے امام کی نصرت کی اور جان دے دی۔ شہادت امام مظلوم وہ داغ ہے جو تمام ائمہ طاہرین کے دلوں پر ہے۔ خصوصاً سفشہا ہے کا گلا اور تیر سہ شعبہ چوتھے امام کی خدمت میں ایک شخص آیا اور دیکھا کہ پانی پینا چاہتے ہیں لیکن پیالہ آنسوؤں سے مشک ہو جاتا ہے اور بھینک دیتے ہیں۔ عرض کیا مولا کب تک روئے گا۔ فرمایا، یعقوب کے بارہ بیٹے تھے ایک گم ہو گیا تھا۔ علم نبوت سے جانتے تھے کہ زندہ ہے۔ اس پر اسقدر روئے کہ آنکھیں نابینا ہو گئیں۔

بیضت عینا بالحزن۔ میرے سامنے تو اٹھارہ جوان بنی ہاشم قتل کر ڈالے گئے ہیں کیسے نہ روؤں۔ اسنے عرض کیا مولا شہادت تو آپ کی میراث ہے۔ فرمایا کہ کیا ماں بہنوں کی سر برہنگی بھی ہماری میراث ہے آپ جانتے ہیں کہ شہزادیاں کتنے دن قید رہیں پورا ایک سال ایک بچی بھی قید خانہ میں مر گئی اس کی قبر قید خانہ میں بنی۔ جنازہ اٹھانے والا کوئی نہ تھا قید سے چھوٹ کر جب جناب زینب جانے لگیں اور دمشق کی بیبیاں آئیں تو کہا بھائی کی نشانی قید خانہ میں چھوڑے جا رہی ہوں۔ باپ کے بعد جی بھر کر پانی نہ پی سکی۔ اس کی قبر پر ٹھنڈا پانی ڈالنا۔ مردوں کا ذکر نہیں۔ بیبیوں کا ذکر کر رہا ہوں۔ کسی نے مستورات کسی بی بی نے شکایت کی تھی۔ جس وقت قافلہ دربار یزید کے قریب پہنچا اور قیدی دربار میں بلائے گئے تو بیبیوں نے سمٹ کر فاطمہ کی بیٹی زینب کو درمیان میں لے لیا۔ تاکہ لوگوں کی نظر نہ پڑے۔ لیکن یزید کے حکم سے سب کو ہٹایا گیا۔ کنیز فضہ نہ تھی۔ شمر نے جب آزیانہ لگانا چاہا اپنی قوم والوں سے مخاطب ہوئی۔ غلام حبشی بدل گئے اور تلواریں کھینچ لیں۔ بھرے دربار میں جس میں صحابی رسول بھی موجود تھے۔ کسی کو فاطمہ کی بیٹی پر رحم نہ آیا۔ اور کوئی کھڑا نہ ہوا۔ زینب بے چین ہو گئیں اور پکارا یا جدا یا محمد حبشی کنیز کے لئے تلواریں نکل گئیں لیکن آپ کی نواسی کی سفارش کرنے والا کوئی نہیں امام حسین نے وہ کارنامہ چھوڑا ہے کہ اس کا مثل ہو لہے اور نہ ہوگا۔ اپنے ساتھ مرد ایسے لائے تھے کہ تلواریں کہاں پیاسے رہے اور جان دے دی بچے ایسے لائے تھے کہ طمانچے کھائے لیکن شکایت نہ کی۔ عورتیں ایسی ساتھ

آئی تھیں کہ بھری ہوئی گودیاں خالی کر دیں۔ اور بچوں کو گھوڑوں پر خود سوار کر کے میدان جنگ میں بھیج دیا۔ امام حسین معصوم تھے۔ . . . . . .

. . . جناب رباب تو معصوم نہ تھیں۔ اولاد والو جب چھ ماہ کا بچہ ماں باپ کے ہاتھوں پر آتا ہے۔ اور مسکراتا ہے تو ان کے دل سے پوچھو۔ علی اصغر اپنے دادا علی کی شکل کے تھے۔ امام حسین جب میدان میں آئے اور استغاثہ بلند کیا تو خیمہ سے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ امام آئے اور پوچھا بہن زینب یہ فریاد کی آواز کیسی۔ بہن نے کہا بھائی قیامت ہو گئی آپ کے استغاثہ پہ علی اصغر نے اپنے آپ کو جھولے سے گرا لیا۔ امام نے علی اصغر کو گود میں لے لیا۔ گود میں علی اصغر ہیں۔ امام کیسے سوار ہوں۔ عام طور سے جب کوئی شخص گھوڑے پر سوار ہونا چاہتا ہے تو ایک ہاتھ میں باگ اور ایک ہاتھ گھوڑے کی پشت پر رکھتا ہے۔ انصاف سے فرمایئے جب دونوں ہاتھ میں بچہ ہو تو کس طرح سوار ہوں۔ معلوم ہوتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ کہ امام حسین نے بچے کو بہن کی گود میں دے دیا ہو۔ اور سوار ہونے کے بعد بہن نے بھائی کے حوالے کیا ہو۔ ابھی تک رباب کھڑی ہوئی تھی قریب آ کر کہا میرے آقا میرے بچے کو ذرا مجھے دے دیجئے۔ بی بی نے سمجھا کہ پیار کرنے کے لئے کیا ہے۔ رباب بچے کو لئے ہوئے خیمہ میں پہنچیں۔ علی اصغر کا کرتا اتارا۔ بالوں میں کنگھی کی آنکھ میں سرمہ لگایا اور باپ کی گود میں واپس دے دیا اور کہا جو گیا میدان میں واپس نہیں آیا۔ اسے کیا واپس لاؤ گے۔ حسین چلے گئے۔ بچے کے لئے پانی مانگا۔ تیر چلا یا تین پھال کا تیر معصوم کی گردن۔ حسین نے علی اصغر کی گردن اپنے بازو سے ہلا دی۔ تیر آیا اور معصوم کی گردن اور حسین کے بازو میں پیوست ہو گیا۔ حسین نے علی اصغر کی گردن سے تیر نکالا اور دیکھا کہ علی اصغر مسکرا رہے ہیں +

بقیہ ایک تقریر (صفحہ ۱۲۷ سے آگے)

ہونے سے رہ گیا ہے)

اللھم صلی علی محمد و آل محمد

جنت زندہ و پائندہ باد

تقریر کے بعض فقرے قلم بند نہیں ہو سکے ربط کے لئے کہیں چند الفاظ کا اضافہ ناگزیر تھا۔ تقریر دلپذیر ملفوظی شکل میں آپ کے سامنے ہے مگر الفاظ کے پیکر میں بوقت استدلال اعتمادی لب و لہجہ اور فضائل و مصائب کے وقت عرفان بدوش سوز و گداز کی بجلیاں کیسے بھری جائیں۔ سچ ہے رسول کے بغیر تو قرآن بھی کافی نہیں۔ اور بالفاظ حضرت غالب مرحوم کہاں سے لائے گا قاصد زبان میری دین تیرا۔

○

میں لطیف احمد انور ولد میاں روشن دین

B.II 35/49 ڈی بلاک اوکاڑہ

آج مورخہ ۱۵ مئی ۱۹۶۸ء بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ، بعد تحقیق و تقابل مسالک، شیعہ مسلک اختیار کرتا ہوں۔ کسی مسلک کے ساتھ میرے پہلے تعلقات آج سے ختم ہوتے ہیں۔ والسلام

لطیف احمد انور

الحاج حسن علی شاہ کاظمی

حافظ صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ کی ایک تقریر

"اجر رسالت" پر یہ یادگار تقریر لاہور کے مقدس تاجر مشائی مسلمان ڈاکٹر الطاف حسین صاحب مدظلہ کی کوٹھی پر ہوئی اور اس کے اقتباسات محترم المقام سید مرغوب احمد صاحب زاد مجدہ آفیسر ریلوے بورڈ کی کوٹھی پر ان کے ٹیپ ریکارڈ سے لئے گئے

خطبہ مسنونہ کے بعد سورہ شوریٰ کی آیت "قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا مودۃ فی القربیٰ" کو سرنامہ کلام قرار دیتے ہوئے فرمایا۔

اس آیت کا نام آیت مودت ہے۔ جو اس قدر مشہور ہے کہ اس نام کی رعایت سے مشہور علماء اسلام نے کتابیں تصنیف فرمائی ہیں مثل مودت القربیٰ از سید علی ہمدانی اور ینابیع المودت از شیخ سلیمان حنفی قندوزی مفتی دیار ترکیہ ان کتابوں میں وہ فضائل درج ہیں جن کو سننے کے بعد کوئی صحیح الفطرت انسان ایسا نہیں جو آل عدے محبت کرنے پر مجبور نہ ہو جائے۔ الا یہ کہ اس کی فطرت ہی مسخ ہو چکی ہو۔ وہ کون بزرگوار ہیں جن کی محبت اس آیت کی رو سے ہم پر واجب کی گئی ہے۔ اس کے ضمن میں دو تین باتیں آج پیش کروں گا۔ آیہ مجیدہ کا لفظی ترجمہ یہ ہے "اے میرے رسول اے میرے حبیب آپ کہدیں ان لوگوں سے کہ میں تبلیغ رسالت پر کوئی اجر تم لوگوں سے نہیں مانگتا سوائے اس بات کے۔ کہ میرے اقربا رشتہ داروں سے محبت کرو اس میں چند چیزیں قابل بحث ہیں مثلاً لفظ "قل" "آپ کہدیں اے حبیب" دوسرے لفظ "سوال" میں تم سے نہیں مانگتا سوائے اس کے یہاں "سوال" کے کیا معنی ہیں لفظ "مودت" معلوم ہونا چاہیے مودت کس کو کہتے ہیں۔ یہاں پر حصر کا کیا فائدہ ہے۔ کہ میں کچھ نہیں مانگتا سوائے قرابت داروں کی محبت کے اس کو یوں بھی کہا جا سکتا تھا۔ کہ میں قرابت داروں کی محبت مانگتا ہوں اگر ایسا ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ اس کے علاوہ بھی کچھ مانگنا چاہتے ہیں یا مانگ چکے ہیں۔ صرف اتنی ہی چیزیں اس مختصر وقت میں بیان کی جا سکتی ہیں تمام چیزوں کے بیان کے بعد آیت کا ماحصل کیا ہے جن کی محبت مانگی گئی ہے۔ ان میں کون کون سے صفات موجود ہیں۔ تاکہ معلوم ہو کہ جو چیز فطرت میں داخل نہیں وہ کیونکر مانگی جا سکتی ہے۔ مختصر الفاظ میں عرض کر دوں کہ جب کبھی صیغہ امر کا استعمال کیا جاتا ہے۔ زبان عربی میں ۱۲ معنوں پر مشتمل ہوتا ہے کبھی سوال کے معنوں میں کبھی سنت کبھی زجر کبھی الحاح وغیرہ کی حیثیت ہوتی ہے۔ لیکن جب "مطلق امر" ہو۔ تو تمام اصولیین کے نزدیک طے ہے کہ اس وقت اس کے معنی وجوب کے ہوتے ہیں جس طرح "نہی مطلق" "حرمت" کے لئے ہے۔ مزید تشریح سے وقت ضائع ہوگا۔ جب مطلق امر ہوگا۔ تو مخاطب کا ذہن جس طرف جاتا ہے وہ یہی ہے کہ ہم پر کوئی چیز واجب کی جا رہی ہے۔ ایک آقا غلام سے کہتا ہے کہ پانی

پلاؤ اگر یہ حکم سن کر ذکر تعمیل نہ کرے گا تو یہ جرم ہوگا۔

آیت میں رسول پر واجب کیا جا رہا ہے۔ کہ اے رسول یہ حکم دے دو تو رسول پر جس حکم کا دینا واجب کیا جا رہا ہے اس حکم کی تعمیل ہم پر واجب کیوں نہ ہوگی۔ خدا اپنا حکم بھی دے رہا ہے اور رسول کی طرف سے بھی حکم ظاہر ہو رہا ہے اس دوہرے زور کو لئے ہوئے تمام قرآن میں اپنی شان کی یہی ایک آیت ہے۔ کتنا پیارا اسلوب ہے۔ رسول حکم نہیں کر رہے ہیں بلکہ کہتے ہیں میں مانگتا ہوں، سائل بن کر طلب کرتا ہوں کہ ان لوگوں سے محبت کر دیہ وہ الفاظ ہیں کہ جس کو رسول کے ساتھ کچھ بھی محبت ہے۔ ان کی عظمت کا کچھ بھی تصور ہے۔ کوشش کرے گا کہ بدلی ہوئی فطرت کو بھی صحیح فطرت کے رخ پر لے آئے اور رسول کے سوال کو مان لے۔ جب بڑا چھوٹے سے مانگے تو اس کو کہا جاتا ہے امر۔ کوئی چھوٹا بڑے سے مانگے تو وہ کہلاتا ہے سوال اور جب برابر والے سے طلب کیا جاتا ہے تو اس کو کہتے ہیں التماس اس آیت میں خدا کچھ لوگوں کی محبت کے لئے رسول کو بحیثیت سوالی پیش کر رہا ہے۔

مودت کے معنے بھی محبت کے ہیں۔ اور قرآن میں محبت اور مودت دونوں کا استعمال ہوا ہے کسی زبان میں ایک ہی مفہوم و معنی کے لئے دو الفاظ کا وضع کیا جانا خلاف عقل ہے جب بھی ایک معنی کے لئے دو لفظ ہوں گے تو ان کے معنی میں کسی نہ کسی حیثیت سے فرق ہوگا۔ تلوار کے لئے عربی میں دو ڈھائی سو الفاظ ہیں اگرچہ ترجمہ ہر لفظ کا تلوار ہی ہوگا مگر تلوار کی خصوصیت کے اعتبار سے ہر لفظ کے معنی میں فرق ہوگا۔ مثلاً حسام اور سیف دونوں کے معنی تلوار ہیں۔ تلوار جب صفائی سے دو ٹکڑے کر دے تو اس کی ضرب سے جو آواز پیدا ہوتی ہے اس کی رعایت سے اس کو سیف کہتے ہیں۔ اور جب تلوار پہلو پر ضرب لگاتی ہوئی پسلیوں کو توڑ کر ریڑھ کی ہڈی پر جا کر رک جائے گی تو اس کی آواز صوت کو ..... مشابہت کی رعایت سے حسام کہا جاتا ہے۔ تلوار کے جوہر اور تلوار کی تیزی کے لئے الگ الگ نام ہیں۔ اور لفظوں میں معنی کے اعتبار سے کچھ نہ کچھ فرق ہے۔ مودت اور محبت دونوں کے اگر ایک معنی ہوں تو پھر ایک مطلب کے لئے دو لفظ کیوں اور جب خالق کائنات نے الگ الگ دو لفظ قرآن میں استعمال فرمائے تو یقیناً مفہوم میں فرق ہوگا۔ علماء اسلام نے الفاظ کے مفہوم کا فرق ظاہر کیا ہے مثلاً ایک لفظ ہے علم۔ چوتھی جماعت کا طالب علم بھی کچھ علم رکھتا ہے۔ دسویں جماعت والے کی بھی کچھ معلومات ہیں۔ ایم۔ اے پاس اور زیادہ ڈگریاں رکھنے والا بھی صاحب علم ہے۔ کیا چوتھی جماعت والے اور ایم اے والے لڑکوں میں کچھ فرق نہیں علم تو دونوں کو ہے مگر مفہوم میں فرق ہے۔ اگرچہ لفظ ایک ہی دونوں پر استعمال ہو رہا ہے۔ مسجد کا پیش نماز بھی عالم ہے جو پنج نمازوں کو تعلیم دیتے ہیں وہ بھی عالم ہیں۔ مجتہدین بھی عالم ہیں امام بھی عالم انبیاء بھی عالم اور خدا بھی عالم لفظ سب پر ایک ہی بولا جا رہا ہے لیکن لفظ کے مصداق کے اعتبار سے ہر جگہ معنی میں فرق ہوتا جا رہا ہے۔ شمع میں بھی نور ہے۔ بلب میں بھی نور ہے۔ چاند بھی نور اور سورج بھی نور مگر حقیقت کے اعتبار سے ہر جگہ نور کے معنی مختلف ہیں اسی اعتبار سے لفظ محبت ہے۔ محبت کے درجات ہیں۔ استحسان، مودت، خلت، عشق اور ولا ہر درجہ کی حقیقت الگ ہے۔

۱۔ استحسان:۔ اس درجہ محبت کا نام ہے جب دو آدمی آپس

ہمدردی کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کا بہی خواہ ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے نقصان کو گوارا نہیں کرتا بلکہ ایک دوسرے کی بہتری کی کوشش کرتے ہیں۔ تمام لوگوں میں یہ درجہ بھی نہیں پایا جاتا۔ جب سامنے ہوں تو محبت کی باتیں جب الگ ہوئے تو یاد بھی نہیں رہتا۔ اس درجہ محبت میں اگر ایک دوسرے کے حکم کو واجب العمل نہیں سمجھتا مگر اس کی بہبودی میں کوشاں رہتا ہے یہ پہلا درجہ محبت ہے۔

۲۔ دوسرا درجہ مودت ہے یہ اس منزل محبت کا نام ہے جہاں پر محبوب کا ہر حکم واجب العمل اس کا ہر قول و فعل محبوب اور قابل اتباع۔ محب کے لئے محبوب کا ہر امر واجب اور ہر قول محبوب اور ہر فعل قابل تاسی۔

۳۔ خلت اس درجہ محبت کا نام ہے جہاں پر ہمہ وقت محبوب کا خیال غالب رہے۔ کبھی غفلت نہ ہونے پائے۔ رگ و پے میں بس اس کا خیال رچ بس جائے۔

۴۔ عشق وہ منزل ہے جہاں پر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر اس کا ہو جاوے غیر کا خیال بھی نہ آئے۔

۵۔ ولا ہمارے تصور سے ماوراء اونچی منزل ہے۔ جو انبیاء و اولیاء سے مختص ہے۔ اللہ جل شانہٗ نے اس آیت میں استحسان، خلت، عشق اور ولا کا سوال نہیں کیا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر استحسان کا سوال ہوتا تو جن کی محبت کا سوال کیا جا رہا ہے ان کے مذہب میں داخل ہونا ضروری نہ تھا۔ خلت ہر شخص کے بس کی بات نہیں اس کا سوال تکلیف مالا یطاق ہوتی۔ اور عشق تو خلت سے بھی بالاتر منزل ہے۔ ہر شخص کے لئے ممکن نہ ہوتا اور آخری منزل ولا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مودت کو مانگا تاکہ ان کا حکم واجب العمل ہو قول و فعل محبوب ہوں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیا خدا کسی ایسے شخص کی مودت کا حکم دے سکتا ہے۔ جس کا قول و فعل خدا کی مرضی کے خلاف ہو خدائے علیم و خبیر ہر ایک کے انجام سے باخبر ہے وہ ہرگز کسی غیر معصوم کی مودت کا حکم نہیں دے سکتا۔ جن قرابت داران رسول کی محبت کا حکم دیا جا رہا ہے۔ ان کا قول و فعل مشیت پروردگار کے عین مطابق ہوگا اور ان کا ہر حکم حکم خدا ہوگا۔

اگر آیت میں اس طرح حکم ہوتا کہ فلاں فلاں سے مودت کرو تو جن لوگوں کو ان حضرات سے کد اور نفرت ہوتی وہ بگڑ بیٹھتے اور نفرت کرتے اس لئے صرف اس گروہ کی غلطی کے بیان پر اکتفا کی گئی کہ خود دھونڈو الکتاب ابلغ من التصریح کنایہ میں کوشش و جستجو کرنا پڑتی ہے۔ مودت واجب کر کے مانع کو جستجو کی طرف مائل کر دیا کہ وہ کون سے ذوات قرابت داران رسول ہیں۔ جن کا ہر حکم قول و فعل مرضی خدا کے مطابق ہے۔ اگر خود معلوم نہیں کر سکتے تو رسول سے پوچھ لو وہ بتلائیں گے بعض احکام قرآن میں لفظ قل آیا ہے مگر اس آیت میں "قل" کہہ دو کی تعمیل کا حکم رسول کو کس انداز سے دیا ہے کہ دوگر کس طریقہ سے کہ ہاتھ پھیلاؤ اور کہہ دو کہ میں سوال کر رہا ہوں تاکہ ایسے عظیم الشان رسول کو بحیثیت سائل کے دیکھ کر مکذر مبالغ جو ہیں ان پر بھی بوجھ نہ پڑے اور سمجھ جائیں کہ رسول مانگ رہا ہے ان کے سوال کو ضرور پورا کرنا چاہیئے۔

سوال کرتے وقت زبان حال سے فرما رہے ہوں گے۔ دیکھو میں نے تبلیغ رسالت میں کتنی تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ پتھر کھائے ہیں کوڑے مجھ پر پھینکے گئے ہیں میں نے بد دعا نہیں کی۔

خوشی سے سب مخالفتیں برداشت کی ہیں۔ میری پیشانی کے خون کے قطروں سے میرا لباس رنگین ہوتا رہا ہے۔ تم ظلم کرتے رہے میں تم کو دعا دیتا رہا۔ جو خدمت ہوئی تم پر بھی تو کوئی میرا حق ہے۔ تم پر بھی تو کوئی فرض عائد ہوتا ہے۔ میں اس کی مزدوری یہ چاہتا ہوں کہ میرے ان قرابت داروں سے محبت کرو جس کی محبت مودت کی منزل ہے جن کے قول و فعل مرضی خدا کے مطابق ہیں سب جانتے ہو کہ میں نے اعلان کر رکھا ہے کہ جو مسلمان مال چھوڑے وہ مال اس کی اولاد کو مبارک ہو۔ لیکن اگر کوئی قرض چھوڑے تو میں اس کا قرض ادا کروں گا۔ اگر ذرا سی بھی شرافت نفس میں موجود ہو تو ایسے مہربان شفیق کا سوال رد نہیں کیا جائے گا۔ جو بیماروں کی مزاج پرسی کے لئے دوڑے جا رہا ہے۔ کسی کو کوئی حاجت ہو تو پوری کر رہا ہے۔ کوئی فوت ہو جائے تو جنازے کے ساتھ جا رہے ہیں ان تمام مشفقتوں کا کچھ تو حق ہوتا ہے۔ خدا نے فرمایا ان سے سوال کرو اور اس سوال یعنی طلب اجر میں بھی ان ہی کا فائدہ مدنظر ہے۔ بغیر اجر کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ بغیر اجر دیئے کسی چیز کا استعمال جائز نہیں۔ یہ فرش جس پر آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اگر اس فرش کے بنانے والے مزدور کی مزدوری ادا نہ کی جائے۔ تو اس پر بیٹھنا اور استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا۔ پھر جو رسالت کا اجر ادا نہیں کرے گا اس کو اعمال شرعی بجا لانے کا کوئی حق نہیں ثواب تو دور کی چیز ہے الٹا مجرم ہو جائے گا۔

اب غور فرمایئے کہ مانگا گیا ہے وہ چیز جو دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ اہم ترین چیز دنیا میں محبت ہے کائنات کا کوئی ذرہ بے جان ہو یا جاندار محبت سے خالی نہیں یہ چیز فطرت میں داخل ہے۔ اس سلسلے میں کوئی چیز باہر سے نہیں لانی پڑے گی۔ ہر وجود کے اندر موجود ہے۔ کرنا صرف یہ ہوگا کہ فطری محبت کا رخ اور چیزوں سے ہٹا کر کے قرابت داران رسول کی طرف موڑ دینا ہوگا۔ محبت انسان کا اپنا ہے۔ اپنی فطرت میں اصل شے محبت ہے۔ اور اتنی عظیم کہ کوئی ذرہ عالم محبت کے بغیر وجود میں آ ہی نہیں سکتا۔ اجزائے جسم ایک دوسرے سے اگر محبت نہ کریں۔ تو ہم زندہ نہ رہیں۔ تین چار درختوں کے بیج آپ زمین میں ڈال دیں۔ آم کی گٹھلی سے جامن پیدا نہیں ہوگی ایک ہی زمین سے چاروں پودے اپنی مناسبت کے اجزا کو زمین سے کھینچ لیں گے۔ جن اجزا کی ان سے مناسبت نہیں ہوگی۔ اس کو پھینک کر نفرت کا اظہار کریں گے۔ اور اپنے اجزا سے محبت کریں گے۔ لقمہ منہ میں ڈالا معدہ کے وظیفہ ہضم کی امداد کے لئے تحریک پیدا ہو گئی۔ دانتوں کی جڑوں میں ننھے ننھے مشکیزوں نے اپنے دہانے کھول دیئے۔ لقمہ جاتے وقت لعاب دہن سے خشک روٹی کا لقمہ تر ہو جانے کے بعد نگلنے کے قابل ہو گیا معدہ میں پہنچکر غذا کے مناسب اجزا ایک طرف ہو گئے۔ اور جزو بدن بن گئے۔

اور غیر مناسب اجزا چھانٹ کر الگ کر کے باہر پھینک دیئے گئے۔ غیر مناسب اجزا کا بدن میں رہ جانا بیماری پیدا کرتا ہے۔ غرض ہمارا جسم محبت سے بنا ہے۔ ہماری زندگی محبت کا کرشمہ ہے۔ ایک سیکنڈ کے لئے محبت اگر معطل ہو جائے۔ تو زمین و آسمان تہ و بالا ہو کر رہ جائیں۔ اب رہ گئی نفرت یہ الگ سے کوئی چیز نہیں ہے۔ دشمنی کا مطلب کیا ہے؟ جس سے محبت ہے اس محبوب کی مخالفت جہاں نظر آئے گی اس سے نفرت کرنے کی کوشش کی ضرورت نہیں۔ بلکہ محبت خود بخود نفرت پیدا کر دے گی۔ نفرت محبت ہی کا لازمہ ہے۔

شخص اصل نہیں۔ اصل ہے محبت

محبت مختلف انواع میں تقسیم ہے۔ کھانے کی محبت۔ پینے کی محبت۔ خواہشات کی بچوں کی ماں باپ کی محبت عشق ہے نام تمام محبت کے ایک نقطہ پر جمع ہو جانے کا۔ آخری محبت حب ریاست ہے۔ بڑا بننے کی خواہش۔ میں بڑا ہوں۔ لوگ میری تعظیم کریں۔ اس خانے کی محبت یعنی حب جاہ کی خواہش سب سے آخر میں نکلتی ہے۔ اولاد سے ماں باپ کی محبت نکل جاتی ہے۔ مگر حب ریاست سب سے آخر میں نکلتی ہے جناب رسالت مآب ارشاد فرماتے ہیں۔ ہر شخص اپنے میں وہ چیز لے کر آیا ہے۔ جو فرعون میں تھی۔ فرعون کو فرعونیت کے ظاہر کرنے کا موقع مل گیا۔ دوسروں کو موقع نہیں ملتا۔ مختلف چیزوں کی محبت میں جس چیز کی محبت غالب ہوگی اس کے مقابلے میں کمزور محبت نکل جائے گی۔ مال اور اولاد دونوں سے محبت ہے۔ مگر مال کی محبت اولاد سے زیادہ ہے تو اولاد اگر بیمار ہو تو ڈاکٹر کو نہیں بلائے گا۔ کہ مال خرچ ہو جائے گا جس کے دل میں دنیا کی محبت غالب اور خدا کی محبت کمزور ہوگی۔ وہ خدا کی نافرمانیاں کرے گا۔ نفس کی محبت غالب ہے تو تن آسانی کے باعث نماز نہیں پڑھے گا۔ خدا کی محبت اگر غالب ہے تو جوان بیٹوں کو خدا کی راہ میں قربان کرنے کے لیے خود لے جائے گا اور آنکھوں پر پٹی بھی نہیں باندھے گا۔ کیونکہ خدا کی محبت اولاد کی محبت پر غالب ہے۔ پانی بھی کتنی عام چیز ہے۔ مگر کتنی عظیم القدر نعمت ہے۔ مگر چونکہ اسے عام کر دیا ہے۔ تو اگر کوئی بڑے سے بڑا آدمی چھوٹے سے پانی مانگ لے تو خیال بھی نہیں ہوتا کہ کوئی احسان کیا ہے۔ اس موقعہ پر فرمایا کیا یہاں سے بیان کے بہت سے پہلو نکل رہے ہیں۔ رسول اکرم کی وہ چیز مانگ رہے ہیں جو عام ہے۔ باہر سے لائی نہیں جاتی۔ حضورؐ کے احسانات کے مقابلہ میں اگر یہ چیز بھی دینے سے اگر کوئی بخیل کرے تو وہ کیا ہوگا۔ کمال سے رغبت ہر نفس کا فطری داعیہ ہے۔ جن کے لئے محبت مانگی جا رہی ہے۔ وہ وہ ہیں جن میں کوئی عیب نہیں اگر ان میں بزدلی ہوتی تو کہا جاتا کہ ہم میں بھی بزدلی پیدا ہو جائے گی۔ اس لئے محبت نہیں کرتے اگر جاہل کی محبت مانگی جاتی تو نفس دلاتے کہ ہم میں جہالت کا عیب پیدا ہو جائے گا۔ حضورؐ نے ایسے بے عیب لوگوں کی محبت مانگی کہ ان کا مخالف بھی کہتا ہے کہ ان کی محبت کے بغیر تو انسان مسلمان نہیں ہو سکتا۔ لفظ مودت نے عام قرابت داروں کو نکال دیا صرف وہ رہ گئے جن کا کوئی عمل حکم خدا کے خلاف نہ ہو۔ ابولہب قرابت کے باوجود مستحق مودت نہیں ہو سکتا۔

والدین کی عزت و حرمت کس قدر ہے۔ اگر چہ وہ کافر بھی ہوں مگر اف تک نہ کہنا لَا تَقُلْ اُفٍّ لَّهُمَا جب بات کرنا تو اچھی طرح نرمی سے پیش آنا لیکن یہ ہیں والدین اگر نافرمانی خدا کا حکم دیں تو ہرگز نہ ماننا مودت ان لوگوں کی واجب کی گئی ہے جن کا کوئی کام حکم خدا کے خلاف نہ ہو۔ تفسیر رازی طبری وغیرہ سب جگہ موجود ہے کہ صحابہؓ نے رسول پاکؐ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں جن کی مودت اجر رسالت قرار دے کر خدا ہم پر واجب کر رہا ہے۔ تو رسول پاکؐ نے نام بنام فرمایا کہ وہ علیؑ فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ علیہم السلام ہیں۔ فرمایا مَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ شَهِيْدًا۔ جو محبت آل محمد میں مرے گا وہ زندہ جاوید ہے۔ وہ خدا کے ہاں شہید ہے ان کی محبت کیوں واجب کی گئی خدا کو سب لوگ

مانتے ہیں اس کے احسانات کو جانتے ہیں۔ اس کے وجود کے قائل اس کی صفات سے واقف اس کی محبت ضروری جانتے ہوئے۔ کتنے لوگ ہیں جو خدا سے محبت کرتے ہیں۔ خواہشات نفسانی کو ترک کر کے خدا کے حکموں کی تعمیل کرتے ہیں؟ خمس وزکوٰۃ ادا کرتے ہیں؟ بیماری کو طول ہو جائے تو دل میں شکایت نہیں کرتے؟ ظاہر ہے کہ محب خدا نہیں ہیں۔ امیر المومنینؑ کے پاس شام کے وقت افطاری کے قریب ایک شخص مسجد میں آیا ایک تھیلی تھی جس پر مہر لگی ہوئی تھی کمیل کو دے کر چلی گئی۔ یہ شخص اجنبی تھا۔ سمجھا کہ مہر شدہ چیز کوئی نفیس ولذیذ نعمت ہوگی۔ افطار کے لئے۔ جب تھیلی کو کھولا تو اس میں جو کی روٹی کے سوکھے ہوئے ٹکڑے تھے۔ اجنبی کی آنکھوں میں آنسو آگئے حیران ہو کر پوچھا کہ یا علیؑ آپ کی یہ غذا ہے۔ پھر اس پر مہر لگانے کی کیا ضرورت تھی ارشاد فرمایا میری بیٹیاں مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں مہر اس لئے لگا تا ہوں کہ وہ روغن نہ لگا دیں۔ تصویر حیرت بن کر پوچھتا ہے کہ یا علیؑ آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں فرمایا کہ میں ذمہ دار ہوں (خدا کی مخلوق پر خدا کا نمائندہ اور اس کی حجت) قیامت کے دن خدا کے سامنے اگر کسی نے یہ کہہ دیا کہ پروردگار اس رات کو علیؑ پیٹ بھر کر سوئے تھے۔ اور میرے پاس ایسا کھانا نہیں تھا۔ تو میں کیا جواب دوں گا۔ تمام لوگ عیال خدا ہیں۔ مجھے ان میں کم سے کم حیثیت والے کے مطابق رہتا ہوں تا کہ خدا کا کوئی بندہ نہ کہہ سکے۔ عقلی حیثیت سے انسان پر ہمسایوں سے محلہ والوں کے کس قدر حقوق ہیں جب تعمیل احکام میں نقص ہے تو خدا کے ساتھ محبت نہ ہونے کا ثبوت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ اور اس کی صفات مانتے ہوئے بھی اس کی نافرمانی کرتے ہیں۔ خدا چاہتا ہے۔ کہ ان (معصومین) کی محبت ہو جائے۔ تا کہ دنیا سے جانے پر روح میں ان کی محبت کا اثر رہے۔ نماز کا قیام رکوع سجدہ وغیرہ ساتھ نہیں جائے گا۔ روح مجرد ہے اس میں اثر اور کیفیت محبت ساتھ جائے گی۔ اعضاء وجوارح الگ ہو جانے کے باوجود روح میں ان محبوبان خدا کی محبت رہ جائے گی تو قیامت کو جب اٹھے گا تو زمین جنت ان کو قبول کرے گی۔ اگر یہ بزرگوار معصوم نہ ہوتے تو امت پر ان کی مودت واجب نہ کی جاتی مضمون اس قدر وسیع ہے۔ کہ اس قسم کی متعدد مجالس میں باوجود اپنی جہالت کے پورا نہیں کر سکتا۔

نام سے لے کر بتلایا کہ ان کی مودت اجر رسالت ہے۔ وہ فاطمہؑ ہیں۔ علیؑ ہیں۔ حسنؑ اور حسینؑ ہیں۔ کندھے پر بٹھلا کر دکھلایا، حالت نماز میں بتلایا۔ عمر بھر تعارف کرتے رہے۔ کہ ایھا الناس یہ حسنؑ اور حسینؑ میرے پارہ جگر ہیں۔ ان کو دیکھو کہیں بھول نہ جانا۔ اگر کبھی سامنے آجائیں اور پانی مانگ بیٹھیں تو ان سے پانی کو عزیز نہ کرنا۔

الطیبات للطیبین الخ ... پاک چیزیں پاک لوگوں کے لئے برے لوگ بری چیزوں کے لئے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ نیک عورتیں نیک مردوں کے لئے ورنہ حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویاں جہنمی نہ ہوتیں اور فرعون کی بیوی جنتی نہ ہوتی۔ اچھی چیز کو مناسبت ہوتی ہے اچھی چیز سے اور نفرت ہوتی ہے بری چیز سے۔ نور کو دشمنی ہے تاریکی سے علم دشمن ہے جہالت کا۔ جو چیزیں آپس میں مناسبت رکھتی ہیں وہ فطری جہت سے آپس میں محبت کرتی ہیں۔ اولاد سے کیوں محبت ہوتی ہے۔ دوسرے کے خوب صورت اور قابل بچے کے مقابلے میں اپنے بچے سے مجھے زیادہ محبت کیوں ہے کیونکہ وہ میرا جزو ہے۔ کل کو جزو کے ساتھ اور جزو کو کل کے ساتھ محبت ہوتی ہے۔ استاد کو شاگرد سے

کیوں محبت ہے کیونکہ اپنے سکھائے ہوئے علم کے باعث خاص مناسبت ہے۔ آنکھوں کو اچھی شکل سے رغبت ہے۔ کانوں کو اچھی آواز پسند ہے۔ زبان کو خوش ذائقہ چیزوں سے محبت ہے۔ بدذائقہ کو زبان پھینک دے گی۔ بھیانک شکل کو آنکھ دیکھنا پسند نہیں کرتی۔ مناسبت جہاں ہو۔ محبت ہو جائے گی۔ جب یہ مسلم ہے تو ہاتھ سینہ پر رکھ کر سوچ لو ایک دن مرنا ہے۔ نہیں معلوم موت کب آجائے۔ موت کا آنا ضروری ہے۔ بتلاؤ کس سے محبت ہے۔؟ اس میں کیا کیا خوبیاں ہیں۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ روح میں کیا کیا مناسبت ہے۔ جس کی روح میں قوت ہے۔ وہ اُن سے محبت کرے گا جہاں خوبیاں ہی خوبیاں ہیں۔ جو خوبیوں سے محبت نہیں کرتا اس کی فطرت بدل چکی ہے۔ بدلی ہوئی فطرت میں اسلام نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اسلام دین فطرت ہے۔

جس کے متعلق رسولؐ نے فرمایا کہ ان سے محبت کرو۔ ان میں کوئی عیب تو نہیں؟ بزدل تو نہیں؟ جاہل تو نہیں؟۔ سائل کے جواب میں کبھی یہ تو نہیں کہا کہ ہم نہیں جانتے؟ کبھی نماز تو قضا نہیں ہوئی؟ ان سے زیادہ کوئی زاہد نہ تھا۔ عابد ایسے کہ زین العابدین ہو گئے۔ ان میں وہ لوگ بھی ہیں۔ جو آخری منزل شہادت پر پہنچ کر سید الشہداء ہو گئے۔ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جن کے متعلق اعلان کیا۔ الحسنؑ والحسینؑ سید شباب اھل الجنۃ۔ انہی میں ابو الائمہ علیؑ سید الاولیاء بھی ہیں۔ ان میں خاتون قیامت فاطمہؑ زنانِ جنت کی سردار بھی ہیں یہ فضائل رسول پاکؐ کی زبان سے ارشاد ہوتے رہے۔ ایسا بھی ہوا کہ تمام زمانہ دشمن اعیب جوئی میں مصروف مگر جتنی عیب جوئی کی گئی فضائل ابھرے۔ قید خانوں میں بند کر دیا۔ یہ بھی ہوا کہ تشہیر ہو رہی تھی حرموں کی، سربزدل پر آویزاں اس وقت یزید الیسار دشمن اعتراف شکست کرتے ہوئے یہ کہنے پر مجبور ہو گیا۔ خدا لعنت کرے عمر ابن سعد اور عبید اللہ ابن زیاد پر طہارت کی اس بلندی کی کوئی حد ہے؟ کہ قاتل دشمن اعتراف شکست سے مجبور ہو کر کہہ رہا ہے۔ کہ میں نے قتل نہیں کیا۔ رسولؐ اللہ کی شہزادیاں، فاطمہ زہراؑ کی بیٹیاں مسلمانوں یہ قید کی گئی تھیں۔ رسولؐ اس کی بیٹیاں اور قیدی پھر کس طرح بازاروں میں پھرائی گئیں۔ دوستوں کے دلوں میں اک کسک پیدا ہوئی ہے۔ کہ ایسا کیوں ہوا۔ زینبؑ اگر دست دعا اٹھا دیتیں تو کون قید کر سکتا تھا۔ بھائی نے کہا تھا۔ ماں جائی کربلا تک میرا کام تھا۔ شام تک تمہارا کام ہے۔ ہر حکومت کا رویہ ہمیشہ یہی رہا ہے۔ کہ کسی کو قید کرے یا قتل کرے تو اس ظلم کا جواز پیدا کرنے کے لئے قیدی یا مظلوم پر عیب لگایا جاتا ہے۔ اگر عیب نہیں تو عیب گھڑ کر چسپکایا جاتا ہے۔ یزید پراپیگنڈا کرنا جانتا تھا۔ شام اس قسم کے پراپیگنڈا کا گھر تھا۔ الزام لگانے کے نئے نئے طریقے جانتے تھے۔ تاکہ مظلوم کے اثر و رسوخ کو زائل کیا جا سکے۔ حسینؑ جانتے تھے کہ زینبؑ اگر شام میں چلی جائے گی تو حکومت کے تمام پراپیگنڈے زائل ہو جائیں گے۔ حاکم کے سامنے دربار میں مشہور تھا۔ کہ ایک باغی نے حکومت کی مخالفت کی ہماری فوج نے حملہ کیا اس کے حرم قیدی کر کے لائے جا رہے ہیں۔ لوگ سمجھے غیر مسلم ہوں گے۔ مگر جب قیدی دربار میں آگئے اور انہوں نے سر دربار بھرپور خود اعتمادی اور وقار و جلال کے ساتھ اپنا تعارف کرایا کہ وہ آل محمد کے قیدی ہیں جن کی مودت امت پر واجب کی گئی ہے۔ تو دربار شام کا رنگ بدل گیا۔ مظلومیت کی ہیبت چھا گئی۔ شکست خوردہ یزیدیت مردود ہو گئی (مصائب کا آخری حصہ نوٹ

(باقی صفحہ ۱۲۰ پر)

رضا کار سید الشہدا نمبر
اگست ۱۹۶۸ء

اِمتحان

* ——— علامہ حافظ کفایت حسین صاحب قبلہ :

پروردگار عالم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا :-

احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وھم لا یفتنون ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین۔

"یعنی کیا لوگ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم اُن کو اُن کے آمنّا (ہم ایمان لائے) کہہ دینے پہ چھوڑ دیں گے اور ان کا امتحان نہ لیا جائے گا۔ اور بلاشبہ ہم نے ان لوگوں کی یہ ہی آزمائش کی جو اُن سے پہلے تھے۔ اور اس امتحان کے بعد اللہ یہ جان لیتا ہے کہ اُن میں کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے۔"

یہ آیۂ مبارکہ اس مطلب کو صراحت کے ساتھ بیان کر رہی ہے۔ کہ اس دار دنیا میں مدعیان ایمان کا امتحان لیا جاتا ہے۔ خدا تو جانتا ہے کہ کون اپنے دعوئ ایمان میں سچا ہے اور کون جھوٹا۔ لیکن اس کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ امتحان دینے والے کو بھی پتہ چل جاتا ہے کہ

اِس کے امتحان کی حقیقت کیا ہے اور دیکھنے والے کو بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا ایمان کیا ہے اور بعض اوقات یہ اِک قسم کی اتمام حجت بھی ہو جاتی ہے۔ اُن لوگوں کے لیے جو اس امتحان کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ کہ وہ کل یہ نہ کہہ سکیں گے کہ ہم نے اس کی پیروی نہ جان کر کی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ مومنین کا امتحان ان کی تربیت ہے اور تربیت کا مطلب اعلیٰ تکمیل ہے اس بناء پہ یہ امر واضح ہے کہ ہر شخص کا امتحان اس کی قابلیت کے اعتبار سے لیا جاتا ہے اگر کم ہو تو جہل کے علاوہ خدا کا بخل لازم

آئے گا اور اگر استعداد سے زیادہ ہو۔ تو تکلیف۔ سے مالایطاق لازم آئے گی۔ جو محال ہے عقلاً اور شرعاً بھی۔ خود فرماتا ہے:

لا یکلف اللہ نفساً اِلّا وسعہا

"یعنی خدا کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔"

اِسمیں انبیاء اولیاء بھی شامل ہیں۔ چونکہ انبیاء کی معرفت اور ان کی قوت جذب دیگر لوگوں سے زیادہ ہوتی ہے اس لیے ان کا امتحان بھی سب سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔

جناب رسالت مآبؐ ارشاد فرماتے ہیں:

اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الاولیاء ثم الامثل فالامثل

"یعنی سب سے زیادہ سخت امتحان انبیاء کا ہوتا ہے اس کے بعد اولیاء کا اس کے بعد جن کا جتنا مرتبہ ہوتا ہے اس کے اعتبار سے اس کا امتحان ہوتا ہے۔"

چونکہ رسالت مآبؐ سب سے افضل اعلےٰ ہیں اس لیے اِن کا امتحان سب سے زیادہ سخت ہوا ہوگا۔ اور یقیناً ہوا ہے۔ اِس کی تفصیل کے لیے زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں اس لیے ہم خود آنحضرت کے ایک ارشاد پر اکتفا کرتے ہیں۔

ما اوذی نبی کما اوذیت

"یعنی جتنی ایذا و تکلیف مجھے پہنچائی گئی اتنی کسی نبی کو نہیں پہنچی۔"

المختصر ہر شخص کا امتحان اُس کی اتباع اُس کے مرتبہ و منزلت کے اعتبار سے ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا بھی ہونا ہی چاہیئے تھا۔ اِس قاعدہ کلیہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے عقل صریح حکم واضح کرتی ہے کہ اگر کسی کی منزلت اور اس کا مرتبہ معلوم ہو جاتا ہے تو حکم کیا جاتا ہے کہ اس کا امتحان بھی ایسا ہی ہوگا۔ خواہ ہمیں اس کا امتحان معلوم ہو یا نہ ہو اسی طرح عقل حکم صریح کرتی ہے کہ اگر کسی کا امتحان معلوم ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ اس کا مرتبہ اس کی منزلت پیش خدا کس قدر ہے۔ بہت سے انبیاء ایسے گذرے ہیں کہ ان کے حالات کا علم تو درکنار ان کے نام بھی کتابوں میں نہ آئے۔ اس لیے ان کے امتحانات کی تفصیل کیونکر معلوم ہو سکتی ہے۔ لیکن کچھ انبیاء ایسے ضرور ہیں جن کے نام بھی قرآن یا کتب تاریخ میں آگئے ہیں اور ان کے امتحانات بھی ہمیں معلوم ہیں ان میں سے بعض انبیاء اولوالعزم اور صاحبِ شریعت ہیں۔ جو تمام دیگر انبیاء سے افضل و برتر ہیں۔

جب ہم ان کے امتحانات پر غور کرتے ہیں تو ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ بلاشبہ یہ امتحانات عام طاقت انسانی کے تحمل و برداشت

سے باہر ہیں۔ اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے تھا۔
کیونکہ اس کے مقابلہ میں جب جناب امام حسینؑ کے
امتحان پر نظر پڑتی ہے تو وجدانِ صحیح بغیر کسی تامل
کے آواز دیتا ہے کہ:

ایسا امتحان نہ کبھی عالم امکان میں
ہوا نہ ایسا کبھی امتحان دینے والا
پیدا ہو سکتا ہے۔

امام حسین علیہ السلام کے اس امتحان
سے قطع نظر کرتے ہوئے جو نانا کے انتقال کے بعد
سے مدینہ کی روانگی تک ہوتا رہا۔ بلکہ مدینہ سے
روانگی کے بعد در در کربلا تک جو امتحانات ہوئے
اس سے بھی چشم پوشی کرتے ہوئے صرف روز عاشورا
کے امتحان پر نظر ڈالی جائے تو صاحب بصیرت
یہ حکم لگانے پر مجبور ہو جائے گا ماسوائے ختمی
مرتبت تمام انبیاء کے تمام امتحانات مجموعاً ایک
طرف اور امام حسینؑ کے ایک دن کے امتحانات
دوسری طرف اگر پلہ میزان میں رکھے جائیں تو یقیناً
وہ پلہ بھاری ہوگا۔ جس میں امتحانِ سید الشہداؑ
ہے۔

انبیاء کے امتحانات انواع امتحان ہی سے
کسی ایک نوع سے تعلق رکھتے تھے۔ مثلاً قوم کی ایذا
فرزند کی قربانی گرفتاری کے بعد ارادہ صلیب وغیرہ
وغیرہ۔ لیکن امام حسینؑ کے لیے کوئی نوع امتحان
ایسی نہیں رہی۔ جس میں آزمائش نہ کی گئی۔ بچپنے کے
دوستوں کے قتل بھانجوں اور بھتیجوں اور بھائیوں
کی لاشیں اٹھانا۔ بیٹوں کے جسم پاش پاش کو
خیمہ میں لانا اور ہر مقام پر شکر بجا لانا۔ بہنوں
بھانجیوں بھتیجوں کی اور بیٹوں کی قید و بند کی
مصیبتیں آنکھوں کے سامنے ان کے تمام مصائب
میں ایک منٹ کے لیے بھی نہ گھبرانا اور نہایت
کشادہ پیشانی سے ان تمام مظالم کو برداشت کرنا
یہ تمام وہ امتحانات تھے جو عالم کے تصور میں بھی
نہیں آ سکتے تھے۔ ان تمام امتحانات کو اس شان
سے ختم کیا کہ ایک دقت بھی پیشانی صبر و شکر پر
بھی بل نہ آیا۔

میں یقین کامل کے ساتھ یہ کہنے میں باک
نہیں سمجھتا ہوں کہ جو شخص بھی تعصب سے الگ
ہو کر اور انصاف و ایمان داری سے ان حالات
کو دیکھے گا۔ وہ بلاشبہ یہ فیصلہ دینے پر مجبور ہوگا کہ
امام حسینؑ کے امتحانات تمام انبیاء سے بلند اور
بہت زیادہ ہیں اور جب یہ حکم عقلی صحیح ہے تو
پھر اس قاعدہ کلیہ کے اختیار سے جو بیان کیا
جا چکا ہے یہ کہنا بلاشبہ صحیح ہوگا کہ امام حسینؑ تمام
انبیاء سے افضل ہیں۔

اس حکم سے جناب رسالت مآبؐ کو اس لئے
مستثنیٰ کرنا لازم ہوگا کہ امام حسین علیہ السلام کے
تمام امتحانات ایک طرف تھے اور دوسری طرف
خود رسول اللہ کے امتحان تھے۔ اس لیے آپؐ
فرمایا کرتے تھے۔

حسین منی وانا من الحسین

رضا کا زندہ الشہداء نمبر
۱۶۔ اگست ۱۹۵۵ء

مولانا حافظ کفایت حسین صاحب قبلہ لاہور

درد

لفظ درد کے مفہوم عام سے ہر شخص واقف ہے۔ اور کون شخص ہے جس کو درد سے سابقہ نہ پڑا ہو۔ جب درد ہوتا ہے۔ تو کوئی سسکیاں بھرنے لگتا ہے۔ اور کوئی شخص فریاد کرنے لگتا ہے۔ کوئی رونے لگتا ہے۔ اور کوئی چیخنے لگتا ہے۔ دنیا میں ہر شخص اس سے دور رہنے کے لئے اپنی تمام کوشش صرف کر دیتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود کوئی نہیں جو اس سے محفوظ رہ سکے۔ گویا انسان اور درد دو توام چیزیں ہیں۔ جو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہو سکتیں۔ اگر علیحدہ ہو جائیں تو یا درد نہیں یا انسان نہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

ہر شخص درد کو برا جانتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خدا نے جو کچھ پیدا کیا ہے۔ وہ نعمت ہی نعمت ہے۔ مادی درد جہاں انسان کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ وہاں اکثر اوقات ان خواہشات سے بھی روک دیتا ہے۔ جو موجب ناراضگی پروردگار عالم ہے۔

درد ہی وہ چیز ہے جو لذات دنیا سے انسان کو بے خبر کر دیتا ہے۔ درد قولنج و گردہ وغیرہ تو بڑے درد ہیں اگر معمولی سا درد سر بھی عارضی ہو جائے تو لذت خورد و نوش وغیرہ لذت نہیں رہتی۔ اس لئے ظاہر ہے۔ کہ یہ بھی خدا کی بڑی نعمت ہے۔ اب سمجھنا چاہیئے کہ خواہشات کی دو قسمیں ہیں۔ خواہشات جسمانی اور خواہشات نفسانی یہ دونوں خواہشیں انسان کو حقیقی خواہش یعنی دعا کو اس کی اصلی لذت سے محروم کر دیتی ہے جس طرح جسم ہر وقت اپنی خواہشات کو پورا کرنے میں منہمک رہتا ہے۔ اسی طرح نفس انسانی بھی اپنی لذات کی تحصیل میں مشغول رہتا ہے۔ اگر جسم کو کوئی تکلیف لاحق ہو جائے۔ تو وہ اپنی خواہشات کو فراموش کر کے اس تکلیف کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر نفس میں کوئی درد پیدا ہو جائے۔ تو جب تکلیف اپنی خواہشات کو بھول جاوے گا۔ اگر بہت بڑی تکلیف لاحق ہو جائے تو اپنی تمام خواہشات کو چھوڑ دے۔ اگر کسی کا جوان بیٹا مر جائے۔ تو پھر دیکھئے کہ باپ کے نفسانی خواہشات میں کونسی خواہش اسے اپنی طرف متوجہ کر سکتی ہے۔

خدا کی طرف متوجہ ہونے سے روکنے کے لئے صرف اس کے خواہشات نفسانی ہیں۔ ان کو بھلا دینے کے لئے ضرورت تھی کہ نفس کے واسطے کوئی درد پیدا کیا جائے۔ اسلام سے قبل دماغوں کی تربیت ناقص

تھی۔ اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے تھا اسی تربیت کے اعتبار سے انبیاء مرسلین بھیجے گئے اس کے لحاظ سے احکام لے کر کتابیں اتریں اسی لحاظ سے ان کو دردِ روحانی بھی دیئے گئے۔

اسلام چونکہ ایک مکمل دین تھا۔ اس کے زمانہ میں دماغوں کی تربیت بھی اپنی بھرپور قابلیت کے لحاظ سے ہو جاتی تھی۔ اس لئے ظاہر ہے کہ خواہشات کا ظہور بھی اپنے آخر نقطہ کمال تک پہنچنا ضروری تھا اس بنا پر واضح ہے کہ ان کے واسطے درد بھی ایسا ہونا چاہیئے۔ کہ اس سے زیادہ متصور نہ ہو سکے۔

اسلام آیا اور جہاں اس نے ہر ایک اعتبار سے اپنے کمال کو پیش کیا۔ ضرورت تھی کہ روح کے لئے سامان درد بھی اتنا مکمل کر دے کہ اس کے بعد تصور ہی میں نہ آ سکے۔ اس کے لئے جناب رسالت مآبؐ نے ہمہ تن مصروف ہو کر امام حسین علیہ السلام کی تربیت کی۔ چونکہ دین آخری کے لئے اس کی ضرورت سب سے اہم تھی۔ اس لئے جناب رسالت مآبؐ نے نہ دن کو دن دیکھا۔ نہ رات کو رات کوئی وقت نہ تھا کہ امام حسین علیہ السلام کو اپنے سے الگ کیا ہو۔ اگر کسی ضرورت خاص کی وجہ سے علیحدہ ہونے کی ضرورت بھی پڑ گئی تو جناب فاطمہؑ زہرا اور امیر المومنینؑ کو ہدایت دے دیں۔ کہ ان کی تربیت میں کس طرح اہتمام کرنا چاہیئے۔ جب دنیا سے جانے لگے تو امام حسینؑ کو مکمل ہدایات فرما گئے۔ کہ اس سامان درد کے لئے کس کس چیز کی ضرورت ہوگی۔ کہاں اور کس طرح اس سامان کو پیش کرنا ہے۔

امام حسینؑ اس تمام سامان کو فراہم کر کے کربلا میں پہنچ گئے۔ اور بالیقین کامیابی کے ساتھ اسے پیش کیا کہ ظالم سے ظالم پتھر بھی رو دیئے۔ نہ فقط روئے بلکہ خون اگلنے لگے۔ اور اس پر چار چاند لگانے کے لئے رسول کی نواسیاں کمربستہ ہو کر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک گئیں۔ اور جب مدینہ واپس آ گئیں تو نانا کی قبر پہ پہنچیں۔ باوجود اس کے کہ یہ سب کچھ رسول ہی کی تعلیم تھی جس پہ یہ بی بیاں عمل پیرا ہوئی تھیں۔ مگر قبرِ رسولؐ ساکت نہ رہ سکی۔ زلزلہ کی شکل میں وہ فریاد کی کہ دیکھنے والوں کے دل پھٹ گئے۔

یہ وہ درد ہے۔ جس کا تصور عالم میں نہ اس سے پہلے ہو سکتا تھا۔ اور نہ ہوا نہ اس کے بعد عالم وجود میں آ سکتا ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جن کی روحیں اس درد سے آشنا ہو جائیں۔ اور خدا کی بڑی نعمت کے مالک ہیں۔ وہ جو اسے اپنا بنا لیں اگر نفس اس درد سے متاثر ہو جائے۔ تو اپنی خواہشات کو چھوڑ دے گا۔ اور یہی وہ راز سربستہ ہے۔ جس سے خدا اور رسول مل سکتے ہیں۔ بدبخت ہیں۔ وہ لوگ جو اس درد سے ناآشنا ہوں۔ اگر یہ درد نہ ہوگا تو یاد رکھیں کہ جنت میں جانا تو درکنار ہو۔ بوئے جنت سے بھی شام آشنا نہ ہوگا۔ چونکہ جنت اسی درد پہ موقوف تھی۔ اسی لئے پروردگار عالم نے قبل واقعہ ہر نبی کو اس الم سے متالم اور اس درد سے پُر درد کیا۔

آئینہ قسمت لاہور
مئی ۱۹۶۸ء

رئیس المحفاظ جناب
علامہ حافظ کفایت حسین رح

تبرکات

منزلت سید الشہداؑ

(اس عنوان کے ذیل میں ہم صرف دو واقعے پیش کرتے ہیں جن سے ارباب بصیرت پر اچھی طرح واضح ہو جائے گا کہ امام حسینؑ کی عظمت بارگاہ جناب احدیت میں کیا ہے؟)

پہلا واقعہ: امام حسینؑ گہوارہ میں آرام فرما ہیں خاتون جنت چکی پیستے پیستے تھک کر سو گئی ہیں۔ جبرئیل و میکائیل گہوارہ جنبانی کر رہے ہیں کہ امام حسینؑ کی آنکھ کھلتی ہے۔ رونے لگتے ہیں۔ شہزادے کو خاموش کرنے کے لئے میکائیل ایک جانب سے لوریاں دینی شروع کر دیتے ہیں۔ انت فی الجنۃ تھرلبین بعلی و حسین و حسن = یعنی خدا نے جنت میں ایک دودھ کی نہر پیدا کی ہے جو علی و حسین و حسن کیلئے ہے۔ شہزادہ دو جہاں سنتے ہیں لیکن خاموش نہیں ہوتے جبرائیل دوسری طرف سے آواز دیتے ہیں ولمن کان حبانھم دخل الجنۃ یدخن (یعنی یہ نہر ان لوگوں کے واسطے بھی ہے جو ان حضرات کے دوست دار ہیں جنت میں بغیر کسی غم کے داخل ہوں گے۔ حسینؑ یہ سن کر مسکراتے ہیں اور خاموش ہو جاتے ہیں اس واقعہ کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لئے اس امر کا تصور کرنا ضروری ہے کہ جبرائیل و میکائیل کون ہیں سدا دربار گاہ احدیت میں ان کی شان کیا ہے

اہل اسلام کا اجماع ہے۔ اور قرآن مجید و احادیث شاہد ہیں کہ فرشتے تمام کے تمام معصوم ہیں آسمانوں میں مکین ہوں یا زمین پر مقیم بادلوں پر مقرر ہیں یا ہواؤں پر بنا تا سے ان کا تعلق ہو یا جمادات سے۔ انواع حیوان کی حفاظت کے لئے متعین ہوں یا نوع انسان کی تقسیم ارزاق خلائق پر وکیل ہوں۔ یا موت پر بہر حال سب کے سب معصوم اور بے گناہ ہیں۔ ان سے کبھی کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ ان کے واسطے قرآن مجید میں آتا ہے بل عباد مکرمون۔ وہ خدا کے معزز بندے ہیں۔ لایعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون کبھی وہ عبادت سے منہ پھیرتے ہیں اور نہ کبھی تھکتے ہیں یسبحون اللیل والنھار لا یفترون۔ دن رات خدا کی عبادت میں مشغول و مصروف رہتے ہیں کبھی اس سے غافل نہیں رہتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی فطرت میں کوئی خواہش سوائے عبادت اور کوئی شوق سوائے شوق عبادت موجود ہی نہیں ہے۔ اس لئے ان کی ہر حرکت عبادت اور ہر سکون عبادت ہے۔ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ان کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں منھم رکوع لا یسجدون وقیام لا یرکعون ان میں سے جو رکوع میں ہیں قیامت تک رکوع میں رہیں گے۔ اور جو قیام میں ہیں ہمیشہ اسی حالت میں رہیں گے ان فرشتوں کی مختلف قسمیں اور ان کے متعلق مختلف فعل ہیں ہر نوع کے متعلق کچھ فرشتے ہیں جن کی تعداد خدا اور ان

حضرات کے سوا جن کو خدا نے بتلا دیا ہے کوئی نہیں جانتا ہے ان پر کچھ فرشتے حاکم ہیں۔ جن کو زبان حکماء میں رب النوع کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد ان حکام فرشتوں پر کچھ فرشتے حاکم ہیں۔ اور تمام اصناف ملائکہ پر چار فرشتے حاکم ہیں۔ جن کے اسماء مبارک جبرئیل و میکائیل و اسرافیل و عزرائیل ہیں۔ یہی وہ فرشتے ہیں جو حاملان عرش الٰہی ہیں۔ ان میں سب سے بلند مرتبہ جبرائیل امین ہیں۔ جن کے متعلق پروردگار عالم قرآن مجید میں فرماتے ہیں ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین۔ یعنی یہ فرشتہ صاحب قوۃ صاحب عرش کے پاس اس کی جگہ ہے اور تمام فرشتے اس کے اطاعت گزار ہیں۔ اور اس کے بعد امین وحی بھی یہی فرشتہ ہیں۔ جب تمام فرشتے معصوم ہیں تو جبرئیل کے متعلق کیا کہا جائے کہ اس کی عصمت کتنی بلند ہے اور ظاہر ہے کہ معصوم کی عبادت غیر معصوم کے مقابلے میں کتنی افضل ہوگی تو جو فرشتہ تمام گروہ ملائکہ کا سرتاج ہے اس کی عبادت کی عظمت کا کون شخص تصور کر سکتا ہے۔ جس فرشتے کی خود خدا نے وہ مدح فرمائی ہے۔ جس کا ذکر ہوا۔ اس کی اطاعت کتنی بلند ہوگی۔ اسے وہی جان سکتا ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے۔ اس آیت مذکورہ سے اتنا معلوم ہوا کہ اس کی جگہ زمین نہیں بلکہ عرش ہے اور جب ہر ایک فرشتہ کوئی کام بغیر حکم خدا نہیں کرتا تو ظاہر ہے کہ جبرئیل سے کوئی ایسا امر کیونکر سرزد ہو سکتا ہے۔ جس سے حکم خدا کا تعلق نہ ہو۔ اب اگر جبرئیل کبھی زمین پر آئیں گے تو یقیناً حکم خدا ہوگا۔ اب سمجھنا چاہیئے کہ جس وقت جبرئیل، میکائیل، امام حسین کی گہوارہ جنبانی کے واسطے آتے تھے تو یقیناً حکم خدا سے آتے تھے۔ پروردگار عالم کبھی کسی شخص کو ایک امر خیر سے الگ کر کے دوسرے امر میں مشغول ہونے کا کبھی حکم نہ دے گا۔ جب تک اس کیواسطے اس دوسرے فعل میں بہ نسبت فعل اول کے زیادتی ثواب نہ ہو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر گہوارہ جنبانی امام حسینؑ میں جبرئیل کو اس کی عبادت سے زیادہ ثواب نہ ہوتو کبھی خدا اس کو حکم دے سکتا ہے۔ نہ وہ اس میں مسرور ہو سکتا ہے۔ خدا کا حکم اور جبرئیل کی مسرت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ جبرئیل کو اس کی عبادت اصلی سے گہوارہ جنبانی حسین زیادہ موجب ثواب اور خوشنودی خدا کا باعث تھی۔ جس کی خدمت گہوارہ جنبانی جبرئیل کی عبادت سے زیادہ ثواب رکھتی ہو وہ خود کیا ہوگا اور بارگاہ احدیت میں اس کی کیا منزلت ہوگی۔ اس کو سوائے خدا اور رسول کے کون سمجھ سکتا ہے۔ اور جس کا یہ مرتبہ ہو اس کی محبت کس طرح عبادت واجبہ نہ ہوگی۔

دوسرا واقعہ: جناب رسالتمآب سجدہ میں ہیں امام حسین علیہ السلام بچے ہیں اچانک دل آتے ہیں اور پشت رسول پر سوار ہو جاتے ہیں۔ سرکار دو عالم سجدہ کو طول دیتے ہیں یہاں تک کہ ستر مرتبہ تسبیح کی نوبت آ جاتی ہے۔ جب امام حسین پشت مبارک سے نیچے اترتے ہیں تو رسول اللہ سر اٹھاتے ہیں نماز ختم ہوتی ہے۔ اصحاب عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ آج آپ کو کیا ہو گیا کہ سجدہ کو اتنا طول دیا کیا کوئی وحی آگئی تھی۔ فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ حسینؑ میری پشت پر سوار ہو گئے تھے۔ میں نے اس وقت سر نہ اٹھایا جب تک حسین خود نہ اتر گئے۔ جب حسین خود اپنی مرضی سے اتر گئے تو میں نے سر اٹھایا۔

اس واقعہ کی عظمت کو سمجھنے کے لئے ایک مقدمہ کا

بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اول یہ سمجھنا چاہیئے کہ رسول اللہ کی نماز کیسی ہونی چاہیئے، اور جیسی چاہیئے یقین کر لینا چاہیئے کہ ویسی ہی تھی۔ اس کا ہلکا سا تصور اس طرح ہو سکتا ہے کہ خدائے لایزال نے ہم سب کو حکم دیا ہے کہ نماز میں خضوع و خشوع کریں۔ یعنی غیر خدا کا تصور حالتِ نماز میں نہ ہو۔ اور دنیاوی تخیلات سے نماز بے تعلق ہو۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ حالتِ نماز میں ہم اس طرح ہوں جیسے خدا کو دیکھ رہے ہیں۔ یہی یاد رکھنا چاہیئے لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا۔ خدا کسی کو ایسی تکلیف نہیں دیتا کسی کو ایسا حکم نہیں دیتا جو اس سے ممکن نہ ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہمیں جس خضوع و خشوع کا حکم دیا ہے وہ ہمارے واسطے ممکن ہے اور نہ صرف ممکن بلکہ ممکن الوقوع ہے۔ جب ہماری نماز اگر کوشش کریں تو ایسی ہو سکتی ہے۔ جیسی کہ وہ چاہتا ہے تو معصوم کی نماز کیسی ہوگی۔ اس کے بعد تصور کرنا چاہیئے کہ انبیاء مرسلین و سرتاج ائمہ معصومین کی نماز کیسی ہوگی اس کی وضاحت کے لئے اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ کیا ولی کی نماز میں ممکن ہے کہ کسی غیر خدا کا تخیل یا تصور ہو سکے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

اب اندازہ کیجیے کہ حسینؑ پشتِ رسول پر ہیں۔ اور رسول معمول کے خلاف سجدہ کو طول دے رہے ہیں اس خیال سے کہ حسینؑ اتریں تو میں سجدہ سے سر اٹھاؤں یعنی سجدہ کی حالت میں جو ارکان نماز میں سب سے زیادہ اہم رکن ہے۔ سرکارِ دو عالم کا خیال صرف حسین کی جانب ہے۔ کیا کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے کہ اس حالت میں نمازِ رسول کے اندر نقص پیدا ہو گیا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ رسول کا یہ خیال عبادت سے الگ ہو گیا کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ رسول کے خضوع و خشوع میں کمی واقع ہو گئی۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ جب یہ حال ہے تو سمجھنا چاہیئے اور ماننا پڑے گا کہ رسول اللہ کی نماز اسی طرح مکمل ہے جس طرح دیگر نمازیں۔ رسول اس وقت بھی عین عبادت میں مشغول ہیں۔ تو جب حسینؑ کا تصور رسول کے لیے عبادت ہے تو دوسرے لوگوں کے لئے ان کی محبت کس طرح عین عبادت نہ ہوگی۔ اور اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بارگاہِ خدا میں حسین کی کیا عظمت و منزلت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت اجمیریؒ نے فرمایا شاہ است حسین بادشاہ است حسین۔ دین است حسین۔ دین پناہ است حسین۔ بلاشک حسینؑ کی ذات ہی دین ہے۔ حسین سے محبت رکھنا عین دین ہے اور ان سے یا ان کے ذکر سے نفرت کرنے والا کسی طرح دین دار نہیں ہو سکتا۔ اس مقام پر جناب امام شافعیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے۔ ان کان رفضاً حب آلِ محمد فلیشھد الثقلان انی رافضی۔ اگر دنیا والوں کے نزدیک آلِ محمد سے محبت رکھنے کا نام رفض ہے تو میں دونوں جہاں کو گواہ رکھ کے کہتا ہوں کہ میں بے شک رافضی ہوں۔

اللھم صلی علی محمدؐ و آلِ محمدؐ۔

○

رضا کار سید الشہدا نمبر
۱۶-اکتوبر سنہ ۱۹۵۰ء

والدہ سے حسینؑ کا رشتہ کیا تھا

علامہ حافظ کفایت حسین قبلہ

واقعات محرم کو تاریخی حوادث میں ایسا اہم مرتبہ حاصل ہے جس نے نہ صرف جملہ اسلامی وقائع میں امتیازی حیثیت حاصل کی ہے۔ بلکہ تاریخ عالم کے کل قصوں کو جن میں ذرا بھی واقعیت کی جھلک ہو، پس پشت ڈال دیا ہے۔ فرضی انسانوں کا ذکر ہی کیا۔ حق و باطل کی جنگ روزِ اوّل سے جاری ہے۔ اور علم تاریخ کی ولادت سے قبل ہی حق کے مقابلہ میں باطل صف بستہ دکھائی دیتا ہے۔ آدمؑ و ابلیس کا قصہ کس کو یاد نہیں۔ بلکہ از خود خلاق عالم کی مخالفت کا سودا عزازیل کے سر میں کب سے سمایا۔ اس کا تو سراغ تلاش کرنے سے بھی نہیں مل سکتا۔ انبیاء اور اولیاء سچے رہنما اور ہادیان دین ہمیشہ بنی نوع انسان میں ایک زبان کی حیثیت رکھتے رہے۔ اور جب دورِ نبوت اپنے معراج کمال پہ پہنچا تو باطل نے کس کس بھیس میں جنم لیا۔ صاحبانِ واقفیت سے مخفی نہیں۔

لیکن خاتم الانبیاء کی اولوالعزمی آخر حق کو چار چاند لگا کر رہی۔ اور انسانیت کا شرف نمایاں ہو کر رہا۔ آپ نے انسانی عظمت کا جو علم بلند کیا آپ کے بعد ہی اس کے سرنگوں ہونے بلکہ جوارِ فساد کے شعلوں میں بالکل خاک سیاہ کر دیئے جانے کا تماشہ آپ کے پارۂ جگر اور آپ کی جرأت کے وارث بلکہ آپ کے جمال و کمال جسمانی اور روحانی کا شفاف آئینہ یعنی حسین سے دیکھا نہ گیا۔ اور دسویں محرم ۶۱ھ کے دریائے فرات کے کنارے تین دن بھوکے پیاسے رہ کر نہ صرف تنہا بلکہ اپنے ۷۲ انصار کے لشکر سمیت جن میں چھ ماہ کے شیر خوار سے لے کر ۹۰ برس کے بوڑھے تک شامل تھے۔ اسطرح جان دی کہ مظلومیت کی تمام داستانیں افسانہ ہو کر رہ گئیں۔ اور حق پسندی اور قربانی کی جاگیر آپ اور صرف آپ کے نام رہیں۔

حسینؑ کی بلندی کو یہ کافی ہے۔ آپ کی شہادت سرورِ عالم کی شہادت مان لی گئی۔ جیسا کہ سرالشہادتین کے قول سے واضح ہے، عالم غربت، پھر عورتوں اور بچوں کا ساتھ، عرب کا ریگستان، تپتی ریت، سامنے بہتا ہوا دریا، مگر گھاٹ پہ پہرہ فوجوں کے دل میں بھوکا پیاسا مہمان کچھ اس شان

سے لڑا۔ کہ سرورِ عالم کی جرأت وجود کا نقشہ بن گیا۔ حسینؑ کی تمام زندگی اور خاص کر رجب ۶۰ھ سے دسویں محرم ۶۱ھ تک کی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر حرکت و سکون انسانیت و مردانگی کے لئے سبق عبرت و حکمت ہے۔ اپنا وطن عزیز چھوڑنا اور دربدری گوارا کرنا۔ نانا اور ماں کی قبر پر جا کر رلانے زمانہ کا فسانہ دہرانا، مگر ناشتہ سترمن الخمر کی بیعت کے لئے ہاتھ نہ بڑھانا کوئی آسان کام نہ تھا۔

مکہ کا ارادہ اور باوجود مشورہ شارع عام و مشہور سے نہ کترانا، جانبازی و بہادری کا قابل قدر نمونہ تھا۔ مکہ میں پناہ نہ مل سکنا جہاں جانوروں کو بھی ستانا آپ کے جد نے ممنوع قرار دیا، بڑا دردناک حادثہ تھا۔ لیکن دین رسولؐ کے اس حافظ حقیقی کو یہ گوارہ نہ تھا کہ اپنی حفاظت کے لئے - - - - - - - - حرمت مکہ برباد ہو۔ نہ دے۔ جن کی خبر سرورِ کائنات دے چکے تھے۔ ان کل مصائب کے پیش نظر ہوتے ہوئے جن کی بار بار تفصیل اور تصریح ربیبات باب اور علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی زبانی ہو چکی تھی۔ اور ان کل یا دہانیوں کے باوجود آپ کا ابتدائے سفر ہی سے جناب ام سلمہؑ، ابن عباس، محمد حنفیہ وغیرہ کے ذریعے تازہ ہو رہی تھیں۔ حق کی حمایت کے لئے اس طرح آمادہ ہونا کہ عورتوں کے لئے اسیری قبول، رسولؐ کے اس پیارے نواسے ہی سے ممکن

نہ صرف حسینؑ منی لکھا تھا بلکہ انا من الحسینؑ سے سربلند کیا تھا۔ دنیا کی تمام جنگوں پہ نظر ڈالئے یہ خصوصیت صرف جنگ کربلا کو ہے۔ ہر مادی طاقت کو اول سے آخر تک برابر گھٹایا جاتا رہا۔ ہر چند رائے دی گئی کہ آپ مکہ میں رہ کر لوگوں کو اپنا معین بنائیں۔ مگر ایسا نہ کیا گیا۔ یمن کی طرف جا کر اپنا طرفدار بنائیں، منظور نہ ہو سکا۔ راستہ بھر میں ہر ہر منزل پر ساتھ جانے والوں کو اپنی شہادت اور کئی قسم کی مالی منفعت کی امید نہ ہونے کا اعلان کر کر کے لوگوں کو ساتھ چھوڑنے پہ آمادہ کیا گیا۔ اہل کوفہ کے اصرار پہ ہدایت اور محض ہدایت اور لوگوں کو استبداد کے پنجہ سے نجات دلانے کی نیت سے سفر کے لئے مسلم کا انتخاب اور پھر مسلم کی بیعت کو بالکل اپنی بیعت کہنے کی بلند بینی اور بالغ نظری کسی دوسری آنکھ سے (بجز حسینؑ کے) ممکن نہ تھا۔ ہانی کے گھر پوری طرح موقع پا کر پھر عبید اللہ کو قتل نہ کرنا اور دھوکے سے قتل کو خلاف تعلیم رسولؐ جان کر ایسا اقدام نہ کرنا حسینؑ کے انتخاب کا رہین منت ہے۔ کوفہ میں مسلم کی جنگ اکیلے بھوکے پیاسے سپاہ کے مقابلہ میں ڈیڑھ دو ہزار کا نبرد آزما ہونا اور پھر بھی قابو نہ پا سکنا وغیرہ تاریخ دانوں سے مخفی نہیں ہے۔ اگر چند ہی ایسے افراد کربلا میں اور رکھتے رہتے تو نہ جانے جنگ کا رخ کیا ہوتا۔ گمان کو مستغرق کر دینا صاف

تبلا رہا ہے کہ اس لڑائی کا مطمح نظر کچھ اور ہے۔

سب کو جانے دو۔ جب تعلیم روحانی اور تجربہ عملی سے موسم اور سرزمین مخفی نہ تھے تو بلا طلب حر کے پورے لشکر کو بلا طلب صرف ان کی پیاسی صورتیں دیکھکر اپنا کل پانی پلا دینا اور انسانوں تک محدود نہیں بلکہ جانوروں تک کو خود سیراب کرنا تبلاتا ہے کہ مظلوم حسینؑ بلکہ عالم کے مظلوموں کا سہ تاج حسینؑ اس جنگ کے لئے کیا سامان مہیا کر رہا تھے

مباہلہ کی تاریخ تو دنیا کو یاد ہوگی۔ خود سرور عالم نے بجز ان والوں کے واسطے جہاں صدق و کذب کی پرکھ مطلوب تھی، کب اور کتنا لشکر جمع کیا تھا پھر اسی میدان کے آزمائے ہوئے حسینؑ کو حق و ناحق کے امتحان میں کب اور کتنا لشکر کافی تھا۔ افسوس اور نہایت افسوس کہ دنیا کے عموماً اور اہل اسلام خصوصاً خاندان رسولؐ کی تاریخ سے دلچسپی نہیں رکھتے۔ اور ہے بھی دشوار، مظلومی و بیکسی اگرچہ حق پر مبنی ہو، اتنی فریب نظر نہیں ہو سکتی جتنی دلفریبی ظاہری دولت و حکومت و جاہ و جلال میں ہے۔ لیکن اگر دنیا نے کبھی ان خونین اوراق پر نظر ڈالی تو انہیں معلوم ہوگا کہ اولاد رسولؐ نے حق پرستی میں اپنا لہو کس طرح پانی کیا ہے۔

دوسری محرم کو کربلا میں وارد ہونا، گھوڑوں کا بدکنا، مگر آگے نہ بڑھنا۔ قیام کا ارادہ کرکے حسینؑ کا اعلان کر دینا کہ "ہمارے خون بہائے جائیں گے"۔ پھر بھی اپنی مدد کے لئے کسی کو نہ بلانا صاف تبلاتا ہے کہ حسینؑ کیسی جنگ کے لئے تیاریاں کر رہے تھے۔ نہ ہیر قین کا عرض کرنا کہ ابھی سے لڑ لینے دیجئے۔ قبل ان کے فوج اور زیادہ آئے مگر آپ کا صاف انکار ہے

سبقت کسی سے ہم نہیں کرتے لڑائی میں

اس انوکھی جنگ کے مقصود اصلی کو واضح کر رہا ہے۔ تمام واقعات کی نہ تصریح ممکن ہے۔ نہ وقت میں گنجائش ہے۔ ساتویں محرم سے دسویں محرم تک حسینؑ اور حسینی قافلہ کی زندگی پر نظر کرو۔ انہیں رسولؐ اسلام کی تعلیم اور ان کے حکم کی تعمیل کا مکمل دستور العمل ملیگا۔ عزیزوں کے حقوق، غلاموں کے حقوق، عورتوں کے حقوق، عابد و معبود، خالق و مخلوق کے حقوق، پھر ہر ایک کا اپنے اپنے فرائض کی انجام دہی کا انہماک اور ایسے آڑے وقت میں بھی کسی چھوٹے سے چھوٹے جزئی حکم سے غافل نہ ہونا، وہ حیرت انگیز کارنامہ ہے جس کی نظیر سے دنیا کی تاریخ خالی ہے۔

بقول گبن کے دردناک کہانی انتہائی بعد زمانی اور بعید سے بعید زمانہ میں بھی بے حس سے بے حس انسان کو اپنی ہمدردی پر ضرور مجبور کرتی رہے گی۔

★

رضاکار لاہور نمبر ۱۹۵۶ء

خواتین کربلا کا مظاہرۂ کمال یقین

بہ مدفظ بیت
جناب علامہ حافظ کفایت حسین صاحب قبلہ لاہور

اس مطلب کو واضح کرنے کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اوّل معنی یقین کو واضح کر دیا جائے۔ جب کسی چیز کے وجود و عدم کا خیال برابر ہو تو اس کو شک کہتے ہیں۔ اور اگر کسی طرف رجحان ہو تو اس طرف رجحان کا نام ظن اور طرف مرجوح کو وہم کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر طرف کا رجحان اس قدر شدید ہو کہ طرف مرجوح کا احتمال ہی نہ رہے تو اس کو یقین کہا جاتا ہے۔ بشرطیکہ یہ خیال و تصور مطابق واقعہ ہو۔ اگر غیر مطابق واقعہ ہوگا تو اس کا نام جہل مرکب ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھنا چاہیئے کہ ایک شخص کہتا ہے کہ خدا ایک ہے۔ اگر اس کے خیال میں ایک ہونا اور ایک نہ ہونا دونوں برابر حیثیت رکھتے ہیں۔ تو اس کا نام شک ہے۔ اگر اس کے خیال میں غالب یہ ہے کہ وہ ایک ہی ہے۔ مگر احتمال ایک سے زیادہ کا بھی ہے۔ تو اس غلبہ کو ظن کہیں گے اور اس احتمال کو وہم۔ لیکن اگر ایک سے زیادہ ہونے کا احتمال نہیں بلکہ ایک ہی ہونا مسلّم اور محکم ہے تو اس کو یقین کہیں گے کیونکہ یہ مطابق واقعہ ہے۔ اگر تین خدا ہونے کا اسی طرح خیال ہو کہ اس کے خلاف تصور ہی نہ ہو تو اس کو جہل مرکب کہیں گے۔ کیونکہ یہ واقعہ کے خلاف ہے۔ جب معنی یقین معلوم ہو چکے تو اس کے متعلق ارشادات معصومین سنئے۔

امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں۔ لم یخلق اللہ خلقاً اقل من الیقین۔ خدا نے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا جو یقین سے کم ہو۔ یعنی یقین وہ چیز ہے جو سب سے کم پیدا کیا گیا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایمان افضل ہے۔ اسلام سے اور یقین افضل ہے ایمان سے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں ما من شیٔ اعز من الیقین۔ یعنی کوئی چیز یقین سے کم تر اور نایاب تر نہیں ہے۔

امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایمان ایک درجہ افضل ہے اسلام سے اور تقویٰ ایک درجہ افضل ہے ایمان سے اور یقین ایک درجہ افضل ہے تقویٰ سے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں ما قسم بین الناس اقل من الیقین۔ یعنی جتنی چیزیں لوگوں کے درمیان تقسیم کی گئی ہیں ان سب میں سے کم یقین ہے اور تم جو اسلام کو لئے ہوئے ہو وہ پست ترین اسلام ہے۔ ڈوتے رہو کہیں یہ بھی ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ ایک مقام پر امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مومن گرد سرخ

سے زیادہ کم یاب ہے۔

ان احادیث شریفہ سے واضح ہوتا ہے کہ یقین کسی قدر نادر الوجود چیز ہے۔ ظاہر نظر میں ہر شخص کہہ دیتا ہے کہ ہمیں خدا کے وجود کا یقین ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ خدا دانا اور بینا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مرتبہ یقین پر فائز ہو جائے تو ناممکن ہے کہ اس سے کوئی گناہ سرزد ہو سکے۔ اس لئے کہ خواہش نفس پر غالب آ جاتی ہے۔ لیکن یقین کی موجودگی میں ممکن ہی نہیں کہ خواہش نفس کا غلبہ ہو سکے۔ اگر کسی شخص کو شیر کے سامنے ڈال دیا جائے تو وہ سمجھ لے کہ شیر مجھے حرکت کرتے ہی پھاڑ ڈالے گا۔ پھر ہم دیکھیں گے کہ یہ آدمی کس طرح حرکت کرتا ہے۔ یا ایک شخص کے پیچھے گرگ خونخوار دوڑتا آ رہا ہے۔ اسے یقین ہے کہ اگر میں ٹھہر گیا تو وہ مجھے پھاڑ کھائے گا۔ ایسی حالت میں اگر اس کے سامنے کوئی غذا، بلکہ بادیگر خواہش نفس کی کوئی چیز پیش کی جائے تو کوئی شخص یہ تصور کر سکتا ہے کہ وہ ٹھہر کر اس کی طرف توجہ کرے گا۔؟

اگر کسی کو اس طرح خدا کا اور اس کے دانا و بینا ہونے کا یقین حاصل ہو جائے تو کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ اس کے سامنے کوئی امر ناپسندیدہ سرزد ہو سکے۔ ہادیان دین اسی یقین کو لے کر عالم امکان میں قدم رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان سے کوئی فعل اس کی مرضی کے خلاف عمل میں نہیں آتا تھا۔

مرتبہ یقین کا ادنیٰ سا تصور اس طرح ہو سکتا ہے اگر تمام دنیا کے اہل علم اس امر پر متفق ہو جائیں کہ مہدی موعود کے آنے کی تمام احادیث موضوع ہیں۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس حالت میں ایک شخص کے دل میں احتمال بھی اس کا نہ پیدا ہو تو وہ مرتبہ یقین سمجھا جائے گا۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسا شخص یقیناً کبریت احمر سے زیادہ نایاب ہے جسے عام طور سے یقین کہا جاتا ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ عام لوگوں کے لئے ظن اطمینان ہوتا ہے نہ خود یقین۔

اس کو سمجھنے کے بعد اب آپ ان خواتین محترمہ کا تصور کریں جو کربلا میں رسولؐ کی نواسیوں کے ساتھ تھیں۔ راستے کی مصیبتیں جھیلیں، کبھی ان کی زبان آستائے شکایت نہیں ہوئی۔ بھوک پیاس کی تکالیف برداشت کیں، کوئی گلہ نہ کیا۔ وارث مارے گئے، صبر کامل کا مظاہرہ کیا۔ اپنی گود کے پالوں کو اپنے ہاتھوں سے سنوار کر خدمت امام میں پیش کیا۔ میدان میں بھیجا۔ جب ان کی خاک و خون میں غلطاں لاشیں آئیں تو شکر کے سجدے کئے۔ آج تک کسی نے ان کی زبان سے کلمۂ شکایت نہیں سنا۔ سب سے زیادہ کٹھن اور صبر آزما ان کا دشمنوں کے قبضہ میں چلا جانا تھا۔ لیکن ان کے اعتقاد حقہ برابر بھی لغزش پیدا نہیں ہوئی۔

ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے کو قید و بند کی مصیبتوں سے نجات دلواتیں کیونکہ نہ ابن زیاد کو ان سے کوئی پرخاش تھی نہ یزید کو ابن زیاد و یزید کو دشمنی تھی۔ تو خاندان رسولؐ سے اگر ان کو توہین و تذلیل مقصود تھی تو اہلبیتؑ رسولؐ کی۔ لیکن کبھی کسی نے نہ اپنی رہائی کی فکر کی اور نہ ان

مظالم سے چھٹکارے کا تصور کبھی اُن کے دل میں نہ آیا اُن کے دل سے اپنی تکالیف کا خیال ہی معدوم ہو چکا تھا۔ انہیں اگر تکلیف تھی کہ رسولؐ زادیاں ان مصائب میں مبتلا ہیں۔

جب انسان دشمن کے ہاتھ میں آجاتا ہے تو فطرۃً اس کا دل کمزور ہو جاتا ہے۔ وہ دشمن کی مخالفت کرنے سے گھبراتا ہے۔ اور اگر یہ بھی معلوم نہ ہو کہ یہ قید کب تک ہے اور یہ بھی علم ہو کہ مصائب میں کمی نہ ہو گی بلکہ ہر روز ایک نئی مصیبت کا پیش خیمہ بن کر آتا ہو تو ہر شخص خیال کر سکتا ہے کہ ایسے وقت میں بہادر سے بہادر بھی بزدل ہو جاتا ہے۔ دل کی قوتیں سلب ہو جاتی ہیں۔ لیکن یہ خواتین مکرمہ یقین کی اس منزل پر پہنچی ہوئی تھیں کہ جو دن نیا آتا تھا اُن کے یقین کو زیادہ کرتا ہوا گزرتا تھا۔ یہ تمام مظالم یہ جانتے ہوئے برداشت کر رہی تھیں کہ اگر ہم چاہیں تو رہائی ہو سکتی ہے۔ کسی وقت اِن کی زبان پر اپنی مصیبتوں کے متعلق کلمۂ تاسف جاری نہیں ہوا۔ کبھی اُنہوں نے نہیں کہا کہ کب رہا ہو گے یا کب وطن کو جائیں گے۔ اگر کبھی کسی کا بچہ رو دیا تو اس کو یہ کہکر چپ کرایا کہ خبردار رونے سے شہزادی کو تکلیف ہو گی۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے زیادہ کون سا مرتبہ یقین ہو سکتا ہے۔ ہمیشہ حفظِ مراتب کا خیال رکھا۔ کبھی ایسا کلمہ یا فعل سرزد نہ ہوا جس سے رسولؐ کی نواسیوں کے حفظِ مراتب میں فرق کا وہم ہو سکے۔ یہ لٹا ہوا قافلہ دربار یزید کے دروازہ پر پہنچا۔ قیدی اونٹوں سے اتارے گئے اور زمین پر بٹھا دیئے گئے۔ اس امر کا انتظار ہے کہ دربار راستہ ہو جائے تب قیدیوں کی پیشی ہو۔

تھوڑی دیر کے بعد آواز آئی قیدی داخلِ دربار ہوں۔ یہ سنتے ہی تمام بی بیاں کھڑی ہو گئیں، خود آگے کھڑی ہو گئیں اور رسولؐ کی نواسی جناب زینب کلثوم کو پیچھے کر لیا تاکہ جب دربار میں داخل ہوں اور اہلِ دربار کی نظریں پڑیں تو ہم پڑ پڑیں۔ شہزادیوں کو کوئی نہ دیکھے۔ اللہ اکبر یہ تھا وہ یقین جس کو خود یقین پر فخر ہے۔

جب یہ قیدی دربار میں پہنچے اور زمین پر بٹھلائے گئے تو آگے یہ خواتین بیٹھیں اور رسولؐ کی نواسیوں کو اپنے پیچھے بٹھلایا۔ تاکہ دیکھنے والوں کی نظریں ہم پر پڑ کر رُک جائیں۔ شہزادیوں تک نہ پہنچیں۔ یہ تمام تدابیر کسی دباؤ کی وجہ سے نہ تھیں۔ یہ حفظِ مراتب کسی طمع و دنیاوی جہت سے نہ تھا۔ بلکہ اس یقینِ کاملہ کی وجہ سے تھا جس کی وجہ سے سوائے تعظیم تحریم علامات اہلِ بیت کے سوائے تمام چیزیں اس کے دل سے مکمل محو ہو چکی تھیں۔

کیا اہلِ عالم اس یقین کی مثال پیش کر سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں، واللہ ہرگز نہیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ خواتین اس مرتبہ پر فائز تھیں تو اُنکے وارث کیسے ہونگے۔

جب میدان کربلا میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے اور جب اُن کی منزلت یہ ہے تو اُن کا کیا کہنا ہو گا۔ جو امام حسین علیہ السلام کی گود میں پرورش پاتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ امام حسینؑ کا کمال تھا کہ آپ نے اپنی روحانی طاقت سے ان لوگوں کو ایسا بنایا، جن کا نظارہ کبھی چشم

علامہ کفایت حسین

شانِ نبوّت

انجمن حمایتِ اسلام کے سالانہ جلسوں میں علامہ حافظ کفایت حسین اعلے اللہ تعالےٰ نے بہت سی تقاریر کی ہیں جو انجمن کی روئیدادوں میں محفوظ ہیں۔ ہم ذیل میں ان کی دو مختصر تقریروں کو شائع کر رہے ہیں۔ اگرچہ یہ تقریریں مختصر ہیں لیکن ان سے بھی علامہ مرحوم کے تبحرِ علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ غالباً یہ تقریریں مکمل نہیں۔ حافظ صاحب نے جو کچھ فرمایا ہوگا اس کی یہ مختصر ترین صورت ہے جو روئیدادوں میں طبع ہوئی ہے۔

صدرِ جلسہ، صدرِ انجمن و حاضرین!!!

مجھے جس موضوع پر تقریر کرنے کی دعوت دی گئی ہے وہ اتنا وسیع مضمون ہے کہ اگر میری ساری عمر اسے بیان کرتے ہوئے صرف ہو جائے تو بھی اس مضمون کا عشرِ عشیر بیان نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ سوائے اس کے اور کوئی صورت نہیں کہ میں شانِ نبوت کے بحرِ ذخار میں سے چند قطرے لے کر آپ کی تشنگی بجھانے کی کوشش کروں۔ سر دست میں حضور رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صرف دو پہلو بیان کروں گا

آپ حضرات جانتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم تک ایک لاکھ سے بھی زیادہ انبیاء مبعوث ہوئے ان میں ایسے انبیاء بھی تھے جو ایک مستقل شریعت کے حامل تھے اور ایسے بھی تھے جن کی اپنی کوئی شریعت نہیں تھی بلکہ وہ کسی مستقل نبی کی شریعت کی اتباع کرنے والے تھے۔ مثال کے طور پر حضرت سلیمانؑ کتنے جلیل القدر نبی گذرے ہیں اور اگر کوئی شخص ان کی نبوت کا انکار کرے تو وہ کافر اور مرتد ہے۔ لیکن یہ حضرت سلیمانؑ مبلغ ہیں شریعت موسوی کے اور ان کے نبی جناب موسیٰ ہیں۔ ان کے بعد حضرت عیسیٰؑ تک جتنے نبی آئے سب امتی ہیں۔ حضرت موسیٰ کے اس لحاظ سے حضرت موسیٰ کا درجہ ان انبیاء میں سب سے بڑا ہے لیکن حضرت موسیٰ جو سرخیل ہیں اپنی امت کے انبیاء کے وہ خود امتی ہیں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ یہ مقام ہے حضرت رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا۔ اسی لئے حضور کو روحِ کُلّی کہا گیا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس عالم کی تخلیق تبدریج ہوئی ہے یعنی اس موجودات کی ساری اشیاء بیک وقت پیدا نہیں ہوئیں بلکہ پہلے پانی پیدا کیا گیا

پھر زندگی پیدا کی گئی۔ اس کے بعد نباتات پیدا کئے گئے
پھر جمادات پیدا کئے گئے اس کے بعد حیوانات ظہور
میں آئے اور حیوانات کے بعد انسان جو اشرف المخلوقات
تھا پیدا کیا گیا۔ پھر انسان میں بھی مختلف صلاحیتوں کے
لوگ بتدریج پیدا ہوئے یعنی انسانی دماغ کی نشوونما
آہستہ آہستہ اوپر کی جانب ہوتی رہی۔ اسی مناسبت
اور ان کی تعلیمات بھی بتدریج بلند ہوتی رہیں تا آنکہ
جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا
اور چونکہ حضورؐ کے زمانے میں پہنچنے تک انسانی ذہن
پختہ ہو چکا تھا اس لئے اس ذہن کے لئے جو نبی
مبعوث کیا گیا وہ بھی گذشتہ سارے انبیاء کے مقابلے
میں کامل و اکمل تھا۔ گذشتہ زمانوں میں جتنے انبیاء مبعوث
ہوئے وہ سب ایک خاص زمانے اور خاص علاقے
کے لئے ہوتے تھے۔ اس لئے ان کی تعلیمات بھی۔
محدود اور اپنے زمانے کی ضروریات کے مطابق ہوتی تھیں
مگر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے عالم اور
قیامت تک کے لئے نبی ہونا تھا اس لئے حضورؐ کو جو
قوائے ذہنی عطا فرمائے گئے وہ اتنے اعلیٰ درجے کے
تھے کہ ان سے اعلیٰ درجے کے قوائے ذہنی رکھنے والا
کوئی شخص اب قیامت تک پیدا نہیں ہوگا اسی مناسبت
سے حضورؐ کو جو نبوت عطا فرمائی گئی وہ گذشتہ سارے
انبیاء کے مقابلے میں کامل اور جامع تھی اور ہر زمانے
کے لوگوں کی ضروریات اور مسائل کا احاطہ کئے ہوئے تھی
اس لئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام
ہی نہیں بلکہ سارے انبیاء امتی ہیں جناب رسالت
مآب صلے اللہ علیہ وسلم کے جس طرح خدا ایک ہے
اسی طرح نبی حقیقی بھی ایک ہی ہے جس میں سارے نبیوں
کے سارے کمالات جمع ہو گئے ہیں اور وہ نبی حقیقی
حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ حضرت رسالت
مآب کی شانِ نبوت پر ایک اور پہلو سے بھی غور کریں
اور وہ پہلو یہ ہے کہ آپ کے خیال میں کیا جمادات اپنی
کوشش سے نباتات بن سکتے ہیں! اس کا جواب یہی ہوگا
کہ جمادات خواہ کتنی کوشش کریں وہ نباتات کے درجے
تک نہیں پہنچ سکتے۔ کیا نباتات اپنی کوشش سے حیوانات
بن سکتے ہیں اس کا جواب بھی یہی ہوگا کہ نباتات اپنی
کوشش صرف کر دیں مگر وہ حیوانات نہیں بن سکتے
ہیں۔ اس سوال کا بھی ہر شخص یہی جواب دے گا کہ ہرگز نہیں
حیوانات اپنی انتہائی کوشش کے باوجود انسان نہیں بن
سکتے پھر کیا انسان اپنی ذاتی کوشش سے نبی بن سکتا ہے
ہرگز نہیں۔ نبوت انسانی کوشش سے بالا ہے یہ اللہ تعالیٰ
کا عطیہ ہے۔ وہ جسے چاہے اس منصب بلند پر سرفراز فرما دے۔

پس جس طرح جمادات اپنی کوشش سے نباتات
نہیں بن سکتے، نباتات اپنی کوشش سے حیوانات کے
درجے تک نہیں پہنچ سکتے، حیوانات اپنی کوشش سے
انسان نہیں بن سکتے اور انسان کوشش کر کے نبی کے
مرتبے تک نہیں پہنچ سکتے۔ اسی طرح بڑے سے بڑا نبی
اپنی کوشش سے محمد الرسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم)
نہیں بن سکتا۔ یہ ہے شانِ نبوت جناب رسالت مآب
کی۔ اسی پر میں اپنا بیان ختم کرتا ہوں۔

روئیداد جلسہ انجمن حمایت اسلام لاہور ۱۹۶۰ء

مولانا حافظ کفایت حسین

ضرورتِ اطاعتِ رسولؐ

عزیزانِ گرامی!

میرا موضوعِ تقریر ہے ضرورتِ اطاعتِ رسولؐ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اطاعتِ رسولؐ ایک واضح چیز ہے جس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں اس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ اطاعتِ رسولؐ واجب اور لازم ہے اس دوسری چیز کے مقابلے میں قرآن مجید کی آیات میں صاف طور پر اطاعتِ رسولؐ کا لفظ موجود ہے کہ تم رسول کی اطاعت کرو۔ لیکن ایک چیز یاد رکھنے کے قابل ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں بہت سے احکام ایسے ہیں جو اجمالی صورت میں بیان کئے گئے ہیں۔ مگر ان کی تفصیل قرآن مجید میں نہیں ہے۔ مثال کے طور پر نماز کا جو دین کا سب سے بڑا رکن ہے قرآن مجید میں بار بار ذکر آیا ہے اس کے لئے کتاب اللہ میں صلوٰۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا ترجمہ ہم نماز کرتے ہیں۔ مگر اس کی تفصیل موجود نہیں کہ اس کے پڑھنے کا کیا طریقہ ہے۔ کس وقت کی نماز کی کتنی رکعات ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ قرآن حکیم کے متعلق تو اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ ہم نے اس میں ہر چیز کو واضح کر کے بیان کیا ہے۔ اس لحاظ سے اس میں ہر چیز ہونی چاہیے۔ یقیناً قرآن کا یہی دعویٰ ہے اور یہ بالکل سچا دعویٰ ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر دماغ قرآن کے ہر ارشاد کو سمجھنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو کیونکہ ہر شخص کے دماغ کی ساخت دوسرے سے مختلف ہوتی ہے اس لئے تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ خداوند تعالیٰ کی اطاعت اس وقت تک پوری نہیں ہو سکتی جب تک اس اطاعت کی تفاصیل اور جزئیات معلوم نہ ہوں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص رسول کی اطاعت کرے گا وہ خدا کی اطاعت کرے گا

پس معلوم ہوا کہ قرآن کی رو سے رسولؐ کی اطاعت کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں ہے اس بات کو سمجھانے کے لئے مجھے ذرا تفصیل سے کام لینا پڑے گا۔

آپ سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے انسان میں وہ جامعیت ہے جو انواعِ مخلوق میں سے کسی میں نہیں ہے یعنی عالم میں جتنی انواعِ مخلوق ہیں ان سب کے خواص انسان میں جمع کر دیے گئے ہیں یہی بات انسان کے لئے دلیلِ اشرفیت ہے ہر ایک نوع میں سے خواہ وہ نباتات سے تعلق رکھتی ہو۔

یا حیوانات سے کوئی نوع ایسی نہیں جس کا مزاج اس کی نوع میں سے مفقود ہو جائے لیکن انسان ایک ایسی نوع ہے جس کا مزاج نہیں ہے۔ مثلاً بعض لوگ خدا کو نہیں مانتے۔ مگر ان کے یہاں ایسی اولاد پیدا ہو جاتی ہے جو خدا رسیدہ ہوتی ہے اور بہت سے لوگ جو خدا کے ہرگز برگزیدہ ہوتے ہیں ان کے یہاں نافرمان پیدا ہو جاتے ہیں جیسے حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کا کوئی خاص مزاج نہیں ہے جس پر اسے پیدا کیا گیا ہو اطبا کے نزدیک انسان کا جو مزاج خاص ہے۔ اس کی نوعیت اور ہے اور خالص طبی چیز ہے۔ اب جبکہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ نوع انسان کا مزاج ایک حالت پر نہیں رہتا تو لازم آیا کہ اس کے مزاج کو اعتدال پر رکھنے کے لئے کوئی ایسا شخص پیدا ہو جو اس کے مزاج کے تمام پہلوؤں سے واقف ہو۔ اسے میں ایک مثال کے ذریعے سے واضح کرتا ہوں۔ انسان کو سب سے پہلے جو ضرورت لاحق ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنی اولاد تندرست رکھے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اس نے علاج و معالجے کے طریقے نکالے اور یہ طریقے کم سے کم پچیس کی تقسیم تک تجویز کئے جا چکے ہیں جن کو ہم میں سے بہت سے لوگ جانتے ہیں لیکن اس کے باوجود آج تک ان میں سے کوئی طریقہ حد یقین تک نہیں پہنچ سکا۔ کتنے ہی علاج کے طریقے نکلے اور ناکام ہو گئے۔ دور کیوں جائیے ابھی تک روحِ حیوانی کے خواص تک معلوم نہیں ہو سکے تو بھلا روح انسانی کے خواص کیا کیا معلوم ہوں گے۔ یہ بات ہمیں الہام سے نہیں بلکہ ان ہستیوں سے معلوم ہوئی جو روح انسانی کی معالج تھیں کہ انسانی روح عالم ملکوت سے لا کر جسم انسانی میں ڈالی گئی ہے اور روح انسانی مادے سے نہیں بنی لیکن برعکس اس کے جو روح حیوانوں میں ڈالی گئی ہے وہ عالم ملکوتی سے تعلق نہیں رکھتی گویا وہ روحیں ہیں جو مشترک ہیں انسانوں اور حیوانوں میں اور ایک روح ہے جو صرف انسان سے مخصوص ہے۔ روحِ انسانی کی خواہش اور ہے روح حیوانی کی خواہش اور ہے۔ انسانی روح بلندی کی طرف جانا چاہتی ہے اور حیوانی روح پستی کی طرف۔ یہی فرق انسان کو اشرف المخلوقات بناتا ہے اب میں ذرا سا اور آگے بڑھتا ہوں تاکہ اس بحث کو سمیٹ کر آپ کو اصل موضوع کی طرف لاؤں۔

حکماء نے انسان کے چار درجے مقرر کئے ہیں جن میں سے دو کا اس موضوع سے خاص تعلق ہے ایک درجہ تو وہ ہے جس میں انسان تجسس کا مادہ رکھتا ہے۔ یعنی وہ اچھائی اور برائی میں تمیز کرنا اور اشیاء اور اعمال کی ماہیت معلوم کرنا چاہتا ہے۔ مگر جاننا اور چیز ہے اور تجسس کرنا اور چیز ہے کونسا مسلمان ہے جو نہیں جانتا کہ عبادت کتنی عمدہ چیز ہے۔ مگر اس کے باوجود ہر مسلمان عابد نہیں بنتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جاننا اور عمل کرنا ایک دوسرے سے مختلف چیزیں ہیں دوسرے لفظوں میں تصور اور چیز ہے اور تصدیق اور

چیز ہے جب کوئی چیز مقام تصدیق پر پہنچ جاتی ہے تو خود بخود عمل شروع ہو جاتا ہے۔ جب عملِ مسلسل سے انسانی قلب صیقل ہو جاتا ہے تو اس پر عالم ملکوتی کی چیزیں منعکس ہونے لگتی ہیں۔ پھر وہ مقام آتا ہے جب اسے یہ معلوم کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے کہ کونسی چیز اچھی ہے اور کون سی بُری۔ یہی وہ مقام ہے جب اسے ہادی کی احتیاج پیش آتی ہے جب اسے ہادی کی ضرورت پیش آئی تو لازم آیا کہ وہ اس کی اطاعت بھی کرے کیونکہ جب وہ ایک چیز کے متعلق عدم علم سے علم کی منزل میں آجاتا ہے تو اس پر یہ اثر قائم ہوتا ہے۔ کہ جس نے اسے یہ علم دیا ہے وہ علم اور معرفت کے لحاظ سے اس سے بھی بہت اونچا ہے اور جب کسی شخص کو یہ یقین ہو جائے کہ فلاں ہستی سے اس نے بہت کچھ حاصل کیا ہے اور وہ علم و معرفت میں اس سے منزلوں آگے ہے تو وہ اس کی پیروی کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے پس اگر اسے معرفت کی منزلوں کو آخر تک طے کرنا ہو تو ہادی کی اطاعت کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ یاد رکھیئے کہ کمالِ انسانی منحصر ہے یقین پر اور یقین اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کوئی ایسی ہستی اس کے سامنے موجود نہ ہو جس کے متعلق اسے یقین نہ ہو کہ وہ جو کچھ فرمائے گا وہ درست ہو گا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ اطاعتِ رسول ایک لازمی چیز ہے۔

روئیداد جلسہ سالانہ ۱۹۷۳ء انجمن حمایت اسلام لاہور

نئی معیاری کتابیں

فقہ تفسیر یا لڑائے علامہ امداد حسین کاظمی (مجلد)	۴-۷۵
جمہوریت و امامت شیخ غیاث الدین	۴-۰
یقین محکم مولانا محمد علی ٹیالوی	۲-۰
جلاء العیون حصہ اول ۰-۴ الحق سلطان نصیرا	۴-۰
حقیقت جنگ کربلا ۰-۲ ذریعۃ النجات مجلد	۳-۰
مظلومہ کربلا مجلد از حکیم عالم شاہ صاحب	۵-۰
اسرار توحید امام جعفر صادق	۱-۵۰
اخلاق المعصومین علامہ امداد حسین کاظمی	۲-۰
عقائد اسلام مولانا ظفر حسن امروہوی	۱-۵۰
اسلامی معاشرہ مولانا مرتضیٰ حسین	۱-۰
نقوش عرفان (عقائد و ولادت) سہیل بنارسی	۱-۵۰
شہود عرفان (قصائد امام زمانہ) سہیل بنارسی	۲-۰
ایلیا حکیم محمود علی گیلانی	۰-۵
تذکرہ خلیل "	۱-۲۵
آدم اور علی " ۰-۳۷ سقراط محمود علی گیلانی	۰-۳۱
بلاد علی ڈاکٹر محمود عباس بخاری	۱-۲۵
معارف النبوت و الامامت ڈاکٹر احمد حسین نقوی	۱-۳۷
حکومت ربانی ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی	۰-۵۰
نہج البلاغت انگریزی	۱۵-۰
نوادر عصر حالات امام زمانہ مولانا سید محمد دہلوی (مجلد)	۶-۵۰
توضیح المسائل مجلد آقا محسن طباطبائی	۶-۰
ابوطالب مومن قریش (عبداللہ شنقیطی)	۶-۰
سیرۃ جناب سیدہ	۲-۲۵
تحفہ نماز جعفریہ مجدد مطابق فتویٰ آقا محسن حکیم	۲-۲۵
احسن الفوائد علامہ علی بلاگ کورہ قسم اول ۰-۶ قسم دوم	۴-۲۵
وہابی قابل جواب سنی شیعہ بھائی بھائی	۴-۰
سید احمد کی صحیح تصویر (سنی عالم کے قلم سے)	۲-۲۵

ادارہ معارف اسلام ـــــ لاہور

کتاب مشکل کشائے عالم

تقریظ

از عالی جناب مستطاب جامع المعقول والمنقول نیز المتکلمین، شمس الواعظین سرکار رئیس الحفاظ علامہ حافظ کفایت حسین صاحب قبلہ ادام اللہ ظلالہم علیٰ رؤس المعالی

جمیع محامد اس ذات واجب الوجود، مستجمع صفات کمالیہ وجمالیہ کے واسطے لائق وشایان ہیں، جس کے ادراک سے طائرِ تیز پرواز فکر باوجودِ کمال جد وجہد عاجز ہے۔ اور شہپرِ عقل باسعی بلیغ اس کی عظمت و کبریائی کی حدود کے احاطہ سے قاصر ہے۔ عقلاء وحکماء اس کی معرفت کے میدان میں سرگرداں وحیران ہیں۔

خداوندِ عالم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے مرکز دائرہ وجود ذاتِ قدسی صفات خلاصۂ موجودات سید المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خلعت وجود عطا کر کے اپنی صفات کمالیہ وجمالیہ وجلالیہ کا مظہر اور اپنی معرفت کا مخزن ومنبع قرار دیا اور آنحضرتؐ کی آل طیبین وطاہرین کو منار الھدیٰ اور اپنے ارادوں کا امین بنایا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ مشکل کشائے خلق ہونا خدا کے خاص عطیات میں سے ایک عطیہ ہے۔ جو محمدؐ وآلِ محمدؐ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس مسئلہ پر جناب مستطاب خطیب آل محمدؐ مولانا مولوی سید ظل حسنین صاحب زیدی سرسوی نے خامہ فرسائی کی ہے۔ اور باحسنِ وجود اس کو کتابی شکل وصورت دے دی ہے۔ میں نے اس کتاب کا بعض مقامات سے مطالعہ کیا ہے۔ اس کتاب میں معقول ومنقول شواہد وواقعات کے ذریعہ جناب امیرالمومنین علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام کا مشکل کشائے عالم ہونا ثابت کیا ہے۔ طرزِ بیان شگفتہ۔ استدلال پسندیدہ اور تادیۂ مطالب بہت خوب ہے۔ یہ کتاب غلو اور بے جا تاویلوں سے پاک ہے۔ اپنی افادیت کے اعتبار سے قابل مطالعہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ جملہ مومنینِ کرام اس کتاب کو خرید کر مصنف موصوف کی ہمت افزائی کریں گے۔ اور اہلِ اسلام بھی اس کے مطالعہ سے بقدرِ ضرورت فائدہ اٹھائیں گے۔

گنہگار
کفایت حسین عفی عنہٗ

مفتاح الغیب علامہ کفایت حسین صاحب قبلہ کی نظر میں

آج مجھے رسالہ مفاتح الغیب مؤلفہ جناب فضائل مآب الحاج سید ناظر حسین شاہ صاحب قبلہ زنجانی کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ یہ ایک فالنامہ ہے۔ جو صادق آل محمدؐ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ میں گو اس انتساب کی صحت و عدم صحت کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا ہوں۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ اس میں سوالوں کے جوابات کے لئے آیاتِ قرآنی جمع کی گئی ہیں۔ اور جو سوال کیا جاتا ہے۔ اس کا جواب مطابق سوال آتا ہے۔ اس کے شروع میں جناب مستطاب زبدۃ الکرام مولانا السید نجم الحسن صاحب قبلہ کراروی نے حضرت صادق آلِ محمدؐ کے مختصر حالات زندگی بطور مقدمہ تحریر فرمائے ہیں۔ جو نہایت مفید اور کارآمد ہیں۔ ان میں بعض شبہات کا دفعیہ بھی ہے۔ جو اس زمانہ میں بعض مخالفین کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں۔ ان شبہات کو نہایت فاضلانہ طریق پر رد کیا گیا ہے۔ جو حقیقت میں قابلِ تحسین ہے۔ اس کے بعد کچھ سورہ قرآنی کے نقوش ہیں۔ جو اہل حاجات کے لئے علی الخصوص اپنے پاس رکھنے کے قابل ہے۔ اس رسالہ میں ایک خاص چیز نگینہ کے موافق یا غیر موافق ہونے کی شناخت کا ایک سہل العقول طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ گو میں نے خود اس کا تجربہ نہیں کیا ہے۔ لیکن جناب قبلہ زنجانی صاحب جزم کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ کہ بالکل مجرب و آزمودہ ہے اس اعتبار سے اس کے عجیب ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور علم الحروف کی ایک حیرت افزا شان ہے۔ جناب قبلہ زنجانی صاحب کی یہ سعی بلاشبہ مشکور اور قابل قدردانی ہے۔ خداوند عالم ان کو خوش و خرم رکھے آمین۔

گنہگار (حافظ) کفایت حسین

تبلیغی کتابچوں کی قیمت:- مسلّمہ اہلِ فکر و قلم کی وسیع نگارشات کے حامل امامیہ مشن سے شائع ہونے والے مختلف اہم موضوعات پر تبلیغی کتابچوں کی گیٹ اپ ستھری ٹائیٹل رنگین اور قیمت صرف ایک نیا پیسہ فی صفحہ اس کے باوجود مجلس و جلوس میں مفت تقسیم کے لئے صرف نصف قیمت۔ پھر بھی اگر آپ اپنے ماحول میں تبلیغ کی کوشش نہ فرمادیں۔ تو کیا یہ ہولناک کوتاہی نہیں۔ سوچیئے پھر سوچیئے ہمت کیجئے۔ اور اپنے ہاں سے جو کچھ بھی ہو سکے چندہ جمع کر کے یہ لٹریچر منگائیے۔ اور تبلیغ کے فریضہ ملی میں سبکدوش ہو کر اجر جزیل کے حقدار بنیئے۔ روز فردا اگر آپ سے سوال ہو کہ اللہ کے دین کو پھیلانے میں آپ نے کیا کیا۔ تو پھر کیا جواب ہوگا۔

(ناظم ادارہ امامیہ مشن پاکستان لاہور)

رئیس الحفاظ علامہ حافظ کفایت حسین قبلہ اور زنجانی جنتری ۵۵ء

مجتہد اعظم حمید الصفات الحاج سید ناظر حسین شاہ قبلہ زنجانی اس زمانہ کی ان مغتنم ہستیوں میں سے ہیں۔ جو حقیقت میں نہایت قابل قدر ہیں۔ آپ مذہب اہل بیتؑ کی جس رنگ میں صحیح خدمت بجا لا رہے ہیں۔ وہ آپ کے رسالہ آئینہ قسمت وغیرہ دیکھنے والوں پر مخفی نہیں۔ آپ نے نشر مناقب و فضائل اہل بیت طاہرینؑ کا جو انداز اور طریق اختیار فرمایا ہے۔ وہ تعریف و توصیف سے مستغنی اور اس زمانہ میں بے نظیر ہے۔ بعض غافلان حقیقت تک جو آواز حق اس ذریعے سے پہنچ جاتی ہے۔ اس کے لئے کوئی اس طریق کے اور کوئی طریقہ اس سے بہتر ممکن نہ تھا۔ اس کے واسطے آپ بلاشبہ مستحق مبارک باد ہیں۔ اس سلسلہ کی ایک کڑی زنجانی جنتری ۱۹۵۵ء ہے جس کی خوبی اور حسن کا حسن صرف دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ علاوہ اس مقصد اعلیٰ کے اس میں بہت سی وہ خوبیاں بھی جمع کر دی گئی ہیں۔ جو اہل نظر سے داد لئے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ میں عرض کروں گا کہ اگر اہل ایمان اس کی توسیع اشاعت میں کوشش فرمائیں۔ تو قوم و ملت کی ایک بہترین خدمت ہوگی۔ الاعمال بالنیات۔

میں دعا کرتا ہوں کہ پروردگار عالم جناب موصوف کو اس سے زیادہ توفیق خیر عطا فرمائے۔ اور خوش و خرم رکھے آمین

گنہگار

(حافظ) کفایت حسین ۱۷ اپریل ۵۵ء

امامیہ مشن کے ممبران چندہ دہندگان کو امامیہ مشن کے ذیلی شعبہ "مکتبہ امامیہ"

مکتبہ امامیہ کی کتب پر رعایت: — کی طرف سے شائع ہونے والی کتب پر ۲۰ فیصد رعایت دی جاتی ہے۔ کچھ بھولے بادشاہ غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اصرار فرماتے ہیں۔ کہ ہر کتاب جو ہم بازار سے خرید کر بھیجتے ہیں۔ اس پر بھی یہ رعایت دیں۔ واضح رہے کہ مکتبہ امامیہ کے علاوہ کسی مکتبہ کی کتاب پر اس رعایت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ غور فرمائیے صرف پانچ روپے سالانہ کے بدل میں ماہنامہ پیام عمل اور مکتبہ کی ضخیم کتب (جس کی قیمت ایک سے دس روپے تک اور مجموعی قیمت ۶۷ روپے ہے) پر ۲۰ فیصدی کمیشن کے علاوہ تقسیم کے لئے ۱۰۸ کتابچوں پر پچاس فی صدی رعایت اس شدید گرانی کے دور میں کیا۔ یہ حیرت انگیز "لوٹ نما" رعایت نہیں جس کو برداشت کرنا صرف امامیہ مشن کی ہمت مردانہ ہے۔ کیونکہ اس ملک گیر ادارہ کا مشن تبلیغ اور صرف تبلیغ ہے۔ یہ خسارہ دوسرے ذرائع مثل عطیات اور سہم امام مال خمس سے پوری کی جاتی ہے جس کی پشت پناہی کے لئے حجت الاسلام سرکار شریعتمدار اعلم زمانہ مرجع شیعت سید محسن الحکیم طباطبائی مدظلہ العالی کا اجازہ موجود ہے جس کے لئے ملت جعفریہ پاکستانیہ سرکار کی انتہائی سپاسگزار ہے

ناظم ادارہ امامیہ مشن پاکستان لاہور

مصباح الجفر علامہ حافظ کفایت حسینؒ کی نظر میں

الحمد للہ کہ "مصباح الجفر" کا ایڈیشن مکمل ایک سال کی محنت شاقہ کے بعد منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو چکا ہے۔ اعلیٰ حضرت منجم شاہ زنجانی صاحب قبلہ کی یہ وہ مایۂ ناز تصنیف ہے جس کو ایک اُردو خواں انسان بھی پڑھ کر استخراجات جفر یعنی مستحصلہ حسنہ اور خبریہ پر قادر ہو سکتا ہے چنانچہ حضرت علامہ کفایت حسینؒ صاحب قبلہ نے جو اس کا "پیش لفظ" تحریر فرمایا ہے۔ آپ اس سے بھی اس امر کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

علم جفر ان علوم مخفیہ سے ہے۔ جو ہر شخص کو بادجید سعی و بلیغ حاصل نہیں ہو سکتا۔ علم کیمیا کی تحصیل جد و جہد کے بعد ممکن ہے۔ لیکن علم جفر وہ پاک و پاکیزہ علم ہے جسے حاصل کرنا بغیر افضال پروردگار عالم کے ناممکن ہے۔ دُنیا میں اس کے مدعی ہزاروں نظر آئیں گے۔ لیکن حقیقت میں اس کے جاننے والے اکسیر احمر کی طرح نادر الوقت ہیں میں خود اس علم سے واقف نہیں ہوں۔ اس بنا پر اس کتاب مبارک پر تقریظ لکھنا حقیقت میں میرا وظیفہ نہ تھا لیکن حضرت شاہ صاحب قبلہ منجم اعظم کے اصرار بلیغ کی وجہ سے کچھ لکھنا پڑا۔ میں نے اس علم کے بعض مقدمات پڑھے ہیں۔ جن کا سمجھنا چنداں مشکل نہیں۔ لیکن ان میں بعض مقدمات وہ ہیں۔ جن پر مسائل کے سوال کا جواب مکمل عبارت میں حاصل ہونا موقوف ہے۔ اس سے میں بھی بے بہرہ ہوں۔

حضرت علامہ ابن خلدونؒ نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں علم شریف کا تذکرہ کیا ہے۔ موصوف نے اس علم کا موجد حضرت امام عالی مقام جعفر صادق علیہ السلام کو بتایا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ ان کا تسامح ہے حقیقت یہ ہے کہ اس کے موجد سیدنا علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ اس کے بعض قواعد امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے مخصوص شاگردوں کو تعلیم کیے۔ جس کی وجہ سے علامہ موصوف کو یہ شبہ پیدا ہوا۔ کہ آں حضرت ہی اس کے موجد ہیں۔ اس علم کے واسطے علم نجوم کا جاننا بھی لازم ہے۔ علم الحروف کے انواع میں علم جفر ایک نوع اعظم و اشرف نوع ہے۔ ان مقدمات کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علم نہایت وسیع و عریض ہے۔ انواع سوالات کے اعتبار سے جوابات کے طریقے بھی مختلف ہیں۔ مثلاً شادی کے متعلق سوالات کے جوابات جس طریقہ عمل کے ذریعہ معلوم ہوتے ہیں۔ وہ الگ ہے۔ اور مثلاً دزدی وغیرہ کے متعلق سوالات کے جوابات کا طریقہ عمل الگ ایک طریقہ دوسری نوع کے لئے مفید نہیں ہوتا میں نے اس علم کی مختلف کتابیں پڑھی ہیں۔ جن میں بعض ایسی تھیں جن کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ اس کے مولف نے کسی کتاب کو سامنے رکھ کر ترجمہ شروع کر دیا ہے۔ اور وہ خود

بھی نہیں سمجھتا کہ میں کیا لکھ رہا ہوں۔ یہاں تک کہ علامہ خلدون رح نے بھی جو کچھ لکھا ہے۔ وہ بالکل سطحی چیزیں ہیں جن سے کوئی شخص اس علم کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتا۔

جناب قبلہ شاہ صاحب زنجانی نے اس کتاب کے لکھنے میں بڑی جانفشانی فرمائی ہے۔ اور مقدمات کی وضاحت بہ نسبت دوسری کتابوں کے نہایت اچھے طریقے سے کی ہے۔ جو تفاصیل آپ نے اس کے مقدمہ میں بیان فرمائی ہیں۔ وہ میں نے کسی دوسری کتاب میں نہیں دیکھیں اس علم کے شوقین حضرات اس کو ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ اگر توفیق خدا شامل ہوئی۔ تو ضرور مقصد حاصل ہو جائے گا۔

میں ان کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حضرت منجم اعظم قبلہ نے اس علم کو سمجھانے میں بڑی کوشش فرمائی ہے تمام قواعد کا علم تو صرف حضرات معصومین ہی کو حاصل ہے۔ لیکن موصوف نے ایک حد تک، کافی ذخیرہ فراہم کر دیا ہے۔

گنہگار
کفایت حسین نسبت روڈ لاہور
۱۰ دسمبر ۱۹۵۵ء

حافظ صاحب کا پیغام

ذیل میں وہ پیغام شائع کیا جا رہا ہے جو حافظ کفایت حسین صاحب مرحوم نے اپنی علالت سے پہلے دیا تھا۔

"انجمن وظیفہ سادات و مومنین ایک ایسا منفرد ادارہ ہے۔ جو اپنی ذات میں ایک جماعت ہے۔ حاجی جلال الدین حیدر۔ اس ادارہ کے بانی ۱۹۴۸ء میں پاکستان آئے اور یہاں اس کی شاخ کھولی۔ اس روز سے میں اس انجمن سے منسلک رہا ہوں۔ یہ ادارہ مستحق شیعہ طلباء کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کی عمدہ خدمت سرانجام دے رہا ہے۔ آج ہمارے سامنے بہت سے کامیاب حکیم۔ ڈاکٹر۔ قانون دان۔ انجنیئرز۔ پروفیسرز۔ مبلغ اور مفتی موجود ہیں۔ جنہوں نے اس انجمن سے فائدہ اٹھایا۔ اس کے علاوہ ہم فخریہ طور پر یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ بہت سے سول اور ملٹری کے ملازمین نے بھی اس ادارہ سے فائدہ اٹھایا۔ اس دور میں جبکہ علم کا مطلب ترقی اور ترقی کا مطلب طاقت ہے۔ ہر شیعہ کا یہ مذہبی اور قومی فریضہ ہے۔ کہ وہ اس انجمن کا ممبر بنے۔ اور قوم کے دیگر افراد تک میرا یہ پیغام پہنچائے۔

یہ صرف بانیان انجمن کی نیک نیتی کا نتیجہ ہے کہ یہ انجمن ہمیشہ مخلص اور ایماندار کارکنوں کے ہاتھ میں رہی۔ جنہوں نے صرف نہ اسے زندہ رکھا بلکہ ہمیشہ یہ انجمن ترقی کرتی رہی۔ اس انجمن کے ماضی کے کارنامے اور ریکارڈ۔ آپ کے عطیات اور چندہ کی بہترین گارنٹی ہیں۔

میں تمام شیعوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس مقصد کے لئے فراخدلانہ چندہ دیں۔ معطی حضرات کو اللہ تعالیٰ، اس کا نبی اور اس کے وارث آئمہ پاک، دنیا اور آخرت میں اجر عظیم دیں گے۔

فہرست ممبران علم پتہ

مفصلہ ذیل ممبران کے نام پیام عمل ماہ مئی ارسال کیا گیا۔ مگر تبدیلی پتہ کے باعث واپس آگیا۔ لہذا دفتر کو یہ حضرات اپنے نئے پتے سے مطلع فرمائیں۔

ممبری نمبر ۱۲۷ سید مبارک حسین محمد پور ڈھاکہ۔
" نمبر ۱۲۶۹ سید ذاکر حسین گوجرانوالہ
" نمبر ۵۴۵ سیّد اظہار حسین جعفری کراچی۔
" نمبر ۵۴۶ سید بو علی شاہ کرمانی انسپکٹر سرگودھا۔
" نمبر ۵۳۵ سید زوار حسین رضوی کراچی
نمبر ۲۹۴ نائیک ملازم حسین لاہور چھاؤنی۔
نمبر ۱۲۵۷۵ غلام حیدر شاہ سرگودھا شمارہ مئی (وی پی واپس)
نمبر ۱۳۳۵۷ ڈاکٹر غلام شبیر خاں معرفت
ملازم حسین خاں مظفر گڑھ " " " "
نمبر ۱۳۳۳۶ اویس علی شریف آغا حسن قلی خاں
قزلباش لاہور " " "
نمبر ۱۲۵۸۴ محترمہ والدہ جعفری صاحب لاڑکانہ " " "
نمبر ۱۲۵۳۶ ایم غلام حسن کھرل ملتان " " "
نمبر ۱۲۵۴۴ صوبیدار مصری خاں حیدرآباد " " "
نمبر ۱۲۵۸۲ ملک مشتاق حیدر لاہور " " "
نمبر ۱۲۵۹۹ سید قربان علی چارجمین کراچی کینٹ " "
نمبر ۱۳۳۵۰ سید مشتاق حسین اوورسیئر خیرپور میرس (سکھر)

ممبران مشن کی خدمت میں التماس ہے۔ کہ حتی الامکان مستقل پتہ پر شمارہ پیام عمل ہر ماہ منگوایا کریں۔ تاکہ شمارہ نہ ملنے کی شکایت میں تخفیف پیدا ہو۔ آئے دن پتہ جات کی تبدیلیوں سے شکایات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اگر بالفرض تبدیلی پتہ کی ضرورت پیش آئے تو ہر ماہ کی بیس تاریخ تک پتہ تبدیل کروانا ضروری خیال کریں۔ تاکہ رسالہ پوسٹ کرنے سے قبل ہم اس پر قابو پا سکیں۔

بقیہ امتحان صفحہ ۱۳۰ سے آگے

حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں اللہ رسول اللہ امام حسین سے اس لئے زیادہ افضل ہیں کہ حسینی امتحانات کے علاوہ رسول کے اور بھی امتحانات تھے۔ ہماری یہ بات بعض تنگ نظروں کو اچھی نہ لگے گی۔ لیکن کیا وہ یہ نہیں تھے کہ وہ حسین ہی کا فرزند ہے جو انبیاء کا امام ہوگا۔ یعنی مہدی آخرالزمان جو دلیل افضلیت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ امام حسین اس سے بھی افضل ہیں۔

نشان عزا

نئے نوحوں کی بیاض مصنفہ محترمہ منور سلطانہ لکھنوی

حسینی عزم و صداقت اور واقعات کربلا کا ایسے دردانگیز اور رقت آمیز لہجے میں بیان پیش کیا گیا ہے۔ کہ آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔ ماتمی دستوں کے لئے نایاب کتاب ہے

ہدیہ صرف ایک روپیہ

مرتبہ:۔ انجمن شعرائے اہلبیت پاکستان

ناشر۔ امامیہ مشن پاکستان پاک نگر اکرم روڈ لاہور

مکتبہ امامیہ (امامیہ مشن پاکستان) کے انمول جواہرات

امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ لاہور، پاکستان بھر میں علوم محمد و آل محمد کی سب سے بڑی نشر گاہ ہے۔ اس کا ذیلی شعبہ امامیہ دین حقہ کے متعلق بہترین کتابیں شائع کرتا ہے۔ مندرجہ ذیل کتابوں پر ممبران مشن کو ۲۰ فی صد رعایت دی جاتی ہے۔ آپ کا فرض ہے کہ ادارہ ہذا سے کتب خرید کر علوم محمد و آل محمد کی نشر و اشاعت میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ (ناظم دفتر)

نام کتاب	قیمت
متعہ اور اسلام	۳/-
کربلا کی شیر دل خاتون	۳/-
خلافت و امامت	۱۰/-
قبر و قبور	۱/-
اسوۂ حسینی	۲/۲۵
زندگی کا حکیمانہ تصور	۲/۲۵
حضرت امام حسین شہید	۲/۷۵
اعجاز التنزیل	۶/-
اثبات پردہ	۲/-
دینیات حصہ اول از ذاکر حسین	۱/۱۲
دینیات حصہ دوم "	۱/۲۵
تاریخ اسلام حصہ اول سید العلماء	۲/-
تاریخ اسلام حصہ دوم "	۲/۷۵
مجالس الشیعہ	۲/-
رہنمایانِ اسلام	۲/-
شہیدِ اعظم	۳/-
فتح مبین	۴/-
تاریخ حسن مجتبیٰ	۸/-
النقدی	۵/۵۰
مجمع الفضائل المشوب	۸/-

نام کتاب	قیمت
رہنمائے حجاج	۱/۵۰
دین حق	۴/۵۰
دین اسلام	۳/۲۵
اعتقادیہ شیخ صدوق	۲/-
دیگر اداروں کی کتب	
ان کتب پر کوئی رعایت نہیں دی جاتی۔	
جلاء العیون جلد اول، زاہد حسین	۴/-
ابوطالب مومن قریش	۶/-
خورشید خاور جلد اول	۶/-
وضو کتاب سنت کی روشنی میں	۱/-
دین آباء النبی	۲/۵
عصمت رسول	۳/-
شیعہ محمد	۱/-
شہاب ثاقب	۱/۲۵
نشان عزا	۱/-
ذخیرۃ المجالس	۲/۲۵
ہدیہ طیبہ	۲/۷۵
احسن العقائد ۶/-	
سرور لکھنوی خاتم النبیین نمبر	
قاتلان حسینؑ کا مذہب	

نام کتاب	قیمت
حمائل شریف فرمان علی	۸/-
قرآن مجید فرمان علی ۱۲/-	۲۰/-
قرآن مجید مقبول ۱۲/-، ۲۲/-،	۳۲/-
القرآن المبین تفسیر المتقین ۱۰/-	۱۴/-
نور العصر ۴/۵۰ "	۶/-
صحیفہ علویہ	۸/-
کلیات مفاتیح الجنان	۶/-
گوہر یگانہ حالات امام زمانہ	۶/-
اعجاز التنزیل	۶/-
پنجتن پاک	۳/۷۵
دعائے کمیل انگلش عربی	۲/-
دعائے کمیل انگلش خورد	۰/۱۳
لائف آف علیؑ انگلش	۰/۵۰
ٹریجڈی آف کربلا انگلش	۱/-
المرتضیٰ	۳/۸۷
بحار الانوار	۷/۲۵
ذکر العباس	۶/-
تاریخ کربلا و نجف	۴/۷۵
وسائل الشفاعۃ	۵/-
ذبح عظیم	۶/۵۰

www.khwajalateefansari.com

دالقہ تمام (چالیس مجالس)	۲۵/-
بیعت رضوان	۲/-
ابوطالب مومن قریش	۵/-
شہداء ایمان	۱/۰۰
احیاء المیت سیوطی	۱/۲۵
جلاء العیون حصہ اول اردو	۵/-
بنت رسولؐ کا حق وراثت	۳/-
توضیح الاحزان مکمل	۱۱/۲۵
الجمہوریت والامامت	۴/۰۰
عقائد اسلام	۱/۵۰
ذریعۃ النجات	۳/۰۰
اسلام (انگلش)	۳/-
ٹولیرانس اسلام (انگلش)	۰/۶۲
ڈیوائنٹی (انگلش)	۰/۲۵
ایلیاء	۰/۵۰
قضایا ئے امیر المومنین	۶۲/-
معارج العرفان	۰/۷۵
بدر اور علی	۱/۲۵
بنی امیہ کی جنگ اسلام سے	۲/۵۰
تفسیر قرآن پارہ اوّل	۶/۰۰
تفسیر قرآن پارہ دوم	۵/-
صحیح بخاری مکمل تین جلد	۴۸/-
موعظہ غدیر علامہ حائری	۰/۴۴
موعظہ ثقیہ "	۰/۴۴
موعظہ مباہلہ "	۰/۴۴
موعظہ تحریف قرآن "	۰/۴۴

قرآن مجید معربی	۴/-
لغات المذہب	۰/۵۰
بائبل و قابیل	۴/-
یونٹی آف گاڈ (انگلش)	۰/۳۱
قرآن مجید مترجم فرمان علی صاحب مرحوم	۱۸/-، ۱۲/-
قرآن مجید مترجم مقبول احمد	۱۲/-، ۲۰/-
قرآن مجید مترجم انگلش	۸/-
مقدمہ تفسیر قرآن علامہ علی نقی	۴/۵۰
نہج البلاغہ مترجم مفتی جعفر حسین	۱۵/-
نہج البلاغہ مترجم انگلش	۱۵/-
تحفۃ العوام کامل	۶/-
تحفۃ العوام مصدقہ	۵/۲۵
تحفۃ العوام مقبول	۵/۷۵
آثار حیدری تفسیر امام حسن عسکریؑ	۸/۵۰
فتنہ تفسیر بالرائے علامہ اعلیٰ حسین	۴/۷۵
توضیح المسائل مفید	۸/-
مفاتیح الجنان اردو	۱۰/۵۰
جشن مومنین میلاد معصومین	۰/۶۲
رحمت العالمین	۲/۵۰
سوانحعمری رسول مقبولؐ	۷۵/۴
عمدۃ المطالب	۱۵/-
سیرت فاطمۃ الزہراؑ	۷/۲۵
مذہب شیعہ	۵/-
حیات القلوب اردو جلد اول	۹/۵۰
فجر المشرقین	۱۰/-
اصل و اصول شیعہ	۲/۰

چودہ ستارے	۸/-
الشہید	۳/۶۲
نورِ ایمان	۶/۲۵
کتاب التحریف والتحریف فی الاسلام	۸/۵۰
سیاست معاویہ و یزید حصہ اوّل	نصف قیمت
سیاست معاویہ و یزید حصہ دوم	نصف قیمت
عبید اللہ بن سبا	۳/۵۰
ثبوتِ خلافت	۷/-
ابوتراب جلد اول	۴/۵۰
ابوتراب جلد دوم	۴/۵۵
ترجمہ ینابیع المودّت	۱۵/-
مختار آل محمدؐ	۵/۲۵
خطبہ معاویہ بن یزید	۰/۵۰
آفتابِ شہادت	۴/-
وظائف مقبول	۳/۵۰
ترجمہ سر الشہادتین (شاہ عبدالعزیز)	۲/-
تہذیب اسلام مطبوعہ لاہور	۸/-
جواہر البیان	۳/۲۵
فلسفہ اسلام حصہ اوّل	۸/۲۵
فلسفہ اسلام حصہ دوم و سوم	۸/۷۵
مراثی انیس چار حصے	۴۸/-
البلاغ المبین حصہ دوم	۸/۵۰
کلامِ اقبال مکمل سیٹ	۳۷/-
اصول الشریعۃ فی عقائد الشیعہ	۴/-
الامام الصادق	۱۰/-
تذکرۃ الخواص	۸/-

www.khwajatefarsari.com

فہرست ممبران و معاونین مشن

جن حضرات کا سالانہ چندہ موصول ہوا۔ اور رسیدات دفتر سے جاری نہیں کی گئیں حسب ذیل ہے۔

۱۴۸۔ ظفر علی خاں ملتان ممبری ۳۴۷۵ء

۱۴۹۔ سید شہنشاہ علی نقوی ملتان " ۷۰۲۱ء

۱۵۰۔ مبشر حسین سیالکوٹ " ۱۳۲۴۱ء

۱۵۱۔ سید غلام سیدین مظفر گڑھ " ۱۲۲۳ء

۱۵۲۔ سید مجاہد حسین ترمذی جھنگ " ۱۳۱۴ء

۱۵۳۔ سید فتح دریا شاہ راولپنڈی " ۳۱۹۰ء

۱۵۴۔ ایم نور خاں کراچی " ۴۸۰۱ء

۱۵۵۔ چوہدری منظور علی دادو " ۹۰۴۷ء

۱۵۶۔ سید خادم حسین کراچی " ۱۱۹۶۰ء

۱۵۷۔ امداد حسین بنگش " " ۱۱۲۶۴ء

۱۵۸۔ محمد حاصل خیرپور " ۹۶۹۶ء

۱۵۹۔ سارنگ خاں " " ۱۲۳۵۰ء

۱۶۰۔ سید وحید حسن " " ۱۳۶۵۰ء

۱۶۱۔ بیگم سید فریاد علی کاظمی راولپنڈی " ۱۸۳۲ء

۱۶۲۔ غلام علی جعفری گوجرانوالہ " ۱۲۵۱۹ء

۱۶۳۔ سید وجیہہ الحسن جعفری ملتان " ۳۴۰۹ء

۱۶۴۔ عاشق علی پشاور " ۴۲۲۸ء

۱۶۵۔ سید شاہد حسین ملتان " ۱۲۴۱۱ء

۱۶۶۔ سید تنویر الحسن نقوی کراچی " ۲۵۷۳ء

۱۶۷۔ بیگم مقبول احمد خاں ملتان " ۲۷۴۱ء

۱۶۸۔ ایس اے علی مرزا چٹاگانگ " ۵۵۳۴ء

۱۶۹۔ سید مرزا حسن کربلائی کوہاٹ ممبری ۵۹۳۵ء

۱۷۰۔ سید علمدار حسین نواب شاہ " ۶۳۵۵ء

۱۷۱۔ میاں واحد بخش مظفر گڑھ " ۷۰۳۵ء

۱۷۲۔ سید مرتضیٰ حسین زیدی گجرات " ۷۵۱۱ء

۱۷۳۔ سید احمد رضا سکھر " ۷۸۲۷ء

۱۷۴۔ سید ذاکر حسین نقوی لائلپور " ۷۹۳۶ء

۱۷۵۔ غیور عباس خیرپور " ۸۴۷۱ء

۱۷۶۔ صغیر علی لاہور " ۸۹۲۴ء

۱۷۷۔ سید فضل حسین شمسی ڈیرہ غازی خاں " ۸۹۴۵ء

۱۷۸۔ سید فضل حسین لائلپور " ۹۰۲۴ء

۱۷۹۔ سید ذوالفقار علی شاہ جہلم " ۱۲۶۳۷ء

۱۸۰۔ سید لطیف حسین ڈھاکہ " ۷۱۳۴ء

۱۸۱۔ سید رفیق احمد شاہ لاہور " ۲۳۱۷ء

۱۸۲۔ سید حسن علی لاہور " ۳۵۲۵ء

۱۸۳۔ سید محمد رفیق نقوی سکھر " ۴۸۳۳ء

۱۸۴۔ سردار حاکم خاں میانوالی " ۶۵۳۶ء

۱۸۵۔ سید محمد افضل شاہ لائلپور " ۹۲۱۷ء

۱۸۶۔ سید نبکت علی شاہ لاہور " ۱۰۶۵۰ء

۱۸۷۔ ریاض حسین شاہ لائلپور " ۱۰۷۷۴ء

۱۸۸۔ محمد فقیر گلگت " ۱۰۷۹۰ء

۱۸۹۔ سید اشرف حسین رضوی میانوالی " ۱۰۹۷۲ء

۱۹۰۔ سید احمد عباس ملتان " ۱۰۹۸۵ء

۱۹۱۔ سید ظفر یاب حسین سیالکوٹ " ۱۱۶۰۵ء

۱۹۲۔ سید علی رضوی ڈھاکہ " ۱۲۱۳۳ء

۱۹۳۔ سید کرامت علی کوئٹہ " ۱۲۳۴۴ء

۱۹۴ - خورشید اکبر سلہٹ ممبری ۱۲۵۰۸
۱۹۵ - سیدہ نیر آسا مجتبیٰ بیگم ڈھاکہ " ۱۳۴۸۳
۱۹۶ - غلام حسن گلگتی ملتان " نہ معلوم
۱۹۷ - سید امیر حسین شاہ رسالپور " نہ معلوم
۱۹۸ - سید فیاض حسین رضوی میانوالی " ۱۲۸۷۸
۱۹۹ - مرزا محمود چٹاگانگ " ۱۳۲۳۸
۲۰۰ - میر گلشن خان جمالی لاڑکانہ " ۱۳۲۶۰
۲۰۱ - بیگم آغا علی حیدر سکھر " ۴۲۴۱
۲۰۲ - سید مرتضیٰ حسین زیدی لاہور " ۱۶۸۷
۲۰۳ - سید شریف حسین حیدر لاہور " ۶۳۲۹
۲۰۴ - سید کاظم حسین زیدی لائلپور " ۷۸۷۱
۲۰۵ - محبوب حسین نقوی سرگودھا " ۹۸۸۱
۲۰۶ - منظر حسین جعفری کراچی " ۶۰۸۳
۲۰۷ - افتخار حسین بخاری ڈیرہ غازی خاں " ۷۰۹۹
۲۰۸ - سید منظور حسین واہ کینٹ " ۱۰۱۶۹
۲۰۹ - سید آل مقبول رضوی خیرپور " ۱۰۸۹۳
۲۱۰ - غلام یٰسین میانوالی " ۱۱۸۹۹
۲۱۱ - ناظم علی باقر علی انصاری خیرپور " ۱۴۹۴۲
۲۱۲ - ایم اے اصغر سیالکوٹ " ۱۲۱۶۵
۲۱۳ - سید منور مہدی کراچی " ۱۲۵۸۳
۲۱۴ - این اے زیدی " " ۱۲۶۷۹
۲۱۵ - سید افتخار حسین " " ۱۲۶۸۷
۲۱۶ - راجہ خلق حسین کیمبل پور " ۱۲۷۷۷
۲۱۷ - غلام عباس خاں راولپنڈی " ۲۷۷۸
۲۱۸ - تجمل حسین کراچی " ۵۵۸

۲۱۹ - محمد شفیع ناز کراچی ممبری ۱۰۸۹
۲۲۰ - سلطان محمود کلاچی ڈیرہ نواب صاحب " ۱۱۸۲
۲۲۱ - سید ظہر حسین گجرات " ۱۷۸۷
۲۲۲ - سید ریاست حسین زیدی ساہیوال " ۲۰۷۱
۲۲۳ - ساجد علی مرزا لاہور " ۳۱۸۲
۲۲۴ - عبدالرزاق رحیم یار خاں " ۳۱۸۶
۲۲۵ - سید آل حسن لاہور " ۳۶۳۵
۲۲۶ - سید سجاد حسین کراچی " ۵۳۹۴
۲۲۷ - راجہ بہادر خاں " ۵۶۱۲
۲۲۸ - نسیم حیدر کربلائی ملتان " ۵۸۲۳
۲۲۹ - ملک لال محمد خاں جھنگ " ۹۰۷۰
۲۳۰ - سید غلام سرور شاہ گجرات " ۱۰۲۳۴
۲۳۱ - محمد اقبال جھنگ " ۱۰۳۲۲
۲۳۲ - سید ظہیر حسین ملتان " ۱۰۹۶۹
۲۳۳ - سید باقر حسین بخاری سیالکوٹ " ۱۱۳۲۶
۲۳۴ - سید اظہر حسین کراچی " ۱۱۸۷۷
۲۳۵ - سید حیدر حسین " " ۱۲۱۶۶
۲۳۶ - سید اظہر حسین زیدی لاہور " ۱۲۱۶۷
۲۳۷ - روشن خاں سکھر " ۱۲۶۷۴
۲۳۸ - شمیم حیدر شکارپور " نہ معلوم
۲۳۹ - ذوالفقار علی بلوچ لاڑکانہ " ۱۲۸۵۷
۲۴۰ - اقبال حسین جہلم " ۱۳۳۴۶
۲۴۱ - ملک غلام حیدر کربلائی میانوالی " ۴۲
۲۴۲ - سید اظہار حسین جعفری جہلم " ۵۴۵
۲۴۳ - چوہدری محمد علی جھنگ " ۶۶۰

www.khwajatefansari.com

۲۴۴ - خورشید احمد سیالکوٹ ممبری ۷۸۹
۲۴۵ - سید رفاقت علی شاہ گجرات " ۱۰۷۱
۲۴۶ - سید جعفر حسین کراچی - " ۱۶۳۱
۲۴۷ - سید مظفر حسین زیدی بہاولپور " ۲۴۵۵
۲۴۸ - سید حسن پشاور " ۲۷۳۲
۲۴۹ - سید منظور حسین کاظمی مظفر گڑھ " ۴۹۰۹
۲۵۰ - سید افتخار حسین ملتان " ۳۲۴۲
۲۵۱ - حکیم غلام شاہ عباسی نواب شاہ " ۳۸۲۰
۲۵۲ - سید ضامن علی رضوی سرگودہا " ۴۰۳۷
۲۵۳ - بیگم ایم اے شاہد کراچی " ۴۴۹۷
۲۵۴ - سید جعفر حسین زیدی خیرپور " ۴۶۶۳
۲۵۵ - فدا حسین شاہ گجرات " ۴۸۷۰
۲۵۶ - ہاشم علی طور دادو " ۴۸۹۵
۲۵۷ - سید محبوب اصغر کراچی " ۵۴۴۸
۲۵۸ - سید مشرب حسین کوہاٹ " ۵۹۳۹
۲۵۹ - سید صورت علی شاہ " " ۵۹۴۰
۲۶۰ - سید عابد حسین " " ۵۹۵۵
۲۶۱ - لال الدین گجرات " ۶۳۹۰
۲۶۲ - سید جواد علی جعفری " " ۶۴۱۰
۲۶۳ - حاجی برات علی کوئٹہ - " ۶۷۲۰
۲۶۴ - فقیر محمد رحیم یار خاں " ۶۹۴۱
۲۶۵ - منشی محمد چراغ " " ۶۹۴۲
۲۶۶ - محمد صابر راولپنڈی " ۷۳۷۴
۲۶۷ - اکبر علی گجرات " ۷۴۳۱
۲۶۸ - خورشید مہدی کراچی " ۷۶۲۹

۲۶۹ - سید انور علی شاہ بہاول نگر ممبری ۵۷۸۹
۲۷۰ - صبیح صادق راولپنڈی " ۷۸۵۷
۲۷۱ - سید شبیر الرضا نقوی حیدرآباد " ۸۴۴۲
۲۷۲ - شہاب الدین شہداد پور " ۸۵۱۵
۲۷۳ - ایس ایم نقی حیدر لاہور " ۸۷۹۱
۲۷۴ - لیاقت حسین قریشی کراچی " ۸۸۷۱
۲۷۵ - ملک نوازش حسین سیالکوٹ " ۹۲۶۶
۲۷۶ - معین خاں وزیر خاں کوہاٹ " ۹۲۷۵
۲۷۷ - امیر بخش شاری دادو " ۹۲۹۴
۲۷۸ - سید علی حسن کوہاٹ " ۹۶۵۸
۲۷۹ - سید اعجاز حسین جھنگ " ۹۷۵۲
۲۸۰ - سید محبوب علی شاہ گوجرانوالہ " ۹۹۰۱
۲۸۱ - سید تفضل حسین حیدرآباد " ۹۹۴۳
۲۸۲ - حاجی سید غلام رضا شاہ سرگودہا " ۱۰۱۱۳
۲۸۳ - سید محمد حسین گوجرانوالہ " ۱۰۲۶۴
۲۸۴ - نیاز محمد انصاری " " ۱۰۵۱۱
۲۸۵ - ملک عبداللہ جان جعفری راولپنڈی " ۱۰۷۶۴
۲۸۶ - اختر علی پشاور " ۱۰۸۶۴
۲۸۷ - مرتضیٰ میراں بخش سرگودہا " ۱۱۳۰۲
۲۸۸ - سید محمد حیدر رضا زیدی مظفر گڑھ " ۱۱۳۴۵
۲۸۹ - سید علی عابد زیدی گوجرانوالہ " ۱۱۳۷۹
۲۹۰ - محمد بوٹا ساہیوال " ۱۱۵۴۷
۲۹۱ - غلام محمد بھٹی - بنوں " ۱۱۵۴۸
۲۹۲ - سید نذیر حسین بخاری کوہاٹ " ۱۱۷۵
۲۹۳ - سید ابن حسن میانوالی " ۱۱۷۹۵

www.khwajatalateefansari.com

۲۹۴۔ زوار حسین جہلم ممبری ۱۲۱۲۱
۲۹۵۔ نثار غلام رسول سکھر " ۱۲۲۰۴
۲۹۶۔ ذوالفقار حسین مردان " ۱۲۶۶۸
۲۹۷۔ سید رضا حسین نقوی لاہور " ۱۲۹۱۵
۲۹۸۔ سید سجاد حسین خیرپور " ۱۳۱۸۷
۲۹۹۔ سید جعفر علی عابدی کوئٹہ " ۱۲۳۲۵
۳۰۰۔ مظفر عباس رضوی کراچی " ۶۸۶۴
۳۰۱۔ خورشید اکبر سلہٹ " ۱۲۵۰۸
۳۰۲۔ فیض حسین شاہ ڈھاکہ " ۱۲۵۲۸
۳۰۳۔ مطاہر علی خاں " " ۱۲۵۲۹
۳۰۴۔ اصغر رضا بیگ " " ۱۲۵۳۰
۳۰۵۔ حبیب حسین شریف کراچی " ۱۵۵۵۶
۳۰۶۔ سید حسن علی سکھر " ۱۲۵۵۸
۳۰۷۔ سید فرحت حسین ملتان " ۱۲۵۶۰
۳۰۸۔ ملک اللہ داد میانوالی " ۱۲۵۷۵
۳۰۹۔ سید منور مہدی کراچی " ۱۲۵۸۳
۳۱۰۔ سید منشور حسین نقوی " " ۱۲۵۸۷
۳۱۱۔ فدا حسین مولیدنا " " ۱۲۵۹۶
۳۱۲۔ ملک احمد شیر سرگودھا " ۱۲۶۱۰
۳۱۳۔ سید علی اختر جعفری ملتان " ۱۲۸۱۴
۳۱۴۔ پیر بخش خیرپور " " ۱۳۳۱۹
۳۱۵۔ امام بخش خاں میانوالی " ۱۳۳۲۷
۳۱۶۔ سید شبیر حسین لاہور " ۱۳۳۳۱
۳۱۷۔ سید احمد مثنیٰ " " ۱۳۳۴۰
۳۱۸۔ سید نذیر حسین واہ کینٹ " ۱۳۳۴۳

۳۱۹۔ سید محمد حسین ڈھاکہ ممبری ۴۷۳۱
۳۲۰۔ سید حسن مہدی نقوی کراچی " ۳۰۳۹
۳۲۱۔ غلام یٰسین جیکب آباد " ۶۳۶۶
۳۲۲۔ محمد حسین شاہ کومیلا " ۱۲۳۶۲
۳۲۳۔ مہر احمد الدین گوجرانوالہ " ۳۱۸
۳۲۴۔ کریم بخش ربڑ و خیرپور " ۶۱۳
۳۲۵۔ حاجی سید محمد شاہ نقوی اپنے " ۲۱۵۴
۳۲۶۔ سید ناصر حسن عابدی ترمذی کراچی " ۳۶۸۸
۳۲۷۔ سید علی رضا راولپنڈی " ۳۸۴۴
۳۲۸۔ سید اعجاز حسین نقوی حیدرآباد " ۳۸۸۸
۳۲۹۔ سید مہدی حسین نقوی ڈیرہ غازی خان " ۵۸۳۷
۳۳۰۔ سید مرتضیٰ رضا رضوی کراچی " ۷۱۴۸
۳۳۱۔ سیدہ نور جہاں بیگم لاہور " ۷۱۵۷
۳۳۲۔ سید شریف حیدر زیدی کراچی " ۹۱۶۳
۳۳۳۔ سید وجیہ الحسن زیدی سوئی گیس فیلڈ " ۹۲۶۳
۳۳۴۔ فیروز الدین غلام محمد خیرپور " ۹۵۳۷
۳۳۵۔ سید ذوالفقار حسین باقری سکھر " ۱۰۳۵۹
۳۳۶۔ محمد باقر سرگودھا " ۱۰۷۱۲
۳۳۷۔ سید حسنین شارگ " ۱۱۰۴۶
۳۳۸۔ سید ہاشم رضا حیدرآباد " ۱۱۲۵۸
۳۳۹۔ سید راحت حسین سہالی لاہور " ۱۱۳۹۱
۳۴۰۔ مختار احمد ہنزہ سٹیٹ " ۱۲۶۳۶
۳۴۱۔ سید محبت حسین لاہور " ۱۲۷۶۶
۳۴۲۔ سید احمد حسین " " ۱۲۷۶۷

www.khwajatafsari.com

۳۴۳۔ سیّد محمد شاہ جھنگ ممبری ۲۰۲۱

۳۴۴۔ سید غلام جعفر شاہ گوجرانوالہ " ۳۹۳۴

۳۴۵۔ محمد رضا خیرپور " ۴۵۸۰

۳۴۶۔ بیگم سید حامد حسین " " ۴۶۰۵

۳۴۷۔ صادق علی ملک راولپنڈی " ۴۸۸۹

۳۴۸۔ سیّد منظور حسین نقوی مظفرگڑھ " ۶۵۵۳

۳۴۹۔ سید محمد ابراہیم رضوی کراچی " ۶۵۵۵

۳۵۰۔ سیّد مرتضیٰ حسین چپلو " ۱۲۸۸۵

۳۵۱۔ تراب علی بنارسی خیرپور " ۱۰۴۸۲

۳۵۲۔ گل حسن بلوچ میرپور خاص " ۱۰۴۹۸

۳۵۳ عارف حسین جعفری سرگودھا " ۱۱۳۱۴

۳۵۴۔ سید منور حسین ترمذی ملتان " ۱۲۲۵۲

۳۵۵۔ مشتاق حسین شاہ تھرپارکر " ۱۲۲۷۴

۳۵۶۔ بیگم سید افتخار حیدر نقوی گوجرانوالہ " ۱۲۳۰۹

۳۵۷۔ سیّد اقبال علیم کراچی " ۱۲۵۴۸

۳۵۸۔ سید زمرد حسین کوٹلی " ۱۲۵۴۹

۳۵۹۔ سیّد میر افضل کاظمی جہلم " ۱۲۵۶۴

۳۶۰۔ سید مظفر عباس میانوالی " ۱۲۶۰۳

۳۶۱۔ محمد علی جعفر کراچی " ۱۲۶۱۳

۳۶۲۔ ملک محمد علی ساہیوال " ۱۳۳۱۱

۳۶۳۔ علی احمد مہدی بلوچ نواب شاہ " ۱۳۳۳۴

۳۶۴۔ قادر بخش لسبیلہ کراچی " ۱۳۳۴۵

۳۶۵۔ ذوالفقار علی شاہ بخاری رسالپور " ۱۲۵۹۸

۳۶۶ سراج حیدر انصاری خیرپور " ۱۲۶۰۶

۳۶۷ بیگم سید ابرار حسین لائلپور " ۱۲۶۲۳

۳۶۸۔ سید مقصود حسین رضوی لاڑکانہ ممبر ۱۳۲۱۳

۳۶۹۔ شریف حسین ملتان " ۲۷۹۲

۳۷۰۔ شیخ معشوق حسین حیدرآباد " ۳۸۳۰

۳۷۱۔ سید جمیل ناصر رضوی کراچی " ۴۳۸۹

۳۷۲۔ سید رفیق حسین ملتان " ۷۰۹۰

۳۷۳۔ سرفراز خاں فرید خیل سکھر " ۱۱۸۲۲

۳۷۴۔ فضل حسین سیالکوٹ " ۱۱۹۳۳

۳۷۵۔ الطاف حسین شاہ جہلم " ۱۲۱۲۰

۳۷۶۔ سید ضیغم عباس لاڑکانہ " ۱۲۲۲۰

۳۷۷۔ سید پریل شاہ خیرپور " ۱۲۳۴۹

۳۷۸۔ زوار منیا " " ۷۵۸۰

۳۷۹۔ وڈیرہ کریم بخش " " ۱۱۲۸۳

۳۸۰۔ سید عارف حسین زیدی " ۷۷۱۴

۳۸۱۔ رنگ علی شاہ جھنگ " ۱۰۷۳۹

۳۸۲۔ سیّد کاظم رضا کراچی " ۵۱۹۷

۳۸۳۔ سیّد مظاہر حسین نقوی راولپنڈی " ۴۳۶۰

۳۸۴۔ ہشیرہ صاحبہ سید فرزند رضا نقوی راولپنڈی ۵۶۳۹

۳۸۵۔ محمد علی اعوان سرگودھا " ۶۱۲۵

۳۸۶۔ خالد علی انصاری کوئٹہ " ۶۶۷۶

۳۸۷۔ غلام مہدی شکر " ۷۷۸۵

۳۸۸۔ فرزند علی شاہ حیدرآباد " ۸۲۰۷

۳۸۹۔ سیّد احمد علی شاہ جہلم " ۸۵۰۳

۳۹۰۔ چوہدری محمد ابراہیم شیخوپورہ " ۸۸۸۶

۳۹۱۔ سیّد شہنشاہ حسین جعفری کراچی " ۸۹۷۶

۳۹۲۔ سید اخلاق حسین رضوی ٹنڈو پانی " ۹۳۴۳

۳۹۳ - ملک نذیر احمد واہ کینٹ	ممبری	۱۰۳۰۱
۳۹۴ - فضل الدین بھٹی لاہور	"	۱۱۶۸۸
۳۹۵ - ملک محمد رمضان مظفر گڑھ	"	۶۸۸۹
۳۹۶ - میاں طالب حسین	"	۶۹۶۵
۳۹۷ - ملک ظہور حسین	"	۱۱۶۲۰
۳۹۸ - زاہد حسین خاں کوئٹہ	"	۱۲۷۰۹
۳۹۹ - نور احمد جہلم	"	۱۰۰۷۸
۴۰۰ - محمد اسماعیل جیکب آباد	"	۱۱۹۴۸
۴۰۱ - سید ظہور حیدر رضوی	"	۸۸۷۰
۴۰۲ - غلام رسول ملک ڈیرہ اسمٰعیل خان	"	۱۱۰۳۵
۴۰۳ - محمد حسن میر کوٹ سکردو	"	۱۳۴۳۷
۴۰۴ - سید غلام شبیر حیدر نقوی گوجرانوالہ	"	۱۲۶۱۷
۴۰۵ - سید سہیل رضا ڈیرہ غازیخاں	"	۱۲۶۲۶

اسلامی جنگیں

مؤلف :- شفیقی عہدی پوری

ناشر :- دارالکتب انجمن حمایت اسلام
کشمیری بازار لاہور

صفحات :- پانچ سو۔

قیمت :- چھ روپے

جناب شفیقی عہدی پوری ملک کے ایک ممتاز ادیب اور شاعر ہیں۔ ان کی دوسری تصانیف بھی منظر عام پر آکر لوگوں سے خراج وصول کر چکی ہیں "اسلامی جنگیں" درحقیقت ان کی روح کی آواز ہے جسے انہوں نے الفاظ کا جامہ پہنا دیا ہے۔ اب جبکہ اسلام کے دشمن مسلمانوں کو فنا کرنے کے درپے ہیں۔ ایسی کتابوں کی اشاعت دین کی بقا کا سامان فراہم کرتی ہے۔ کتاب میں قرون اولیٰ کے مذہبی جوش کا حال دکھایا گیا ہے اور توقع کی گئی ہے۔ کہ آج کے مسلمان بھی اسی انداز کے ہو جائیں۔ کہیں کہیں بے محل جملے کھٹکتے ہیں۔ لیکن جوش اسلامی انہیں اپنے بہاؤ میں بہا لے جاتا ہے۔

شہود عرفان ۔ قصائد کا مجموعہ مصنفہ سہیل بنارسی مرتبہ انجمن شعرائے اہل بیت پاکستان لاہور جناب سہیل بنارسی ایک مشتاق شاعر اہلبیت ہیں اس سے قبل ان کے قصائد کا ایک مجموعہ نقوش عرفان منظر عام پر آچکا ہے۔ ابھی ابھی کمالیہ ضلع لائلپور سے ان کا تیسرا مجموعہ عروج عرفان شائع ہوا ہے۔

ایک چوتھا مجموعہ شعور عرفان پریس میں اشاعت پذیر ہے۔ زیر نظر مجموعے میں امام زمانہ کے متعلق ۲۰ قصائد شامل ہیں۔ یہ قصیدے کیا ہیں۔ موتیوں کی لڑیاں ہیں۔ انہیں پڑھ کر مصنف کی امام زمانہ سے محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ کتاب پر دیباچہ ڈاکٹر اسد ادیب نے تحریر کیا ہے یہ دیباچہ بہت معلوماتی اور وزنی ہے قیمت ایک روپیہ پچاس پیسہ، مکتبہ امامیہ مشن لاہور سے مل سکتی ہے۔

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں

امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ کا گراں قدر تبلیغی لٹریچر

امامیہ مشن پاکستان نے اپنے بارہ سالہ دور کارکردگی میں دو سو سے زائد کتابچے شائع کئے ہیں جن کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ یہ کتابچے خود پڑھیے، دوسروں کو پڑھایئے، محافل و مجالس میں مفت تقسیم فرما کر تبلیغ جیسی اہم فریضہ ادا کیجیے اور خوشنودی آل محمدؐ حاصل کیجیے۔ مفت تقسیم کے لئے یہ کتابچے نصف قیمت پر مہیا کئے جاتے ہیں۔

خدا کا ثبوت	۱۶ پیسے	امام رضاؑ	۱۶ پیسے	حسینؑ اور اسلام	۰۴۸ ۵
نویں امام	۱۶ "	خمس	۱۶ "	شجاعت کے مثالی کارنامے	۰۴۸ ۵
دسویں امام	۱۶ "	قرآن فہمی	۱۶ "	قاتلانِ حسینؑ کا مذہب	۰۳۲ ۱
حیات ہاشم	۱۶ "	امام منتظرؑ	۱۶ "	بین الاقوامی شہید اعظم	۱۶ پیسے
آثارِ قدرت	۰۲۴ ۵	شہادت زادِ کربلا	۸ "	حقیقت اسلام	۰۲۴ ۵
غریب کا مسافر	۱۶ پیسے	مراسم عزا کا ثبوت	۰۳۲ ۵	اسلامی نظریہ حکومت	۰۲۴ ۵
جناب امیرؑ کا علمی نصب العین	۰۳۲ ۵	حق و باطل کا آخری معرکہ	۸ پیسے	شاہ است حسینؑ	۱۶ پیسے
صدیقۂ صغریٰ	۰۲۴ ۵	حسینؑ اور یزید کی شخصیت	۱۶ "	سامانِ عزا	۱۶ "
ذوالجناح	۸ پیسے	اسلامی قانونِ وراثت	۱۶ "	"حسینؑ" کے تبصرہ کا علمی جائزہ	۱۶ "
رسولِ خدامؐ	۱۶ "	تقیہ	۰۴۴ ۵	رہبر کامل	۱۶ "
سیدۂ عالمؑ	۱۶ "	WHAT IS ISLAM	۰۴۰ ۵	حسن مجتبیٰؑ	۱۶ "
شہیدِ کربلا	۱۶ "	سیدِ سجادؑ	۱۶ پیسے	رسولؐ کی بیٹی	۰۳۲ ۵
ایمان بالغیب	۱۶ "	اسلامی کلچر کیا ہے؟	۱۶ "	پانچواں امام	۱۶ پیسے
صلحِ حسنؑ	۱۶ "	شہادت و ہلاکت	۰۲۴ ۵	صادقِ آلِ محمدؐ	۱۶ "
شیعیت کا تعارف	۰۳۵ ۵	موسیٰ کاظمؑ	۱۶ پیسے	نظامِ زندگی حصہ سوم	۰۲۴ ۱
سجدہ گاہ	۰۳۶ ۵	شہید اعظم (گجراتی)	۰۴۰ ۵	پردہ اور عقل	۰۸۴ ۵
حسینؑ بن علیؑ کی عبادت الٰہی	۱۶ پیسے	پرنس آف مارٹرڈ	۰۴۸ ۵	دین و دنیا	۰۶۰ ۵
حسینؑ نام ہی معراجِ دینِ فطرت کا	۸ "	وعدہ اور ایفائے وعدہ	۰۷۶ ۵	جناب عبدالمطلب عباس	۲۰ پیسے
حضرت سلیمان شہید بصرہ	۸ "	وراثت شیعہ بیوگاں	۰۲۸ ۵	کربلا کے آخری شہید	۱۶ "
تاریخ اسلام میں واقعہ کربلا کی اہمیت	۱۶ پیسے				
اگر واقعہ کربلا نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟	۱۶ "				
حسن عسکریؑ	۱۶ "				
آیۂ تطہیر	۰۲۴ ۵				
صحیفہ سجادیہ کی عظمت	۰۴۴ ۵				
حسینؑ اور انسانیت	۰۲۴ ۵				
عدالت اور اسلام	۰۲۴ ۵				
مجسمہ انسانیت	۱۶ پیسے				
اسلام اور انسانیت	۰۶۸ ۵				
ذات و صفات	۱۶ پیسے				
حسینؑ ابن علیؑ (برطانوی پارلیمنٹیرینز کی نظر میں)	۲۸ "				
زندۂ جاوید کا ماتم	۱۶ "				
خدا پرستی اور مادیت کی جنگ	۱۶ "				
حضرت خدیجۃ الکبریٰ	۰۳۲ ۵				
پس منظر کربلا	۰۵۲ ۵				
صلحِ امام حسنؑ	۰۲۸ ۵				
علیؑ مولا	۱۲ پیسے				
حضرت علی اور مزدوری	۲۰ "				
حضرت زینب خاتون کے جبر و اختیار	۱۶ "				

آخر ذکر بلا (انگلش) ۴۰ پیسے
اگر واقعہ کربلا نہ ہوتا تو؟ ۰۲۸
تشریح جعفری ۰۸۴
بیعت یزید کیوں نہ کی ۰۳۶
کیا مذہب ارتقی ہے؟ ۰۳۶
افضلیت امیر المومنین ع ۰۲۴
واقعہ خلیل کربلا ۰۱۶
اصول دین اور قرآن ۱۰۵۶
اگر واقعہ کربلا نہ ہوتا تو کیا ہوتا (سندھی) ۰۱۸
کربلا کے بہن بھائی ۰۲۰
مذہب کیوں؟ ۰۲۸
اہلبیت ع کا مقام ۰۴۰
مسلمانوں کی تاریخ کا ایک سیاہ ورق ۰۱۲
کفر یزید ۰۲۰
قیاس فقہ و جعفری ۰۲۶
تدوین حدیث ۰۴۴
یاد اور یادگار ۰۲۸

حیات عبد المطلب ۴۰ پیسے
کربلا دی آلٹر اینڈ ٹرائن ۰۹۶
شیعیت کا تعارف ۰۱۶
اسلام کی ضرورت ۰۲۰
امامیہ مسلمز اور قرآن ۰۲۰
شہادت حسینؑ ایک دائمی شہادت حق ۰۳۲
مرر آف ٹروتھ (انگلش) ۰۸۰
انکار بیعت کا وزن ۰۲۴
حدیث حوض ۰۳۶
معراج انسانیت ۰۱۴
حسینی اقدام کا پہلا قدم ۰۱۶
کتاب انسانیت کے گمشدہ اوراق ۰۱۲
امام زمانہ صاحب العصر ۰۲۸
کیا کربلا کی جنگ اقتدار کی جنگ تھی؟ ۰۵۲
افتخار شباب ۰۳۲
صحابیت کا قرآنی تصور ۰۶۸

انگلش کتابچہ (ختم شدہ)
گجراتی رسالہ مذہب کی ضرورت ۰۳۲
حرمین شریفین ۰۲۰
ٹریجڈی آف حسینؑ (انگلش) ۰۰۶
حسین شہید ع ۰۰۸
خصوصیات مذہب شیعہ ۰۲۲
عید غدیر ۰۲۰
آل رسول ص کی قربانی ۰۱۶
BABY ASGHAR-A NO KARBALA ۰۳۲
اہل بیت سلام (پشتو) ۰۱۶
معارف نبوت ۰۲۰
نبی ص کے بعد علی ع ۰۲۰
ھذا حسین فاعرفوہ ۰۱۶
گجراتی رسالہ (شیعہ مذہب کی تبلیغ) ۰۴۰
امام حسینؑ اور سنت رسول ص ۰۲۰
درس ہدایت ۰۲۰

کتب آسمانی اور احادیث ۰۲۰
مذہب شیعہ اور تبلیغ ۰۲۶
بنی امیہ کے عداوت اسلام کی مختصر تاریخ ۰۱۶
شہید کربلا کے خاندانی خصوصیات ۰۰۸
خون شہادت کی پکار ۰۲۰
نظام زندگی حصہ چہارم ۰۷۶
عید مباہلہ ۰۲۰
خواتین کربلا ۰۲۸
تجلیات شباب و بہار ۰۴۴
خلافت یزید کے متعلق آنا دو ائیں ۰۲۰
مسلمانوں کی حقیقی اکثریت ۰۰۸
دی سکسے فائل آف کربلا ۰۴۸
دی بادنڈری لائن ۰۴۰
حسینؑ کی شخصیت ۰۲۸
سہ شعبہ تیر ۰۱۲
اسلام اور بنی امیہ ۰۵۲

امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ پاک نگر، ——— اکرم روڈ ——— لاہور

ہر ایک ممبر مشن کی توجہ طلب

اطلاع

دفتر کے لئے آپ کا ممبری نمبر تلاش کرنا صبر آزما مرحلہ ہوتا ہے۔ ہزارہا خریداروں میں آپ کا نام تلاش کرنا وقت طلب ہونے کے ساتھ ساتھ جواب میں تاخیر کا باعث ہوتا ہے۔ لہٰذا بار بار گزارش کی جاتی ہے۔ کہ خط لکھتے وقت یا اپنا چندہ بھجواتے وقت ممبری نمبر لکھنا نہ بھولئے۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی خط لکھنے شکریہ

شیخ محمد انور پبلشر نے باہتمام ملک نور الٰہی پرنٹر تعلیمی پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ پیام عمل پاک نگر اکرم روڈ لاہور سے شائع کیا۔

www.khwajalateefansari.com

تاریخِ اِسلام کے وِرثہ میں شاندار اضافہ

تاریخِ اِسلام حِصّہ دوم

دُنیائے اِسلام کے مایہ ناز محقق و مفکر

سرکار سیّد العلماء الحاج مولانا سیّد علی نقی النقوی مجتہد العصر والزمان

کا تازہ شاہکار

جس میں ہجرت کے بعد کے ابتدائی حالات اختصار و جامعیت کے ساتھ منصّہ شہود پر آئے ہیں۔

- دُنیائے اسلام میں اوّلین خطبہ جمعہ۔
- دُنیا میں بین الاقوامی معاہدہ کا پہلا دستور۔
- جنگ بدر کے سلسلہ میں بعض گمراہ کُن افسانوں کا جائزہ۔
- سلاطین بنی امیہ کی خوشنودی کے لئے مسلمان مؤرخین کے پیغمبر اسلام پر الزامات اور قرآن کی روشنی میں ان الزامات کی تردید۔
- یہ کتاب مستشرقین محققین تاریخ و سیاست کے علماء و طلباء کیلئے عمدہ تحفہ ہے
- اوس و خزرج کی خونخوار نزاع کی جانثار اخوت میں تبدیلی۔
- تائید بنی نجار کے تقرر پر طرز جمہوریت کی تردید۔
- قرآن و سُنت کی روشنی میں اسلام کا حقیقی نظام جہاد اور اجازت جنگ کے قرآنی شرائط۔
- سابقین اوّلین صحابہ جو جنگِ بدر کے ۳۱۳ مجاہدین میں شامل تھے۔ ان میں سے دو مثالیں۔ ہیں بھی کھوٹے سکے موجود تھے جو جہنم کا ایندھن بنے۔

یہ کتاب مکتبہ امامیہ (امامیہ مشن لاہور) کی دیگر کتابیں جن پر ممبران مشن کو بیس فیصد رعایت ملتی ہے۔ جو ذیل ہیں:

ترغیب الصلوٰۃ	۰/۵۰	دعائے روز عرفہ	۰/۵۰	قید و قبور	۱/-
دینیات حصہ اوّل	۱/۱۲	دینیات حصہ دوم	۱/۲۵	رہنمائے حجاج	۱/۵۰
اعتقادیہ شیخ صدوقؒ	۲/-	اثبات پردہ	۲/-	رہنمایان اسلام	۲/-
زندگی کا حکیمانہ تصوّر	۲/۲۵	اسوۂ حسینی	۲/۲۵	متعہ اور اسلام	۳/-
شہید اعظم	۳/-	دین و اسلام	۲/۲۵	فتح مبین	۴/-
اعجاز التنزیل قسم دوم	۴/۵۰	تاریخ حسن مجتبیٰؑ	۸/-	الغفاری	۵/۵۰
				حضرت امام حسین شہید	۲/۷۵
				محمد بن ابی بکر	۱/-
				مجالس الشیعہ	۲/-
				تاریخ اسلام حصہ اوّل	۲/-
				کربلا کی شیر دل خاتون	۲/-
				دین حق	۴/۵۰
				خلافت و امامت	۱۰/-

پاکستان میں علوم محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کی سب سے بڑی نشرگاہ

امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ (پاکستان)

پاک نگر۔ اکرم روڈ۔ لاہور۔ پوسٹ بکس ۴۸۵

www.khwajalateefansari.com

عکس تحریر
حجۃ الاسلام سرکار
آقائے محسن حکیم
طباطبائی

عکس تحریر
علامہ حافظ کفایت حسین
مرحوم و مغفور